فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (الزمر۔ رکوع ۲)

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ (مریم رکوع ۲)

قولِ حق

مصنّفہ

اکبر شاہ خان نجیب آبادی

باہتمام

محمد احمد الدین نظامی

نظامی پریس بدایوں میں چھپی

قیمت فی جلد ہے

فہرست مضامین و صفحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان محمد عبدہٗ ورسولہ الذی ارسل الی سائر الناس بشیراً ونذیراً و صلی اللہ علیہ وعلی جمیع المرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین وعلی جمیع الصالحین۔

امابعد

کچھ عرصہ سے یہ سوال مسلمانوں کے سامنے بار بار پیش ہوتا رہا ہے کہ مسلمانوں کی قوم من حیث القوم تمام صفات محمودہ میں تنزل اور ہر ایک صفت مذمومہ و مشئومہ میں ترقی کیوں کر رہی ہے یا بالفاظ دیگر ساری اچھی اور کام کی چیزیں مثلاً حکومت۔ دولت۔ عزت۔ غیرت۔ علم نافع اخلاق فاضلہ اعمال صالحہ ایک ایک کر کے مسلمانوں سے رخصت ہو رہے ہیں اور تمام وہ باتیں جو کسی قوم کی ہلاکت کا موجب ہو سکتی ہیں مثلاً بے حیائی۔ افلاس۔ جہالت۔ عادات رذیلہ۔ بداعمالیاں دن بدن پیدا ہوتی اور ترقی کرتی جاتی ہیں۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ اور حسنات رفتہ کو سیئات موجودہ کی جگہ کس طرح واپس لایا جا سکتا ہے؟۔ اس ضروری سوال کا جواب دینے کی کوشش قریباً پچاس سال سے برابر ہو رہی ہے۔ مشہور اسلامی انجمنوں اور کانفرنسوں کے سالانہ جلسوں میں خطبات صدارت عموماً اسی سوال کا جواب ہوتے ہیں۔ ہر سال دو چار چھوٹی موٹی کتابیں بھی اس سوال کے جواب میں شائع ہو جاتی ہیں۔ ماہانہ اسلامی رسالوں۔ پندرہ روزہ اور ہفتہ وار اخباروں اور اسلامی روزناموں میں بھی آئے دن یہی سوال زیر بحث رہتا ہے۔ جامع مسجدوں کے ہفتہ وار مواعظ و خطب۔ پڑھے لکھے مسلمانوں کی نشست گاہیں۔ ریل گاڑی کے طویل سفر میں درمیانہ درجہ کے مسلمان مسافروں کی گفتگو میں بھی مذکورہ

سوال کا جواب معلوم و متعین کرنے کی کوشش سے عموماً خالی نہیں ہوتیں اس پچاس سال کے عرصہ میں مذکورہ موضوع پر جو کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے اگر سب کو کتابی شکل میں لکھ کر ترتیب دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار ہو جائے جس میں صدہا بڑے بڑے لیڈروں۔ صدہا فاضل اجل لوگوں۔ صدہا مصنفوں۔ صدہا ایڈیٹروں۔ ہزارہا واعظوں۔ ہزارہا لیکچراروں۔ ہزارہا شاعروں اور لاکھوں پڑھے لکھے اور سوچنے سمجھنے والے مسلمانوں کے خیالات و مقالات و ملفوظات موجود ملیں گے۔ اور اقتصادی معاشری۔ اخلاقی۔ مذہبی۔ سیاسی۔ علمی وغیرہ ہر ایک نقطہ نظر کو کام میں لا کر بحث کی گئی ہوگی۔ جبکہ اس ضروری سوال کے جواب یعنی بیماری کے اسباب و علامات و معالجات کے معلوم و متعین کرنے میں اس قدر عظیم الشان کوشش بروئے کار آ چکی ہے تو اب یہ سلسلہ ختم کیوں نہیں ہو جاتا اور کیوں پہلے سے بھی زیادہ لوگ اس کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں؟ اس دوسرے سوال کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ابھی تک چور پکڑا نہیں جا چکا اور بیماری چونکہ بدستور ترقی کر رہی ہے لہذا تیمارداروں کی گھبراہٹ اور صحیح معالجہ کی جستجو ترقی کرتی جاتی ہے ایسی حالت میں کسی غیر معروف شخص کو بھی جرأت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی تیر بہدف دوا یہ کہہ کر پیش کرے کہ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے علاج کو تو آپ آزما چکے اگر جی چاہے تو یہ میری مجرب دوا بھی مریض کو استعمال کرا دیکھئے یہ سن کر مریض کے رشتہ دار تھوڑے سے تامل کے بعد عموماً رضامند ہو جاتے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس دوا کے استعمال سے مریض کی تندرستی واپس آ جاتی ہے میرا مدعا اس گذارش سے یہ ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجھکو بھی اجازت ملنی چاہیئے کہ مذکورہ سوال کے جواب اور مذکورہ بیماری کے علاج کی نسبت کچھ عرض کروں۔ ممکن ہے کہ میرا ہی پیش کردہ نسخہ کام کر جائے اور اگر کچھ بھی کام نہ آئے تو کم از کم میرا اسلامی فرض تو ادا ہو جائے۔

مسلمانوں کی سود و بہبود کی نسبت اب تک جو کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے اس کو بیسیوں عنوانوں کے ماتحت اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف سے بے اعتنائی اختیار کر کے افلاس اور بد اخلاقیوں میں مبتلا ہو گئے لہذا ان کو صنعت و تجارت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

(۲) مسلمانوں نے پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کی چنانچہ ہمسایہ قوموں سے علمی مسابقت میں پیچھے رہ کر اپنی عظمت و فضیلت کو ضائع کر دیا لہذا تعلیم کی طرف سب سے پہلے متوجہ

ہونا چاہئے۔

(۳) مسلمانوں میں فضول خرچی بہت بڑھ گئی ہے اور تمام جائداد بیچ بیچ کر قلاش ہو گئے۔ ان کو کفایت شعار بننا چاہئے وغیرہ۔

اس قسم کی باتیں خواہ کتنی ہی مفید اور اچھی کیوں نہ ہوں ان میں حقیقی۔ اصلی اور اصولی کوئی بات نہیں مثلاً اس ملک میں اب سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے پارچہ بافی۔ نجاری۔ آہنگری۔ معماری۔ کفش دوزی۔ خیاطی۔ خیمہ دوزی۔ رفوگری۔ تیرگری۔ اسلحہ سازی۔ زرگری۔ خوشنویسی وغیرہ قریباً تمام صنعتیں مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھیں۔ صبح سے شام تک دوکان پر بیٹھکر غلہ اور آٹا دال نمک مرچ وغیرہ بیچنے کی ادنیٰ تجارت کے علاوہ تمام بڑی بڑی اور اعلیٰ قسم کی تجارتیں جن میں مال ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جانا پڑتا تھا عموماً مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں علم و فضل کے اعتبار سے بھی تمام دوسری قوموں پر مسلمانوں کو برتری حاصل تھی۔ اعلیٰ مدارس اور ہر قسم کی تعلیم گاہوں پر مسلمانوں کا قبضہ واقتدار قائم تھا۔ فضول خرچی سو یا ڈیڑھ سو سال پہلے بھی مسلمانوں میں ایسی ہی تھی لہذا ان چیزوں کو اصل مرض کے عوارض تو شاید کہا جا سکے لیکن ان میں سے کسی کو اصل مرض نہیں کہا جا سکتا۔

غور و تامل اور بحث و نظر میں یہاں تک پہونچکر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اصل بیماری غیر ملکی یا غیر مذہبی حکومت اور مسلمانوں کی محکومی ہے۔ ایسا کہنے والے یقیناً دوسروں کی نسبت زیادہ ذہین اور زیادہ دقیقہ رس ہیں اور اُن کے اس قول کی تردید ممکن نہیں لیکن ان کی تشخیص کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد بھی اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بیماری کا صحیح علاج وہ بھی آجتک نہیں بتا سکے۔

غیر ملکی یا غیر مذہبی حکومت کے رفع اور دفع کرنیکے لئے جو جو تدبیریں آجتک سوچی اور زیر عمل لائی گئی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ابھی تک کامیاب اور منجحِ انجاح مرام ثابت نہیں ہوئی اور اس ناکامی کے اسباب آج تک محدود و معین نہیں ہو سکے نہ آیندہ اس اسباب ناکامی کے معین و محدود اور مرفوع و مسدود ہونے کی توقع۔ مثلاً سب سے زیادہ مضبوط اور پختہ بات یہ کہی گئی ہے کہ ہندو مسلمانوں کو متفق ہوکر غیر ملکی حکومت کو اپنے اوپر سے ہٹا دینا چاہئے لیکن ہندو مسلمانوں میں ایسا اتفاق آجتک نہیں ہوا اور کوئی شخص یہ نہیں بتا سکا کہ یہ مطلوب اتفاق کس خاص وجہ سے نہیں ہو سکا اور وہ خاص وجہ کب تک دور ہو سکے گی اور اس کے دور ہونے کے بعد دوسری کوئی وجہ نا اتفاقی

کی پیدا نہ ہوگی۔ یہ سب کچھ بھی ہو جائے تو غیر ملکی حکومت کے دور ہو جانے پر جو ملکی حکومت قائم ہوگی وہ بھی غیر مذہبی یعنی غیر اسلامی ہوگی یا زیادہ سے زیادہ یوں کہیے کہ نیم اسلامی ہوگی۔ قیاس یہ کیا جا رہا ہے کہ اس نیم اسلامی ملکی حکومت میں مسلمان اپنے آپ کو سنبھالتے اپنی شوکت رفتہ کو واپس لانے اور کھوئی ہوئی عزت و دولت و فضیلت کو دوبارہ حاصل کرنے میں بآسانی کامیاب ہو جائیں گے۔

یہاں تک اگرچہ محض خیالات و قیاسات ہی کا ایک سلسلہ ہے اور کامیابی حاصل کرنے یعنی بیمار کے تندرست ہونے کی کوئی یقینی اور حتمی صورت پیدا نہیں ہوئی لیکن ان تمام ممکنات کو واجبات تسلیم کر لینے کے بعد بھی ایک اور زبردست خدشہ یا اہم سوال سامنے آتا ہے جس کا حل اور جواب سوچنے اور تلاش کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے جن مسلمانوں نے اس ملک کی قائم شدہ اسلامی حکومت کو کمزور بنا کر بالآخر فنا ہونے دیا ان مسلمانوں سے آجکل کے مسلمان کن کن باتوں میں فوقیت و فضیلت رکھتے ہیں اور ان میں کون کون سی قابلیتیں ان ڈیڑھ یا دو سو سال پہلے کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ یہ بھی سوچنے اور تلاش کرنے کی بات ہے کہ دو سو سال پہلے کے بزرگوں میں جس طرح اسلامی سلطنت کے برباد کرنے اور خود برباد ہونے کی قابلیت پیدا ہو گئی تھی موجودہ مسلمانوں میں من حیث القوم اُس کی جگہ نئی اسلامی یا نیم اسلامی سلطنت پیدا کرنے کے بعد اُس کے قائم رکھنے اور مسلمانوں کی قوم کو زندہ اور مضبوط قوم بنانے کی اہلیت پیدا ہو چکی ہے۔ اہلیت کی تعیین جن دلائل کی بنا پر کی جائے گی وہ بجائے خود قابل نقد و نظر ہوں گے۔ تخیل کے اس صحرا میں آوارہ و سرگرداں ہونے سے بچانے کے لئے صاحب بصیرت حضرات نے اُن مسلمانوں کو جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتے اور قرآن مجید کو خدائے تعالےٰ کا کلام یقین کرتے ہیں مخاطب کر کے اس معقول بات کی طرف توجہ دلائی کہ۔

خدائے تعالےٰ نے حکومت و سلطنت کے لئے قرآن مجید میں کچھ شرائط بیان فرمائے ہیں ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہر ایک قوم اسبات کی مستحق ہو سکتی ہے کہ اس کو پادشاہت و سلطنت عطا کی جائے اور کچھ ایسی غلطیاں اور نالائقیاں ہیں کہ جس قوم میں ان کی کثرت ہو جاتی ہے اس سے خدائے تعالےٰ حکومت و سلطنت چھین لیتا ہے۔ قوموں کے زندہ ہونے اور مرنے کے اسباب و علامات بھی خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں اصولاً بیان فرما دیئے ہیں۔ قرآن مجید کی تمام تعلیمات اور اس کے بیان کردہ اصول کا غلط اور نادرست ہونا آجتک کبھی ثابت نہیں ہوا اور ان کے درست اور صحیح

ہونے کی شہادتیں ہر زمانہ میں ظاہر و ہویدا ہوتی رہی ہیں لہٰذا ہم کو قرآن مجید کے معیار پر اپنی حالت کو پرکھنی چاہیئے۔ قرآن مجید نے سچے پکے مسلمانوں کے لیے من حیث القوم حکومت و سلطنت پر فائز ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو سچے پکے مسلمان او قرآن مجید کی کسوٹی کے موافق سب سے بہتر مسلمان تھے دنیا میں سب سے بڑی حکومت اور سب سے اچھی سلطنت کے مالک اور سب سے بہتر فرمانروا تھے صحابہ کرام کے بعد مسلمان جس زمانہ میں جس قدر قرآن مجید کی تعلیمات سے غافل اور قرآنی معیار کے موافق جس قدر اسلام میں ناقص ہوئے اسی قدر ان کی حکومت و سلطنت کمزور و ناقص ہوتی گئی اور نکبت و ذلت ان کو تلاش کرنے لگی۔ چنانچہ ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ کا ایک ایک ورق اسکی صداقت پیش کر رہا ہے۔ اسلام اور کلام الٰہی سے من حیث القوم غفلت اختیار کر لینے کے باوجود مسلمانوں کے کامیاب و فائز المرام ہونے کی کوئی مثال کسی زمانہ میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔ پس ایسے عظیم الشان استقرائی ثبوت کے موجود ہوتے ہوئے آج مسلمانوں کا اپنی زبون حالی کے دور کرنے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنا اور قرآن مجید کی طرف متوجہ نہ ہونا اور قرآن مجید میں اپنے درد کی دوا تلاش نہ کرنا نہایت ہی تحیر انگیز اور حیرت افزا ہے۔

اس سے زیادہ اچھی اور صحیح بات مسلم قوم کے مرض اور اس کے علاج کی نسبت اب تک نہیں کہی گئی اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ازالۂ مرض کا یہی ایک صحیح علاج ہے۔ دس بارہ سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ میں اپنا یہ خیال ایک چھوٹے سے رسالہ "اکابر قوم" کے خاتمہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔ حکومت و سلطنت کا حصول اور صفاتِ حسنہ کا وصول نتیجہ ہے صحیح اسلام پر قائم ہونے اور قرآن مجید کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لینے کا۔ مسلمانوں کا فرض تو صرف سبب کا موجود و مہیا کر دینا ہے۔ نتیجہ خدائے تعالے خود مرتب فرمائے گا۔ یہ باتیں کچھ نئی نہیں ہیں بلکہ تحریر و تقریر کے ذریعہ شائع ہوتی اور مسلمانوں کی سماعت و مطالعہ میں آتی رہی ہیں لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ ایسی بیش بہا بات کا کوئی خصوصی اثر اور ایسے صحیح مشورہ پر عمل کی کوئی سرگرمی مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ بس یہی احساس ہے جو اس کتاب کی نگارش کا موجب ہوا۔ میں نے جب اس بات پر غور کیا کہ مسلمان قرآن مجید اور سنت ثابتہ و احادیث صحیحہ کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے تو مندرجہ ذیل نتائج پر پہونچا۔

(۱) مسلمانوں میں اس وقت تک تاریخ اور مذہب بالکل جدا اور ایک دوسرے سے اجنبی دو الگ الگ چیزیں ہیں وہ جب تاریخ پڑھتے ہیں تو خلفاء او رسلاطین کے حالات۔ جنگ و پیکار کے ہنگاموں۔ دربار اور درباریوں کے کاموں کو پڑھتے چلے جاتے ہیں اُس وقت مذہب احکام قرآنی۔ احادیث نبوی۔ عام مسلمانوں کی مذہبی زندگی۔ بدعات و مراسم اور اُن کے بد نتائج وغیرہ کا ان کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا بہ خلاف اس کے جب مذہبی کتابیں ملاحظہ کرتے ہیں اور فقہی اختلافات علماء کے مباحثات۔ ائمہ کے اجتہادات وغیرہ پڑھتے ہیں تو حکومت و سلطنت کے حالات کی طرف سے بالکل بےخبر ہوتے ہیں اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ جس عالم یا جس امام یا جس صوفی کے اقوال و اعمال کا حال ہم مطالعہ کر رہے ہیں یہ کس زمانہ میں تھا کس شہر میں رہتا تھا کس کی حکومت میں تھا۔ دربار سلطنت سے اس کا کیا تعلق تھا اس وقت کے دوسرے علماء کی کیا حالت تھی۔ اس زمانہ میں کون کون سی رسمیں ایجاد ہو چکی تھیں۔ کون سی کتاب کس زمانہ اور کن حالات میں تصنیف ہوئی۔ سلطنت کا اثر عوام کے اعمال و عقائد پر کس قدر تھا اور کس قسم کا تھا۔ کون سی رسم کس نے ایجاد کی۔ کون سی بدعت کس زمانہ میں کس طرح رائج او رمقبول ہوئی وغیرہ۔ یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ صحابہ کرامؓ کے وقت سے لیکر اب تک اسلام کن کن حالات میں ہو کر مسلسل گذرتا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی تعلیمات کا صحیح خاکہ اکثر اعلم العلماء کہلانے والوں کے دماغ میں بھی قائم نہیں اور وہ اسلام کے متعلق بآسانی صحیح تعلیم دینے اور لوگوں کو اسلام سے واقف بنانے میں عموماً ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ تبلیغ مذہب اور اصلاح اعمال و عقائد میں تاریخ جو کام کر سکتی ہے اس کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں جابجا تاریخی واقعات اور گذشتہ لوگوں کے حالات کو وعظ و تذکیر کے لئے بیان فرمایا اور ان تاریخی حالات کو سامان عبرت قرار دیا ہے۔ لیکن مسلمان اپنی مکمل و مفصل تاریخ موجود رکھتے ہوئے نصیحت گری میں اس سے کام نہیں لیتے۔ پس ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو تاریخ سے کام لینا بتایا جائے اور بدعات سیئہ اور مراسم مذمومہ اور ان کے بد نتائج کی صحیح تاریخ سُنائی جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کر سکیں۔

(۲) عربی کا رواج اس ملک میں شروع ہی سے ایک قلیل طبقہ تک محدود رہا ہے۔ قرآن مجید سے واقف ہونے کے لئے بہت سے اردو ترجمے موجود ہیں جن میں سے بعض بہت

اچھے اور صحیح ہیں لیکن جیسا کہ چاہیئے تھا مسلمانوں نے قرآن مجید کے ترجموں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ با ترجمہ قرآن عموماً بطور زینت یا بطور تبرک خریدے اور الماریوں کے سب سے اونچے خانوں میں خوبصورت غلافوں کے اندر رکھے جاتے ہیں۔ پڑھنے۔ سمجھنے۔ اور تدبر کرنے کے کام میں نہیں لائے جاتے۔ ناولوں۔ افسانوں۔ تذکروں۔ سیاسی کتابوں، ادبی رسالوں کے لئے تو پڑھے لکھے مسلمانوں کا بہت سا وقت صرف ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کے ایک یا آدھے پارے بلکہ ایک یا آدھے رکوع کا ترجمہ روزانہ تدبر کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش اپنے اوقات میں نہیں نکال سکتے۔ ایسی حالت میں جاہلوں اور بے پڑھے لکھے لوگوں سے شکایت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں میں جو جماعت زیادہ با اثر۔ خوش حال تعلیم یافتہ اور عوام کو اپنا ہم خیال و مطیع بنانے میں کوشاں ہے وہ اکثر انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے جو عموماً بیرسٹر۔ پلیڈر۔ ڈاکٹر۔ انجینیئر۔ پروفیسر۔ انسپکٹر۔ ڈپٹی کلکٹر۔ منسٹر۔ ماسٹر اور رسٹر وغیرہ ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی باتیں عام مسلمانوں کو زیادہ ماننی پڑتی ہیں۔ لیکن اس انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کا قرآن مجید سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی طرح اس با اثر طبقہ کو قرآن مجید کے حسن دلربا کا تماشائی بنا کر اس کا شیدائی بنایا جائے۔

(۳) تقلید جامد اور آباء پرستی نے عام طور پر مسلمانوں کے قوائے عقلیہ اور فہم و فراست کو ماؤف و معطل کر دیا ہے۔ شرکیہ و بدعیہ مراسم میں مبتلا رہنے کی مصیبت کے ساتھ ہی کسی معاملہ کو فہم و تدبر کی کسوٹی پر پرکھنے اور صداقت و راستی کی حمایت میں جرات کے ساتھ مستعد ہو جانے کی قابلیت و ہمت بھی عام طور پر مسلمانوں سے رخصت ہو چکی اور رخصت ہو رہی ہے اور اسی لئے قرآن و حدیث سے عام طور پر مسلمان بیگانہ و بے تعلق نظر آتے ہیں پس ضرورت ہے کہ اندھی تقلید اور اسلاف و آباء پرستی کی فہم کش اور حماقت آفریں قید و حراست سے مسلمانوں کو آزاد کیا جائے تاکہ وہ اس سچے اسلام کو جو صحابۂ کرامؓ کا اسلام تھا اپنا مذہب قرار دے سکیں اور ان میں دماغی نشو و نما جو لازمۂ اسلام ہے موجود نمایاں ہو۔

(۴) جاہل گور پرستوں۔ مراسم پرستوں۔ عجائب پرستوں۔ پیر پرستوں۔ اور ان احمقوں

سے کے سرپرست پیشہ ور پیروں، صوفی نما چالاک و شعبدہ باز فقیروں، گدی نشینوں اور شرارت
پیشہ نفس پرستوں نے مسلمانوں کی توجہ کو کتاب و سنت اور فہم و فراست کی طرف سے روکنے
کے لئے نہایت زبردست مورچے قائم کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد انسانیت
اور انسانی مجد و شرافت کے حاصل کرنے سے رکی ہوئی ہے۔ پس ضرورت ہے کہ اس طلسم
کو توڑ دیا جائے اور راستہ کے اس پتھر کو اٹھا کر مسلمانوں کے لئے حقیقی اسلام سے واقف ہونے
کی سہولت بہم پہونچائی جائے۔

(۵) مسلمانوں میں جو لوگ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور متبع شریعت کہلاتے ہیں انھیں سے
بہتری کی توقعات وابستہ ہوسکتی تھیں لیکن وہ عموماً کورانہ تقلید کی بنا پر ایسی تنگ خیالی، تنگ حوصلگی
اور ضد کی نحوست میں ضرب المثل بن چکے اور مسلم قوم کی خیر وخوبی میں کوئی اضافہ نہیں
ہو رہا ہے جس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ لوگ جن پیشہ ور مولویوں کے زیر اثر ہیں انھوں
نے غالباً اپنے اثر و اقتدار کی حفاظت کے لئے گروہ بندی اور اکابر پرستی کے آہنی حصار
قائم کرکے ان لوگوں کو کتاب و سنت سے بے پرواہ اور ان کی فہم و فراست کو مفلوج بنا
دیا ہے۔ ناقابل التفات الٰہیاتی عقائد اور نہایت معمولی فروعی مسائل کو جو صحابہ کرامؓ کے
عہد مبارک میں قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے دوکاندار اور پیشہ ور مولویوں نے فرائض و
واجبات اور اصولی عقائد کی اہمیت دے کر آپس کی لڑائیوں اور گروہ بندیوں کا مستقل
سامان بنا دیا ہے اور اس آگ پر تیل ڈالتے رہنے کا اہتمام اپنے ذمہ لے رکھا ہے لہٰذا ضرورت
ہے کہ اس طلسم کو بھی توڑ دیا جائے۔

مذکورہ تاثرات کے ماتحت مذکورہ ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس
کتاب کا مسودہ لکھنا شروع کیا اور چند ہی روز میں ختم کر لیا۔ مسودہ لکھتے وقت میں نے ابواب و
فصول کی تقسیم مطلق نہیں کی تھی بلکہ ساری کی ساری کتاب مسلسل لکھ کر ختم کر لینے کے بعد حواشی
پر ابواب کے نشانات قائم کئے اور خاص خاص حصوں پر مضامین کے اعتبار سے سرخیاں
لکھیں اس طرح ممکن ہے کہ مضامین کی تقسیم و ترتیب کسی قدر کمزور نظر آئے لیکن کتاب کا اول سے
آخر تک بالاستیعاب مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ ان مقاصد کو جن کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے

بہت کچھ پورا کر دے گا۔ آخر کے ابواب میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی عظمت دلوں پر چھا جائے اور نئی روشنی کے تعلیم یافتہ نوجوانوں اور دوسرے لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے اور اس پر تدبر کرنے کی ترغیب ہو۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک حصہ کو تاریخی اور ایک کو قرآنی کہہ سکتے ہیں۔ میں نے اصل مسودہ میں قرآنی حصہ (جس میں قرآن مجید کی آیات بکثرت موجود ہیں) شروع میں لکھا تھا اور تاریخی حصہ آخر میں پورا ہوا تھا۔ لیکن بعد میں جب ابواب کی تقسیم عمل میں آئی تو کتاب کی ضخامت کم اور مختصر کرنے کے لئے بہت سے مضامین کو خارج اور کم کرنے کے علاوہ تاریخی ابواب کو مقدم کر کے شروع کے قرآنی ابواب کو اس لئے آخر میں رکھا گیا کہ کتاب پڑھنے والا جب کتاب کو ختم کرے تو اس کے دل پر قرآن مجید کی محبّت و عظمت کا نقش باقی ہو۔

میں اُن سمجھدار لوگوں کے لئے جو عربی نہیں جانتے قرآن مجید کے لفظی ترجمہ کو پسند کرتا اور اسی لئے اپنے دوستوں کو مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمۃ القرآن سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیا کرتا ہوں تاکہ عربی زبان اور قرآن مجید کے اصل الفاظ سے تعلق پیدا ہو کر تفکر و تدبر کا بھی لازماً کچھ نہ کچھ موقع ملتا رہے لیکن میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ عربی زبان کا لفظی ترجمہ جس میں الفاظ کی تعداد زیادہ نہ ہو ممکن ہی نہیں۔ اس کتاب میں آیات قرآنی کا جو ترجمہ میں نے درج کیا ہے اس میں سب سے زیادہ خیال اور لحاظ اس بات کا رکھا گیا ہے کہ عربی کے الفاظ اور جملات کا جہاں تک ممکن ہو پورا پورا اور نہایت صحیح مفہوم کم سے کم الفاظ میں ادا ہو جائے تاہم جہاں کہیں اردو زبان کی بے بضاعتی کے سبب زیادہ الفاظ لائے بغیر اصل مفہوم ظاہر ہی نہیں ہو سکتا تھا وہاں زیادہ الفاظ اور تفسیری جملے بھی استعمال کر لئے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جو لوگ عربی زبان بالکل نہیں جانتے اُن کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ آیات قرآنی کا اردو ترجمہ نہایت احتیاط اور پوری دیانت و امانت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یہ بھی عرض کئے بدون نہیں رہ سکتا کہ یہ کتاب بہت ہی تھوڑے سے عرصہ میں جبکہ

میں فارغ البال اور مطمئن بھی نہ تھا گویا قلم برداشتہ پوری ہوئی ہے لہذا اس کو نقش اول سمجھنا چاہیئے۔

میں اس بات سے ناواقف نہیں کہ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی بہت سے حلقوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور شیطان اپنی ذریت کو مسلح کر کے میدان میں صف بستہ کر دے گا اور اپنے قلعوں کا انہدام خاموشی سے نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن میں تخرغائیوں کے جوش و خروش، کفریہ فتووں، معاندانہ اور جاہلانہ تنقیدوں، مضمون آفرینیوں اور افترا پردازیوں کا پہلے ہی سے بہت بڑھا چڑھا کر اندازہ کر چکا ہوں اور نہایت سکون قلب کے ساتھ اس کتاب کو شائع کر رہا ہوں۔ میں نے الحمدللہ اس کتاب میں ایک جملہ بلکہ ایک لفظ بھی شرارت اور ہنگامہ پردازی کی راہ سے نہیں لکھا۔ محض خدائے تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بطور عبادت اس کام کو انجام دیا ہے اور مجھکو اُمید ہے کہ سعید روحیں ضرور میری تائید پر آمادہ ہو جائیں گی۔ میری تمام تر توقعات اپنے خدا سے وابستہ ہیں اسی کی حمایت اور اُسی کی حفاظت میرے لئے کافی ہے۔

سالہا سال سے زمین پر ایک جگہ پڑی ہوئی پتھر کی سِل کو جب اُٹھایا جاتا ہے تو اُس کے نیچے کی پُر نم زمین پر بہت سے باریک باریک کیچوے اور چھوٹے چھوٹے کیڑے جو تاریکی میں پیدا ہوئے تھے اس پتھر کے یکایک اٹھنے سے بیتاب ہو جاتے اور اُن میں کھلبلی سی مچ جاتی ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ غائب ہو جاتے اور اپنے لئے تاریک سوراخ تلاش کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مجھکو توقع ہے کہ اس کتاب کے شائع ہونے سے جو تلاطم برپا ہوگا وہ عارضی اور چند روزہ ہوگا اور تاریکی کے فرزندوں کو مستقبل خود بتادے گا کہ حق و صداقت کس کے ساتھ ہے۔

یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اصولاً اسلامی ضرورت کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے۔ افراد یا اشخاص کے تصور سے میرا دماغ بالکل پاک اور صاف تھا۔ میں نے کسی معلوم و متعین شخص کو کوئی نقصان پہونچانا نہیں چاہا۔ ہاں!

بُری باتوں کو بُرا ثابت کرنے سے اگر کسی کو نقصان پہونچتا ہو تو مجھکو اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں سب سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق اصلاح سمجھتا۔ اپنے اندر سب سے زیادہ عیوب پاتا اور اولین مخاطب اپنی ہی ذات کو قرار دیتا ہوں۔

اس کتاب کے ابتدائی ابواب کی نسبت کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے عیوب کو اس طرح بے پردہ کرنا مصلحت کے خلاف اور شماتت ہمسایہ کا موجب ہوگا ایسے معترض کو آگاہ رہنا چاہیئے کہ اُس کا اندیشہ بالکل بے حقیقت اور اس کی احتیاط و مصلحت سراسر غیر ضروری بزدلانہ۔ جاہلانہ اور تعلیمات اسلامیہ کے خلاف ہے اس وقت اس کتاب کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ کے جس خاص پہلو کو نمایاں اور بے پردہ کیا گیا ہے اُس کے بے پردہ ہونے کی دوائے نہایت سخت ضرورت پیش آگئی ہے اور اس کے بغیر مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچ رہا ہے لہٰذا اس تلخ دوا کو ان کے اثر شیریں کا تصوّر اور یقین کرتے ہوئے اللہ شافی کہہ کر پی جایئے ؎

بہ بانگِ چنگ بگوئیم آں حکایتہا
کہ از نہفتن آں دیگِ سینہ میزد جوش

اکبر شاہ خاں
نجیب آباد
۳۱ر اگست ۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

ملّتِ اسلامیہ میں فتنوں کی ابتدا

تمہید مسلمانوں میں جن فتنوں نے رونما ہو کر شیرازہ ملت کو منتشر اور کمزور کیا اُن کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک اندرونی اور دوسرے بیرونی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم برائے نام ہی ہے کیونکہ منافقوں اور کافروں کا برپا کیا ہوا کوئی فتنہ ایسا نہیں جس کو خود مسلمانوں کی غلطی اور بے راہ روی نے تقویت پہونچا کر کامیاب نہ بنایا ہو اور مسلمانوں کی کوئی قابلِ تذکرہ غلط کاری اور نالائقی ایسی نہیں جس میں منافقوں اور کافروں کی سعی و کوشش کو دخل نہ ہو۔ آدمؑ و شیطان کی جو مخالفت شروع ہوئی تھی وہ گویا نور و ظلمت کی معرکہ آرائی تھی جو آج تک برپا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی تعلیمات پر عمل کرنے والے آدمؑ کی ذریت اور نور کے مظاہر ہیں۔ ان انبیاء اور تعلیماتِ انبیاء کے مخالفین کو ذریتِ شیطان اور فرزندانِ ظلمت سمجھنا چاہیے۔ ان دونوں گروہوں کی کشمکش قیامت تک باقی رہے گی جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب دنیا کے پردہ پر موجود نہ ہوگا اور کفر و اسلام یا نور و ظلمت کی یہ کشمکش بالکل ختم ہو جائے گی انھوں نے آیاتِ قرانی اور احادیثِ نبوی کا اصل مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے کیونکہ کلام مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت اسلام کے سوا باقی تمام ادیانِ باطلہ فنا ہو کر دنیا میں کفر و اسلام کی کشمکش فنا ہو جائے گی بلکہ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ط (المائدہ ع۔ رکوع ۳) سے قیامت تک غیر مسلموں اور گمراہ لوگوں کے باقی رہنے کا صاف ثبوت موجود ہے اور قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ٥ (سورۃ الحجر۔ رکوع ۳) وغیرہ آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے پیشنگوئی

سے تعلق رکھنے والی حدیثوں کے ذخیرہ میں موضوعات کی جو کثرت ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں آئندہ کی کوئی خبر آیات قرآنی کی غیر تو احادیث نبوی میں آسکتی ہے لیکن مفہوم قرآنی کے مخالف کوئی خبر آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے ہرگز بیان نہیں ہوسکتی۔ بہرحال یہ ایک جملۂ معترضہ تھا۔ نور وظلمت کی کشمکش اور معرکہ آرائی سے اسلام کی تاریخ کا کوئی صفحہ خالی نہیں اور نہ خالی ہونا چاہیے تھا۔ اس جگہ اصل مضمون یہ بیان کرنا ہے کہ ملت اسلامیہ میں فتنوں کی ابتدا کس طرح ہوئی۔

عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی آنحضرت صلعم کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے ابتدائی نصف عہد خلافت تک بہ ظاہر ملت اسلامیہ میں امن وسکون تھا اور ۳۰ھ تک مسلمانوں نے دنیا کا اتنا بڑا اور اہم رقبہ فتح کر کے اپنی حکومت وسیادت میں شامل کرلیا تھا کہ باقی بچا ہوا تاریک رقبہ اس منور رقبہ کے مقابلہ میں کوئی قدروقیمت اور اہمیت نہیں رکھتا تھا اور اسلام کی دنیوی طاقت اگر چاہتی تو باقی تمام دنیوی طاقتوں کے مجموعہ کو بآسانی کچل سکتی تھی لیکن راس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے پیروِ ثانی عبداللہ بن سبا صنعانی یہودی نے اسلامی جامہ پہن کر اور دوسرے منافقوں سے تقویت پاکر اور بہت سے نومسلموں کو فریب دے کر وہ سب سے پہلا فتنہ امت مسلمہ میں برپا کیا جس نے اسلام کے مٹائے ہوئے خاندانی امتیازات اور نسلی عصبیت کو تعلیمات اسلامیہ اور مقاصد ایمانیہ کے مقابلہ میں پھر زندہ اور بیدار کر کے مسلمانوں کو مبتلائے مصائب اور خانہ جنگی میں مصروف کر دیا۔ خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں آپس کے اتفاق اور مسلمانوں کی باہمی اُلفت کو ایک عظیم الشان نعمت قرار دیا ہے اور اسلام نے تمام نسلی وخاندانی امتیازات مٹا کر اور باپ دادا کے تمام مراسم بھلا کر مسلمانوں کی ایک قوم بنائی تھی جس کا مقصد زندگی خدا و رسول کے احکام کی اطاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں تھا لیکن چونکہ بالکل نئے نومسلموں کی بڑی تعداد قرآن مجید اور اُس کی تعلیمات سے کما حقہٗ ابھی واقف نہیں ہوچکی تھی اور ان میں ابھی تک تقلید آباء اور حمیۃ الجاہلیہ کے جراثیم پورے طور پر ہلاک نہیں ہونے پائے تھے لہٰذا منافقوں کے برپا کردہ فتنہ نے جس طرح عہد نبوی میں بھی بعض مسلمانوں پر تھوڑی دیر کے لئے کچھ نہ کچھ

اثر ڈالا تھا اسی طرح اب بھی ان نومسلموں پر اثر ڈالا جیں قدر ان نومسلموں اور صحابہ کرامؓ کے اسلام و روحانیت میں فرق تھا اسی قدر یہ اس فتنہ سے زیادہ متاثر ہوئے۔ عبداللہ بن سبا نے مدینہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ دمشق اور قاہرہ تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے تھوڑے دنوں قیام کر کے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف نہایت چالاکی۔ ہوشیاری اور شرارت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقدار خلافت ہونے کو جدید الاسلام لوگوں میں اشاعت دیکر بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی پورانی عداوت اور عصبیت کو جو مردہ ہو چکی تھی پھر زندہ اور بیدار کرنے کی ناپاک کوشش کی حالانکہ خدا ئے تعالےٰ نے قرآن مجید میں صاف ارشاد فرما چکا تھا کہ۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(سورۂ آل عمران۔ رکوع ۱۱)

تم سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالےٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم خدا کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے یعنی آگ کے گڑھے میں گر کر ہلاک ہو نیوالے تھے کہ اللہ نے تمکو اُس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تعالےٰ اپنی آیات تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت یافتہ بنو۔

اور آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر قریش اور شرفائے عرب کے اجتماع عظیم کو مخاطب کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیہ وتعظمھا بالاٰباء الناس من اٰدم خلق من تراب قال اللہ تعالےٰ یا ایھا الناس اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ

اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا کے فخر کو دور کر دیا تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو ہمنے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے تاکہ

عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم۔ | الگ پہچان ہو اللہ کے نزدیک تم میں بزرگ وہی ہے جو متقی ہے۔

عبداللہ بن سبا نے سب سے پہلے مدینہ منورہ یعنی دارالخلافہ میں اپنے شر انگیز خیالات کی اشاعت کرنی چاہی مگر چونکہ یہاں صحابہ کرامؓ کی کثرت اور اُن کا اثر غالب تھا لہٰذا اُس کو ناکامی ہوئی اور خود ہاشمیوں ہی نے اُس کے خیالات کو سب سے زیادہ ملعون و مردود قرار دیا۔ مدینہ سے مایوس ہو کر وہ بصرہ کی چھاؤنی میں پہونچا وہاں ایرانی و عراقی قبائل کے نومسلموں میں اُس نے کامیابی حاصل کی اور اپنی ہم خیال ایک جماعت بنا کر کوفہ پہونچا اس فوجی چھاؤنی میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود تھے یہاں بھی وہ اپنی حسب منشا، ایک مفسد جماعت بنانے میں کامیاب ہوا۔ کوفہ سے دمشق پہونچا وہاں بھی اُس نے تھوڑی بہت شرارت پھیلائی لیکن حضرت امیر معاویہؓ حاکم شام کے بروقت مطلع ہو جانے سے زیادہ دنوں قیام نہ کر سکا وہاں سے قاہرہ پہونچکر اُس نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ۔ کوفہ اور قاہرہ کے فسادی عناصر نے ملکر مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا اور حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا حادثہ ظہور میں آیا۔ اس فتنہ نے سنہ ۳۵ھ سے سنہ ۴۰ھ تک مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف رکھ کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے کام کو نقصان پہونچایا اور مسلمانوں میں خاندانی و نسلی رقابت کو از سرِ نو پیدا کر کے قرآن کریم کی طرف سے اُن کی توجہ کو کم کر دیا اور حبل اللہ کے مضبوط پکڑے رہنے کی خدائے تعالےٰ نے تاکید فرمائی تھی اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے سنہ ۴۱ھ میں اس تفریق و تشتت کے بد نتائج کو محسوس کر کے عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کے پیدا کردہ فتنہ کا بڑی ہمت و بہادری کے ساتھ خاتمہ کیا اور اُمت مسلمہ پھر ایک مرکز سے وابستہ ہوگئی۔ بیس سال کے امن و امان اور بحری و بری فتوحات اسلامیہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی وفات۔ یزید کی تخت نشینی اور کربلا کے حسرت ناک حادثہ نے ایک طرف مشرکوں اور دوسری طرف منافقوں کو پھر جرات دلا کر مصروف کار بنا دیا۔ اس مرتبہ جو طوفان برپا ہوا اس میں مشرکوں اور کافروں کو تو کوئی کامیابی مسلمانوں کے مقابلہ میں حاصل نہ ہو سکی لیکن منافقوں کے برپا کئے ہوئے فتنوں نے قریباً بارہ تیرہ سال تک بڑے بڑے عظیم الشان نقصانات پہونچائے جو بہت دور رس اور دیرپا ثابت ہوئے۔ پہلے طوفان میں جو سنہ ۳۵ھ سے سنہ ۴۰ھ تک دس سال قائم رہا تھا صحابہ کرامؓ

بکی بڑی تعداد زندہ موجود تھی لیکن اس طوفان میں جو ۶۱ھ سے ۷۳ھ تک برپا رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
بہت سے فوت ہو چکے تھے صرف چند نفوس قدسیہ باقی تھے اور قرآن کریم کی طرف سے مسلمانوں کی
توجہ کم ہو کر دوسری چیزوں کی طرف زیادہ صرف ہونے لگی تھی لہٰذا منافقوں کو اسلام کے خلاف
زیادہ آزادی سے کام کرنے کا موقع ملا اور مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ خانہ کعبہ کی بے حرمتی کو اپنے
انتقامی جذبہ کے مقابلہ میں گوارا کیا بلکہ عبداللہ بن سبا کے پیرو مختار بن عبیدہ بن مسعود
ثقفی کی مشرکانہ تعلیم اور کفریہ دعاوی کو بھی جزو اسلام سمجھ لیا۔ سلیمان بن صرد ہاشمیوں اور
شیعان علی کو فراہم کر کے جنگ عین الوردہ میں ہزار ہا مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل
کرا چکا تھا کہ مختار نے محمد بن حنفیہ برادر امام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
کو دھوکا دیکر کوفہ میں اپنی قبولیت و رسوخ کے لئے راہ نکالی اور حضرت امام حسینؓ کی شہادت
اور حادثہ کربلا کے دلگداز اور حسرتناک تذکرہ کو آلۂ کار بنا کر عبداللہ بن سبا والے فتنۂ
خفتہ کو بیدار کر کے خاندانی امتیازات اور قبائلی عصبیتوں میں جان ڈال دی۔ پھر اس کے بعد
قوت و شوکت اور کوفہ کی حکومت حاصل کر چکا تو بجائے اس کے کہ اپنے ابتدائی دعاوی و
اعلانات کی موافق علویوں کو حکومت وخلافت دلاتا مسلمانوں کو مشرک و کافر بنانا شروع
کیا۔ اُس نے نہایت چالاکی سے کوفہ والوں کو اپنی کرامتوں اور خوارق عادات طاقتوں کا
یقین دلایا۔ کوفیوں کی مدد سے حاکم کوفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خود حاکم کوفہ بن گیا
حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب کوفہ میں قیام پذیر تھے تو اُن کی ایک کرسی تھی جس پر وہ اکثر بیٹھتے
تھے وہ کرسی اُن کے بھانجے جعدہ بن ام ہانی بنت ابی طالب کے قبضہ میں تھی مختار نے وہ کرسی
اُن سے طلب کی اُنھوں نے وہ کرسی تو نہ دی مگر ایک دوسری اسی قسم کی کرسی پیش کر دی۔
مختار نے اُس کرسی کو سامنے رکھ کر دو رکعت نماز پڑھی پھر بوسہ دیا اور اپنے تمام مریدوں کو
جو اُس کی فوج کے سپاہی تھے جمع کر کے کہا کہ جس طرح خدا نے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل
کے لئے موجب نصرت و برکت بنایا تھا اسی طرح اس کرسی کو شیعان علی رضی اللہ عنہ کیلئے نشانی قرار دیا
ہے اب ہم کو ہر جگہ فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ لوگوں نے اُس کرسی سے آنکھیں ملیں۔ بوسے
دیئے اور اس کے آگے سجدے کئے۔ مختار نے ایک صندوق یعنی تابوت نہایت خوبصورت

اور مرصع بنوایا اس کے اندر کرسی رکھی گئی تابوت میں چاندی کا قفل لگایا گیا جامع مسجد کوفہ میں تابوت کو رکھ کر اُس کی حفاظت کے لئے ایک فوجی گارد مقرر ہوا ہر شخص جو جامع مسجد کوفہ میں نماز پڑھتا اسے بعد نماز اُس تابوت کو ضرور بوسہ دینا پڑتا۔ اس کے بعد مختار نے نہایت چالاکی سے بتدریج اپنے الہام و وحی کا ذکر لوگوں سے کیا اور پھر بہت جلد نبوت کا مدعی بن کر اپنے نبی ہونے کا اقرار لوگوں سے لینے لگا۔ مختار کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے داماد حضرت مصعب بن زبیرؓ برادر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے بتاریخ ۱۴ رمضان المبارک ۶۷ھ شکست دے کر کوفہ میں قتل کیا۔

سوچنے اور غور کرنے کی قابل یہ بات ہے کہ اسلام کا کس قدر ابتدائی زمانہ ہے صحابۂ کرامؓ بھی ابھی تک تھوڑے سے بہت دنیا میں زندہ موجود ہیں لیکن پھر بھی مختار بن عبیدہ ثقفی کوفہ والوں کو کس طرح گمراہ کرسکتا ہے۔ کوفہ کی تمام تر آبادی فوجیوں اور مختلف صوبوں کے باشندوں پر مشتمل تھی جن میں ایک حصہ حضر موت و یمن و حجاز وغیرہ کے ان عربوں کا تھا جو ایران کی مجوسی سلطنت سے جنگ چھڑ جانے کے بعد مسلمان ہو ہو کر اسلامی لشکر میں بھرتی ہونے کے لئے مدینہ منورہ میں آئے اور آتے ہی سرحد ایران کی طرف بھیج دیئے گئے۔ کچھ عراق عرب کے وہ عربی النسل قبائل تھے جو اس سے پہلے ایرانی شہنشاہی کے محکوم اور اب مسلمان ہونے کے بعد اسلامی لشکر میں شامل ہو کر فوجی خدمات بجا لانے لگے تھے ان کو مدینہ منورہ جانے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ کچھ ایرانی لوگ تھے جو ملک ایران کے مفتوح ہو جانے پر کوفہ کی چھاؤنی میں جو بہت جلد ایک شہر کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی آبسے تھے۔ صحابۂ کرام اور علماء اسلام کی تعداد بہت ہی کم اور برائے نام تھی۔ فتوحات اور سامان راحت کی فراوانی اور کوفہ کے مرکزی مقام بن جانے نے اُن فوجیوں کو یہیں کا باشندہ بنا دیا اور اپنے بے آب و گیاہ ریگستانوں اور گمنام بستیوں کی طرف واپس جانے سے باز رکھا پہلی نسل کا ایک بڑا حصہ جس کا تمام زمانہ میدان جنگ کی مصروفیتوں میں گذرا تھا کسی طرح اسلامی تعلیم کا پورا عالم نہیں کیا جا سکتا تھا اور عہد جاہلیت کے جذبات سے بکلی پاک نہ تھا۔ نیز یہودیوں عیسائیوں اور مجوسیوں میں جو لوگ بدل قریشیوں اور عربوں سے نسلی عناد رکھتے تھے اور شوکت اسلام سے مرعوب ہو کر منافقانہ مسلمانوں میں شامل اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے

خواہاں تھے ان کے لئے کوفہ ہی سب سے بہتر مامن اور سب سے بہتر میدان عمل تھا یہ لوگ کسی وقت بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں رہے چنانچہ ابو زید عیسائی منافق نے مختار سے بہت دنوں پہلے ایک مسلمان گورنر کی مصاحبت میں داخل اور اس کے مزاج میں رسوخ حاصل ہونے کے بعد اس کو شراب نوشی کی ترغیب دی تھی جس کا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے۔ دوسری نسل جس نے خانہ جنگیوں ہی میں آنکھیں کھولی تھیں کوفہ کی مذکورہ فضا میں رہ کر کوئی ترقی نہ کر سکی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مشاجرات۔ جنگ جمل اور جنگ صفین۔ خوارج کے ہنگامے۔ حضرت علیؓ کی شہادت حادثہ کربلا وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جو عبداللہ بن سبا کی برپا کردہ شرارت کے نتیجہ میں یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی رہیں اور کوفہ والوں کا ان سب سے تعلق رہا۔ کوفہ کے عوام تو کیا مکہ اور مدینہ کے خواص کو بھی مذکورہ واقعات نے اپنی طرف متوجہ اور متاثر کیا صحابہ کرام کی جو جماعت ان مذکورہ ہنگاموں سے جدا اور تبلیغ اسلام اور تعلیم قرآن میں مصروف رہی ان کے کاموں کو بھی ایک حد تک ان ہنگاموں نے محدود کر دیا۔ بہرحال کوفہ والے جو مختار مذکور کے فریب میں آ گئے اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ان کی غالب تعداد حقائق قرآنی سے غافل اور تعلیمات اسلامیہ میں ادھوری تھی۔ چند ہی روز کے بعد جب کوفہ والوں کو علم حاصل کرنے اور قرآن مجید کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا تو انھیں لوگوں کی آئندہ نسلوں میں بڑے بڑے علماء، واتقیا اور بڑے بڑے امام پیدا ہوئے۔

میں نے اس جگہ مختار کی بے راہ روی اور کوفہ والوں کی غلط کاریوں کا تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا کہ جو لوگ ہمیشہ باپ دادا اور اپنے اسلاف کے نام پر فدا ہونے کو فخر سمجھتے اور اپنے اسلاف کی کسی غلطی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے وہ غور کریں اور سوچیں کہ عہد نبوی سے اس قدر قریب زمانہ کے لوگ بھی قرآن مجید اور احکام رسول سے غافل ہو کر کس قدر جلد اور کیسی قابل مضحکہ حرکات کے مرتکب ہو سکتے اور منافقین یعنی لشکر شیاطین کے ہاتھوں میں کس طرح کھلونا بن سکتے تھے آجکل کے لوگ اپنے جن بزرگوں اور باپ دادوں کو محض پرانے لوگ ہونے کی وجہ سے معصوم سمجھتے اور ان کے خلاف شرع اعمال کو اعمال صالحہ یقین کرتے ہیں ان کے مقابلے میں یہ کوفی لوگ جن کا اوپر ذکر ہوا بہت زیادہ پرانے اور قدیم لوگ تھے

تو کیا آپ مختار کی نبوت کا اقرار کرنا اور اس کو فرستادۂ الٰہی سمجھنا جزوِ اسلام ہو سکتا ہے۔
استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی مسلسل کوششیں

عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے قبائلی عصبیت نسلی امتیاز

اور خاندانی مخالفتوں کو بیدار اور مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لیئے ایک ایسی زبردست جماعت بنادی تھی جس نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی حمایت و طرفداری کا اعلان کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کی فوج میں شامل ہوئی لیکن حضرت علیؓ کی اطاعت اور اُن کے احکام کی تعمیل کبھی نہیں کی ہمیشہ عین وقت پر دھوکہ دیتی اور ان کے بنے ہوئے کاموں کو بگاڑتی رہی۔ بہت ہی کم لوگوں نے اس طرف توجہ کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی لڑائیوں اور عہدِ علوی کی بے انتظامیوں کا اصل سبب کیا تھا؟ منافقوں کی اس زبردست جماعت نے جو عبداللہ بن سبا کے مرتب کردہ اصول پر قائم تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شروع سے آخر تک شامل رہ کر نہ اُن کو قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا موقع دیا نہ انتظام ملکی کی طرف متوجہ ہونے کا موقع دیا۔ یہی جماعت تھی جس نے جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کامیابی حاصل کرنے سے روکا۔ پھر اسی جماعت نے جو خود ہی باصرار جنگ کو ملتوی کرا چکی تھی حضرت علیؓ پر جنگ کے ملتوی کرنے کا الزام لگا کر لوگوں کو اُن کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ یہی جماعت خوارج کا نام پا کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں صف آرا اور بالآخر ان کی شہادت کا موجب ہوئی۔ پھر اسی جماعت نے حضرت امام حسنؓ کے لشکر میں بدنظمی پیدا کی۔ یہی جماعت تھی جس نے کوفہ و بصرہ وغیرہ لشکری مقامات کو اپنا جولانگاہ اور عراق و فارس کو جائے پناہ بنا کر امویوں اور ہاشمیوں میں مستقل عداوت اور مسلسل لڑائیوں کا سامان مہیا کیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ امویوں نے کامیاب ہو کر ایک طویل مدت کے لئے ہاشمیوں کو میدان سے نکال دیا اور فوراً فتوحات ملکی میں مصروف ہو گئے۔ منافقوں کی یہ جماعت بھی امویوں کے جاہ و جلال اور شوکت و عظمت کے مقابلہ میں اپنی علانیہ شرارتوں سے باز رہ کر روپوشی اور پس پردہ کارروائیوں میں مصروف ہو گئی۔ امویوں نے اس جماعت کو پس پردہ کام کرنے کا خود اپنی ایک عظیم الشان غلطی کی وجہ سے موقع دیا۔ امویوں کی وہ عظیم الشان اور وہ

ناقابلِ معافی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے خلافت اور اسلامی ریاست کو ایک خاص خاندان سے مخصوص و متعلق قرار دے کر اپنی اولاد کے ولی عہد بنانے کی رسم بد اسلام میں جاری کی اور یہی چیز تھی جس نے منافقوں کے لئے ہر کام کرنے کا موقع بہم پہونچایا اور ہاشمیوں کے دلوں میں اور بھی زیادہ انتقام کا شعلہ بھڑکایا۔ ہاشمیوں نے ناکام رہ کر اور اکثر عربی قبائل کو امویوں کا وفادار و طرفدار پاکر جوشِ انتقام میں اسی مفسد جماعت کو اپنا آلۂ کار بنایا اور بجائے عربوں کے ایرانیوں سے کام لینا ضروری سمجھا۔ اُدھر بنی امیہ مطمئن ہو کر فتوحاتِ ملکی کی طرف متوجہ ہوئے اِدھر بنی ہاشم اپنی خفیہ جماعتیں بناتے اور خلافت بنوامیہ کا تختہ الٹ دینے کی تدبیریں سوچنے میں مصروف ہو گئے ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کی خلافت شروع ہوئی۔ یہ بظاہر مسلمانوں کی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو چکا تھا خلیفہ عبدالملک بن مروان خود بھی ذی علم اور بہت سے صحابیوں کی صحبت سے فیض پائے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ۔ مکہ معظمہ۔ دمشق اور دوسرے مرکزی مقامات میں کوئی نہ کوئی صحابی موجود تھے۔ خانہ جنگی کے موقوف اور امن وامان کے قائم ہوتے ہی مسلمانوں کی ایک جماعت علم دین کی تحصیل میں اور دوسری جماعت ملکوں اور شہروں کی فتوحات میں مصروف ہوگئی۔ عبدالملک بن مروان کے بعد ولید بن عبدالملک اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے بعد یزید بن عبدالملک اس کے بعد ہشام بن عبدالملک تخت نشین ہوئے۔ ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ امویوں کے ان مذکورہ چھ خلفاء کی مجموعی مدتِ خلافت پچاس سال کے قریب ہوتی ہے اس پچاس سال میں مسلمانوں نے ہر قسم کی دینی و دنیوی ترقی کی اور اندلس و مراقش سے لیکر سندھ۔ بلخ اور چین تک جو اس زمانہ کی قریباً تمام متمدن دنیا تھی اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ امویوں کی مذکورہ پچاس سالہ خلافت اگرچہ خیر و برکت کے اعتبار سے خلافت راشدہ کے ابتدائی پچیس سالہ زمانے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاہم یہ پچاس سال اسلام اور مسلمانوں کے لئے آیندہ تمام زمانوں سے بہتر اور اسلام کی عظمت وشوکت کے لئے زریں زمانہ تھا۔ اس زمانہ کے ختم ہونے سے پہلے پہلے تمام صحابۂ کرام دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے شاگرد یعنی تابعی لوگ بھی جو دین کی تعلیم اور حفاظت کے کام میں مصروف تھے اکثر اسی زمانہ میں فوت ہو کر تبع تابعین کو اپنی قائم مقامی کا موقع

نے چکے تھے۔ لیکن اسلام کے اس عروج اور فتحمندی کے زمانہ میں بھی منافقوں کی وہ مشتعل کی ہوئی آگ جس نے نسلی اور خاندانی رقابتوں کو بیدار کر دیا تھا اندر ہی اندر برابر سلگتی رہی اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے بعد چند ہی سال کے اندر اس کے شعلوں نے بلند ہو کر نہ صرف خلافت بنی امیّہ کو برباد کر کے ہاشمیوں کے خاندان عباسیہ کو تخت خلافت دلوایا بلکہ اسلام کی ایک مرکزی حکومت کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور دین اسلام کے صاف و سادہ و آسان عقائد و اعمال میں انواع و اقسام کے رخنے ڈالکر بہت سے گروہ اور جماعتیں پیدا کرنے کا سامان بہم پہونچایا۔

مخفی کارروائیاں اور ریشہ دوانیاں

مسلمانوں میں خاندانی اور نسلی عصبیت کا پیدا ہونا

حضرت عثمان غنیؓ کے حادثۂ شہادت سے ہاشمیوں اور امویوں میں جو معرکہ آرائیاں بلا ارادہ شروع ہو گئی تھیں ان کا خاتمہ قریباً تیس چالیس سال کے بعد امویوں کی کامیابی پر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔ اگر آپ نے نسلی امتیازات مٹا کر تمام مسلمانوں کو یکساں حقوق عطا نہ فرما دیئے ہوتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے عظیم الشان انسان حضرت اسامہؓ کی فوج میں محکوم سپاہی کی حیثیت سے شامل کئے جاتے اور یہ کہاں ممکن تھا کہ حضرت بلال حبشی کو بڑے بڑے جلیل القدر قریش صحابہؓ سیدی کہہ کر مخاطب کرتے۔ اگر خاندان پرستی کی اسلام نے کوئی گنجائش رکھی ہوتی تو ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباسؓ کو چھوڑ کر تمام صحابہؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت و سرداری پر متفق ہو جاتے یا اُن کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ بناتے یا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ تخت خلافت کے امیدوار نہ بنتے۔ چونکہ اسلام نے خلافت اور مسلمانوں کی امارت کو قابلیت اور انتخاب پر منحصر رکھ کر ایک امانت قرار دیا ہے جو تمام مسلمانوں کی طرف سے کسی قابل شخص کو سپرد کی جاتی ہے اور اسی وقت تک اس کے پاس رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ خیانت سے مجتنب رہ کر دیانت کے ساتھ اپنے

فرائض انجام دینا ہے لہذا وہ کسی شخص کی ملکیت نہیں بن سکتی اور اس میں قانون وراثت مطلق دخل نہیں پاسکتا۔ عبداللہ بن سبا کی تمام شرارتوں کا آخری نتیجہ یہی تھا کہ ہاشمیوں اور امویوں کی رقابت اور پرانی عداوتوں نے بیدار ہو کر اسلام کی اس زرّیں تعلیم کو فراموش کر کے خلافت و امارت کو اپنی ملکیت قرار دینا چاہا۔ ایک طرف امویوں نے خاندانی ولی عہدی کا سلسلہ جاری کر کے تخت خلافت کو قانون وراثت کے ماتحت ایک خاص خاندان کی ملکیت قرار دیدیا دوسری طرف ہاشمیوں نے بھی خلافت کے حاصل کرنے کے لئے اسی خطرناک بدعت کو اپنا آلۂ کار بنایا اور اس کام میں ایسے مصروف و منہمک ہوئے کہ باقی تمام ضروری باتوں کی طرف سے غافل ہو کر عبداللہ بن سبا کی تقلید پر آمادہ ہو گئے۔ جن تدبیروں کو کام میں لاکر عبداللہ بن سبا نے خلافت راشدہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی تھی انھیں تدبیروں اور اسی طرز عمل سے ہاشمیوں نے اپنی کامیابی کی امیدوں کو وابستہ کیا۔

امویوں کے خلاف ہاشمیوں کی مصروفیت

ہاشمیوں میں دو گھرانے سربرآوردہ اور معتقد سمجھے جاتے تھے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد۔ دوسری حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد۔ یہ دونوں گھرانے اہل بیت نبوی میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چونکہ بنی امیہ کے مقابلہ میں براہ راست مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اس لئے علویوں میں عباسیوں کی نسبت جوش انتقام زیادہ تھا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سبب علویوں میں فاطمیوں کو زیادہ جوش تھا اور وہ زیادہ درپے انتقام تھے۔ علویوں میں دو گروہ تھے ایک وہ جو امام حسینؓ کی اولاد کو مستحق خلافت سمجھتے تھے ایک وہ جو محمد بن حنفیہ برادر امام حسین علیہ السلام کو سب سے زیادہ خلافت کا حقدار جانتے تھے۔ تیسرا گروہ عباسیوں کا تھا جس کو علویوں کے دوسرے گروہ کی جانشینی بھی حاصل ہو گئی تھی۔ سب سے زیادہ طاقتور گروہ فاطمیوں یا حسینیوں کا تھا کیونکہ واقعہ کربلا کی وجہ سے ان کو لوگوں کی زیادہ ہمدردی حاصل تھی ان کے بعد دوسرا مرتبہ محمد بن حنفیہ والے گروہ کا تھا۔ علویوں کے پہلے گروہ یعنی فاطمیوں میں زید بن علی بن حسین اور دوسرے گروہ میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب اپنے اپنے گروہوں کے امام یا لیڈر تھے۔ تیسرے درجہ پر عباسیوں کا گروہ تھا جس کے سرگروہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ تھے جنھوں نے

ابتداً بہت ہی خاموشی اور نہایت غیر محسوس رفتار سے اپنا کام شروع کیا۔ ان تینوں صاحبوں نے ایک ہی مذکورہ راہِ عمل اختیار کی کہ بہ ظاہر امویوں کی خلافت کو تسلیم کرتے اور دوسرے لوگوں کی طرح پرامن رہتے لیکن جن لوگوں کو اپنا ہمدرد اور کام کا آدمی پاتے اُن سے خفیہ طور پر بیعت لیتے اور راز کے پوشیدہ رکھنے کی تاکید فرماتے۔ امویوں کو چونکہ امن وامان کے قائم رکھنے اور فتنوں کے مٹانے میں ابتداً سختی اور کشت وخون سے کام لینا پڑا تھا لہذا کوفہ و بصرہ فارس میں جہاں صحابہؓ و تابعین اور ان کے اثر کی بھی قلت تھی اور مجوسیت کے جذبات بھی نومسلموں میں باقی تھے ایسے ہمدرد لوگ زیادہ مل گئے اور ان صاحبوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اہل بیت نبوی اور خاندان رسول سے ہونا سب سے زیادہ کارگر حربہ ہے جو لوگوں کو ہمارا ہمدرد و ہواخواہ بنا دیتا ہے چنانچہ انھوں نے خفیہ طور پر اپنے ہوشیار مشنری اور منادجابجا مذکورہ علاقوں میں پھیلا دیئے اور تاکید کر دی کہ بڑی احتیاط کے ساتھ غیر محسوس طریقہ سے لوگوں کو اہل بیت کی محبت کا وعظ سناؤ اور حسب موقع حکومت بنی امیہ کے عیوب و نقائص بھی سمجھاؤ۔ یہ مخفی نشر یہ علویوں نے بڑی ہوشیاری اور کامل مستعدی کے ساتھ عبدالملک بن مروان ہی کے زمانہ سے شروع کر دیا تھا۔ علویوں کے دونوں گروہوں نے ایک ہی اصول پر اپنا کام شروع کیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی سرگرمیوں کا بخوبی علم تھا لیکن چونکہ ایک ہی دشمن (بنی اُمیہ) کے خلاف سرگرم کوشش تھے لہذا ایک دوسرے کے رقیب اور مخالف نہ تھے بلکہ ایک دوسرے کے راز کو اطلاع ہو جانے پر پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ عباسیوں کے گروہ نے اپنی جداگانہ سرگرمیوں کو بالکل پوشیدہ رکھا اور علویوں کو اپنے معین و مددگار ہونے کا یقین دلاتے رہے۔ ہر ایک گروہ کے داعی اور نقیب اگرچہ جُدا جُدا تھے تبلیغ کے لئے احتیاطاً اُن کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی کہ دوسرے گروہ کے ساتھ تصادم لازم نہ آئے۔ مثلاً بجائے اس کے کہ حضرت عباسؓ یا محمد بن حنفیہ یا امام زین العابدین کی فضیلت بیان کی جاتی صرف اہل بیت کا ایک عام لفظ بیان کیا جاتا تھا اور اہل بیت کی فضیلت بیان کر کے اُن کو مستحق خلافت ثابت کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔ پھر یہی نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ بنی اُمیہ

کی مخالفت کے جوش میں خارجیوں کے ساتھ بھی جو سبائی گروہ کا بقیہ تھا ہمدردی و اعانت کا برتاؤ جائز سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ خارجی بھی بنی اُمیّہ کو کافر کہتے تھے اور اُن کے خلاف کوششوں میں مصروف رہتے تھے حالانکہ خارجی جس طرح خلافت بنی اُمیّہ کے دشمن تھے اسی طرح حضرت علی اور اُن کی اولاد کی بھی مخالفت کر چکے تھے اور مخالف تھے۔

موضوع احادیث کس طرح وضع ہونی شروع ہوئیں

انھیں مذکورہ کوششوں کے سلسلہ میں مذکورہ نقیبوں اور داعیوں نے حسب ضرورت ہزار ہا جھوٹی حدیثیں اہل بیت کی فضیلت۔ مہدی کی آمد۔ امام برحق کی صفات۔ عباسیوں اور علویوں کی خلافت و امارت۔ محبت اہل بیت ذرا ذرا سی معمولی باتوں پر سیکڑوں حج۔ ہزار ہا روزوں اور لاکھوں نمازوں کی برابر ثواب ملنے اور بعض اہم کالیف شرعیہ کو برطرف کر دینے کے متعلق لوگوں کو سنائیں۔ بعض اصل حدیثوں میں حسب ضرورت اپنے مطلب کے فقرے بڑھا دیئے۔ ان وضعی حدیثوں میں سے بعض بعض کا کتب احادیث میں بھی شامل اور موجود ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اسی زمانے میں شیعوں کے بہت سے فرقوں کی بنیادیں قایم ہوئیں جن کا مجمل تذکرہ انشاء اللہ تعالےٰ آگے آنے والا ہے۔

علویوں کا اقدام عمل اور ناکامی

بنو اُمیّہ نے اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد ہاشمیوں کے ساتھ ان کے حسب حال رعایت و تکریم کے برتاؤ میں کمی نہیں کی تھی۔ ہر ایک کے مناسب روزینے مقرر کر کے اُن کو جاگیریں بھی عطا کی تھیں۔ چنانچہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو دمشق اور مدینہ کے درمیان علاقہ بلقا میں قریۂ حمیمہ بطور جاگیر ملا ہوا تھا اور وہ وہیں قیام پذیر تھے۔ ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب حجاز میں بیش قرار وظیفہ پاتے تھے۔ زید بن علی بن حسین کوفہ میں سکونت رکھتے اور خزانہ شاہی سے معقول وظیفہ پاتے تھے۔ بظاہر زید بن علی کا قیام گاہ بہت مناسب علاقہ میں تھا لیکن واقعات نے رونما ہو کر ثابت کر دیا کہ سب سے بہتر مقام اس سازشی کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے حمیمہ کا مقام تھا جس کی طرف آخر تک بنو اُمیّہ کی توجہ مبذول نہ ہوئی اور عرصہ دراز تک کسی نے محمد بن علی کے حالات کی طرف کوئی

توجہ نہ کی۔ علویوں کی باقاعدہ کوششیں عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے شروع تھیں لیکن عباسیوں نے علویوں کی کارروائیوں کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ کر ۱۰۰ھ سے جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت تھا اپنا باقاعدہ کام نہایت احتیاط اور پختہ اصولوں پر جاری کیا تھا۔ نیز وہ علویوں کے دوسرے گروہ یعنی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب والے گروہ کو اپنے ساتھ شامل کر کے خود سر گروہ بن گئے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تخت نشینی سے پہلے سلیمان بن عبدالملک کے عہد حکومت میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ خلیفہ کے پاس دمشق گئے وہاں سے واپسی پر وہ محمد بن علی کے پاس حمیمہ میں بطور مہمان مقیم ہوئے اور بیمار ہو کر وہیں فوت ہو گئے۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو وصیت کے ذریعہ اپنا قائم مقام بنایا اور خلافت اسلامیہ بنو امیہ سے چھین لینے کی تاکید کی اس وصیت نامے نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی طاقت کو بہت بڑھا دیا یعنی وہ تمام لوگ جو ابو ہاشم مذکور کے معتقد و ہمراز تھے محمد بن علی کے ہاتھ پر آ کر مخفی طور پر بیعت ہو گئے۔ ۱۱۶ھ تک علویوں اور عباسیوں کی کوششیں ایک دوسرے کے متوازی جاری رہ کر اس نتیجہ تک پہونچیں کہ علویوں کے مشہور سیدائی حرث بن شریح ازدی نے خراسان کے شہر فاریاب میں حمایت اہل بیت کے لیے چار ہزار کی جانباز جماعت فراہم کر کے حکومت بنی اُمیہ کے خلاف خروج کیا اور نصر بن سیار حاکم بلخ کو شکست دے کر بلخ پر قابض ہو گیا۔ بلخ میں سلیمان بن عبداللہ بن حازم کو حاکم مقرر کر کے جرجان کی طرف بڑھا۔ جرجان پر قابض ہو کر مرو کی جانب متوجہ ہوا۔ مرو کے لوگ بھی علوی نقیبوں کے ذریعہ پہلے ہی بغاوت پر آمادہ تھے۔ مرو کے قریب پہونچکر حرث بن شریح کی جمعیت ساٹھ ہزار تک پہونچ چکی تھی مگر مرو کے حاکم بن عاصم بن عبداللہ نے بڑی مستعدی کے ساتھ مقابلہ کر کے حرث بن شریح کو شکست دے کر بھگا دیا آخر دو تین سال کی معرکہ آرائیوں کے بعد یہ فتنہ فرو ہوا اور اس بغاوت و معرکہ آرائی نے علویوں اور عباسیوں کو بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کا موقع دیا۔ زید بن علی کو خراسان و فارس و عراق میں اپنی کامیابی یقینی نظر آ رہی تھی انھوں نے ۱۲۲ھ میں کوفہ کے اندر لوگوں سے مخفی

طور پر جنگ کے لئے بیعت لینی شروع کی چنانچہ کوفہ میں پندرہ ہزار آدمیوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں حضرت امام ابو حنیفہ رح کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ زید بن علی کو اُن کے بعض دوستوں نے ابھی خروج سے باز رہنے اور چند روز اور صبر کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن اُنھوں نے زیادہ تامل مناسب نہ سمجھ کر علانیہ اپنی امامت و امارت کا اعلان کیا۔ کوفہ کے حاکم یوسف بن عمر ثقفی نے اس بغاوت کے دبانے کی کوشش کی اور معرکہ آرائی تک نوبت پہونچی۔ کوفیوں نے عین وقت پر زید بن علی کو دھوکہ دیا اور دوسو بیس ۲۲۰ آدمیوں کے سوا سب نے بیعت فسخ کرکے جدائی اختیار کی اور اپنے اپنے گھروں میں آ بیٹھے۔ زید بن علی نے ان بیعت فسخ کرنے والوں کو رافضی کا خطاب دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ زید بن علی مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ گورنر کوفہ کی فوج سے معرکہ آرا ہو کر مقتول ہوئے۔ اُن کا سر کاٹ کر ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق بھیجا گیا۔ جہاں وہ دمشق کی شہر پناہ کے دروازہ پر لٹکایا گیا۔ زید بن علی اور اُن کے ہمراہیوں کی لاشیں یوسف بن عمر ثقفی گورنر کوفہ نے کوفہ میں لوگوں کی عبرت کے لئے سولی پر لٹکائیں اور وہ برسوں اسی حالت میں لٹکی اور لوگوں کو بنی اُمیّہ سے متنفر کرنے کی محرک بنی رہیں۔ ۱۲۵ھ میں زید بن علی کے بیٹے یحیٰی بن زید بن علی نے جرجان میں خروج کیا اور باپ کی طرح مقتول ہوئے۔ فاطمیوں کی اس ناکامی اور بربادی نے عباسیوں کو زیادہ احتیاط اور دور اندیشی کی جانب مائل کر دیا اور اُن کو ایرانی و عراقی لوگوں کے اندازہ کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ اُدھر حکومت بنو اُمیّہ کی توجہ علویوں کی طرف تو مائل ہوئی لیکن عباسیوں کی طرف سے وہ بالکل بے پرواہ رہے۔

عباسیوں کا خفیہ نظام

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے ۱۰۰ھ میں اپنا ایک نقیب مسمّی میسرہ عراق میں اور دوسرا نقیب ابو محمد صادق خراسان میں اپنے مقاصد کی تبلیغ کے لئے مامور کر دیا تھا۔ ابو محمد صادق کو خراسان میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور وہ ۱۰۲ھ میں دہاں کے چند با اثر لوگوں کو جنھوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا ہمراہ لیکر حمیمہ میں محمد بن علی کے پاس آیا محمد بن علی نے ان لوگوں سے اپنے بڑے بیٹے ابراہیم کا تعارف کرایا اور اُن کو مناسب ہدایات دیکر رخصت کر دیا۔ ابو محمد صادق کو

کوفہ میں قیام کرنے کا حکم دیا اور بارہ نقیب اور مقرر کر کے مختلف ممالک اسلامیہ میں دعوت و تبلیغ کے لئے روانہ کئے۔ ۱۰۵ھ میں بکیر بن ماہان جو سندھ کے گورنر جنید بن عبدالرحمٰن بن حرث بن خارجہ مزنی سے رخصت ہو کر کوفہ میں آیا ہوا تھا ابو محمد صادق کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اس عباسی تحریک میں شامل اور چند ہی روز کے بعد اس قدر ذہین اور کارگذار ثابت ہوا کہ ابو محمد صادق اُس کی ماتحتی میں کام کرنے لگا۔ چند ہی روز بعد بکیر بن ماہان کو محمد بن علی عباسی نے عراق و خراساں وغیرہ کے تمام نقیبوں کا افسر اور اپنی خفیہ تحریک کا ان ممالک کے لئے مہتمم اعلیٰ مقرر کیا۔ ۱۰۷ھ میں بکیر بن ماہان نے ابو عکرمہ۔ ابو محمد صادق۔ محمد خنیس۔ عمار بن زید عبادی وغیرہ چند شخصوں کو خراسان کی طرف خلافت عباسیہ کی دعوت کے لئے روانہ کیا۔ خراساں میں اس وقت خالد القسری (خالد کسری) کا بھائی اسد قسری حاکم تھا اس کو اتفاقاً اس بات کا علم ہو گیا کہ چند آدمی باغیانہ خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں اُس نے سب کو گرفتار کرا کر قتل کرا دیا۔ صرف ایک شخص عمار بن زید عبادی بچ کر بھاگ نکلا اور بکیر بن ماہان کے پاس کوفہ میں پہونچکر اس حادثہ کی اطلاع دی۔ حاکم خراسان نے ہرچند کوشش کی مگر یہ پتہ نہ چل سکا کہ ان باغیانہ خیالات کی اشاعت کرنے والوں کا اصل مرکز کہاں ہے۔ بکیر بن ماہان نے جب محمد بن علی کے پاس حمیمہ میں مذکورہ نقبا کے قتل کی خبر بھیجی تو اُنھوں نے جواب بھیجا کہ تم خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تمھاری کوشش کامیاب و نتیجہ خیز ثابت ہوئی اب تم کو اپنے قتل کا منتظر رہنا چاہیئے ۱۱۸ھ میں بکیر بن ماہان نے حرث بن شریح مذکور کا انجام دیکھنے کے بعد عمار بن زید کو ہوا خواہاں بنی عباس کا سردار بنا کر خراساں کی جانب روانہ کیا اُس نے وہاں جا کر اپنا اصل نام چھپایا اور اپنے آپ کو خراش کے نام سے موسوم کیا۔ اس خراش نے بہت جلد لوگوں کو اپنی جانب مائل کر لیا۔ اور ان کو بتایا کہ ہمدردی اہل بیت کو نماز روزہ پر ترجیح ہے۔ اہل بیت کی خلافت قائم کرنے کی کوشش کرنا اور اس معاملہ کو راز داری میں رکھ کر افشاں ہونے سے بچانا نماز روزہ سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔ اس وعظ و پند سے مجوسی النسل مسلمان بہت متاثر اور نماز روزہ کی پابندیوں سے آزاد ہو کر خوش اور نہایت مسرور تھے اس طرز تبلیغ کا حال جب محمد بن علی عباسی کو حمیمہ میں سنایا گیا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور اُن کو اس طرح راز کے افشا ہونے کا اندیشہ

محسوس ہونے لگا چنانچہ انھوں نے فوراً ناراضی کا پیغام عمار بن زید المعروف بہ خداش کے پاس بھیجا لیکن اس پیغام کے پہونچنے سے پہلے اسد قسری گورنر خراسان نے خداش کو گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ محمد بن علی نے اپنے نقیبوں کی بد احتیاطی، خراسان والوں کی ضعیف الاعتقادی اور افشاء راز کے اندیشہ سے خراسان میں تمام سرگرمیوں کو بالکل روک دیا۔ یہ دیکھ کر خراسان کے با اثر معتقدین کا ایک وفد محمد بن علی کے پاس حمیمہ میں حاضر ہوا اور آیندہ ہر قسم کی بد احتیاطی سے محترز رہنے کا یقین دلایا۔ چنانچہ محمد بن علی نے خراسان کے لئے خود نقیب مقرر کئے اور ہر ایک نقیب کو ایک ایک عصا اپنے پاس سے دیا جو سرداری کا نشان سمجھا گیا۔

رفتار حوادث کا عباسیوں کے موافق ہونا

اسی اثنا میں زید بن علی نے کوفہ میں خروج کیا اور مقتول ہوئے۔ اس ہنگامہ کا بکیر بن ماہان اور اُس کی جماعت کے لوگوں نے نہایت خاموشی سے تماشہ دیکھا اور اپنے لئے بہت سے مفید نتائج اور قیمتی تجربے اخذ کئے۔ اس کے بعد خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے محمد بن علی کو محض شبہ اور احتیاط کی بناء پر مقید اور نظر بند کر دیا۔ قید خانہ میں بھی اُن کے ہمدرد و ہمراز ان سے ملنے اور ہدایات حاصل کرنے کا موقع پاتے رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں خراسان و عراق میں بھی بعض عباسی و علوی نقبا گرفتار و مقید کئے گئے تھے اور بظاہر خلیفہ ہشام نے سازشی تحریک کو بالکل دبا دیا تھا لیکن حقیقت میں سازشی سرگرمیوں کا سلسلہ کسی قدر کم ہو گیا تھا مگر موجود ضرور رہا۔ ۱۲۴ھ میں قید خانے کے اندر محمد بن علی عباسی کا انتقال ہوا۔ انھوں نے فوت ہوتے وقت اپنے دوستوں کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا بیٹا ابراہیم میری تمام جماعت کا امیر اور سردار تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ محمد بن علی کی وفات کا حال سُن کر بکیر بن ماہان نے حمیمہ میں آکر ابراہیم بن محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابراہیم نے "امام ابراہیم" کے نام سے اپنی جماعت میں شہرت پائی۔ بکیر بن ماہان امام ابراہیم سے رخصت ہو کر خراسان پہونچا۔ اور وہاں کے لوگوں کو محمد بن علی کی وفات اور امام ابراہیم کی جانشینی کا حال سُنا کر امام ابراہیم کے نام پر بیعت لی۔ پھر خراسان کے محبان اہل بیت یعنی اپنی جماعت کے لوگوں سے خفیہ طور پر چندہ فراہم کیا اور فراہم شدہ روپیہ امام ابراہیم کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ امام ابراہیم نے قحطبہ بن شبیب بن خالد

بن سعدان کو خراسان کے علاقہ میں دعوت عباسیہ کا مہتمم مقرر کیا اگلے سال ۱۲۵ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہوا اس خلیفہ کے فوت ہوتے ہی حکومت بنو امیہ میں تنزل اور کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ایک طرف تو علویوں اور عباسیوں کے نقیبوں نے مخفی طور پر لوگوں کو حکومت بنو امیہ کا مخالف بنا کر علویوں اور عباسیوں کا ہمدرد بنا دیا تھا دوسری طرف زید بن علی اور ان کے ہمراہیوں کی لاشوں کے ساتھ جو سنگدلانہ برتاؤ کیا گیا تھا اس نے بھی لوگوں کو امویوں سے نفرت دلائی علاوہ ازیں ہشام بن عبدالملک کے جانشین ولید بن یزید بن عبدالملک نے اپنے ہی رشتہ داروں کے خون سے ہاتھ رنگنے شروع کئے اور خاندان خلافت خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا۔ سوا سال کی حکومت کے بعد ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۶ھ کو ولید بن یزید مقتول اور یزید بن ولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا مگر خانہ جنگی بدستور باقی رہی چھ مہینے کے بعد وہ بھی طاعون سے فوت ہوا اس کے بعد ابراہیم بن ولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا اس وقت خانہ جنگی شباب کو پہونچ گئی اور خاندان خلافت میں کئی مدعیان خلافت کھڑے ہو گئے بالآخر مروان بن محمد المعروف بہ مروان الحمار نے بڑے کشت و خون کے بعد سب پر غالب آکر اپنی حکومت کے مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ خاندانِ خلافت کی اس خطرناک خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے میں عباسیوں نے کمی نہیں کی اُنھوں نے اپنی کوششوں میں جو کچھ طاقت سے کام لیا۔ ۱۲۵ھ میں قحطبہ بن شبیب بعض ضروری خبریں سنانے کے لئے امام ابراہیم کے پاس حمیمہ آرہا تھا راستہ میں ایک نہایت ذہین ایرانی النسل نوجوان ابراہیم بن عثمان بن یسار سے ملاقات ہوئی جو اپنے آپ کو ایران کے مشہور وزیر بزرجمہر اور بہ روایت دیگر گودرز کیانی کی اولاد میں بتاتا تھا۔ اس نوجوان کو جوہر قابل پاکر قحطبہ اپنے ہمراہ لیتا آیا اور امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا۔ امام ابراہیم نے اس کا نام بجائے ابراہیم کے عبدالرحمن رکھا اور اس کی کنیت ابو مسلم تجویز کی چنانچہ وہ ابو مسلم خراسانی ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ امام ابراہیم نے قحطبہ کو تو خراسان کی طرف رخصت کر دیا اور ابو مسلم کو چند روز اپنے پاس رکھ کر اُس کی فطرت کا مطالعہ کیا اور کام کا آدمی پاکر اُس کی تعلیم و تربیت میں خصوصی توجہ مرکوز کر کے اُس کو اپنا رازدار بنایا اور اُس کی شادی اپنے ایک نقیب ابو النجم عمران بن اسمٰعیل کی لڑکی سے کی۔ ابو النجم عمران ان لوگوں میں سے تھا جو خلافت کو اولاد علی میں لانا چاہتے تھے

امام ابراہیم نے اس رشتہ میں یہ مصلحت مدنظر رکھی تھی کہ ابومسلم کو شیعان علی کی حمایت حاصل رہے اور اس کی طاقت کمزور نہ ہونے پائے۔

ایرانیوں اور خراسانیوں کا سازش کو کامیاب بنانا

اس کے بعد ابومسلم کو خراسان کی طرف تمام دعاۃ و نقبا کا افسر بنا کر روانہ کیا اور خراسان کے نقیبوں مثلاً سلیمان بن کثیر۔ مالک بن ہیثم۔ زیاد بن صالح۔ طلحہ بن زریق۔ عمر بن اعین۔ قحطبہ بن شبیب۔ ابو عینیہ موسیٰ بن کعب۔ لاہز بن قریظ۔ قاسم بن مجاشع اسلم بن سلام۔ ابوداؤد خالد بن ابراہیم شیبانی۔ ابوعلی ہروی۔ ابوالنجم عمران بن اسمٰعیل وغیرہ کو اطلاع دیدی کہ ہم نے ابومسلم کو خراسان کے تمام علاقہ کا مہتمم بنا کر روانہ کیا ہے اور تمام ضروری ہدایات اس کو بتا اور سمجھا دی ہیں تم سب کو چاہیئے کہ دعوت بنی ہاشم کے کام میں ابومسلم کی فرمانبرداری اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ ابومسلم ۱۲۶ھ میں خراسان پہونچکر اپنے کام میں پوری سرگرمی سے مصروف ہوگیا یہی وہ زمانہ تھا کہ خاندان خلافت کے خانہ جنگی میں مبتلا ہونے سے رعب حکومت مٹ رہا تھا۔ ۱۲۹ھ میں امام ابراہیم نے ابومسلم کو لکھا کہ اس سال کے ایام حج میں مکہ معظمہ پہونچکر مجھ سے ملو اور اپنے ہمراہ قحطبہ بن شبیب کو بھی لیتے آؤ بعض ضروری اور اہم مشورے کرنے ہیں۔ حج کے لئے چونکہ ہر ملک سے مسلمان آتے ہیں لہذا ایسے نازک اور اہم مشوروں کے لئے ایام حج اور مقام مکہ سے بہتر دوسرا آزاد موقع نہیں مل سکتا تھا۔ ابومسلم اور قحطبہ دونوں مکہ کی جانب روانہ ہوئے یہ دونوں ابھی مقام قومس تک پہونچے تھے کہ امام ابراہیم کا دوسرا خط ابومسلم کے پاس پہونچا کہ اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں اور اگر تم روانہ ہو چکے ہو تو جہاں تم کو یہ خط ملے وہیں سے خراسان کی جانب لوٹ جاؤ اور اب اپنی دعوت کو پوشیدہ نہ رکھو بلکہ علانیہ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دو اور جن لوگوں سے بیعت لے چکے ہو ان سب کو جمع کر کے طاقت کا استعمال شروع کر دو اور ملک خراسان کو اپنے قبضہ و حکومت میں لاؤ۔ اس خط کو پڑھتے ہی ابومسلم قومس سے مرو کی جانب روانہ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حکومت بنو امیہ کی چول چول ہل چکی تھی اور ہر صوبہ میں بغاوت برپا تھی۔ خوارج کی جماعت بھی ضحاک خارجی کی سرداری میں علانیہ خلیفہ مروان الحمار کے مقابلہ میں صف آرا تھی۔ خراسان میں نصر بن سیار اور کرمانی

برسرِ جنگ تھے۔ حجاز۔ یمن اور حضرموت میں بھی بغاوتیں نمودار ہو چکی تھیں۔ ابو مسلم خراسانی نے مرو پہونچتے ہی اپنی جماعت کے لوگوں کو فراہم کیا اور نصر بن سیار حاکم خراسان کو مرو سے خارج کر کے خود قابض ہو گیا۔ امام ابراہیم نے مرو کی فتح کا حال سُن کر ابو مسلم خراسانی کو تحسین و آفریں اور مبارکباد کا خط اور بہت سی ہدایات لکھ کر بھیجیں۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی النسل یا عربی انسان کو زندہ نہ چھوڑنا خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے بہت کام آئیں گے اور انھیں پر زیادہ اعتماد رکھنا چاہیئے۔ اُدھر نصر بن سیار نے خلیفہ مروان الحمار کے پاس درخواست بھیجی کہ ابو مسلم کے مقابلے میں مجھکو امداد کی ضرورت ہے میرے پاس فوراً امدادی فوج بھیجی جائے۔ خلیفہ مروان الحمار موصل کے قریب خارجی لشکر سے برسرِ پیکار تھا کہ اس کے پاس نصر بن سیار گورنر خراسان کی درخواست پہونچی اور وہ خود لڑائی میں مصروف و مبتلا ہونے کی وجہ سے نصر کے پاس امدادی فوج نہ بھیج سکا۔ اس کے بعد ہی امام ابراہیم کا مذکورہ خط جو ابو مسلم کے نام لکھا گیا تھا راستہ میں پکڑا گیا اور خلیفہ مروان الحمار کی خدمت میں پیش ہوا۔ اس خط کو پڑھ کر پہلی مرتبہ اموی خلیفہ کو یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ عباسیوں نے علویوں کی طرح عرصہ دراز سے سازش کا جال پھیلا رکھا ہے اور امام ابراہیم اس سازش کے موجود امام ہیں جو مقام حمیمہ علاقہ بلقا میں مقیم ہیں۔ مروان الحمار نے اس خط کو پڑھتے ہی اپنے عامل کو جو بلقا میں مامور تھا لکھا کہ ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ عباسی کو حمیمہ سے گرفتار کر کے بھیج دو۔ چنانچہ امام ابراہیم گرفتار ہو کر مروان کے پاس پہونچے اور اس کے حکم سے مقام خراسان میں قید کئے گئے جہاں پہلے سے شاہی قیدی موجود تھے۔ چند روز کے بعد خراسان میں وبائی بیماری پھیلی اور امام ابراہیم بحالت قید اس وبائی بیماری میں فوت ہوئے امام ابراہیم قید ہوتے وقت اپنے خاندان والوں کو وصیت کر آئے تھے کہ میرے بعد میرا بھائی عبداللہ بن محمد (المعروف بہ ابو العباس سفاح) میرا جانشین ہوگا اور اس کو اب حمیمہ میں نہیں بلکہ کوفہ میں جا کر قیام پذیر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ عبداللہ سفاح کوفہ میں آگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام ابراہیم کے نقیب ابو سلمہ نے کوفہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی

تھی اُدھر ابومسلم خراسانی تمام ملک خراسان پر قابض ہو چکا تھا۔

علویوں کو محروم رکھ کر عباسیوں کا بازی لیجانا

ابوسلمہ اگرچہ امام ابراہیم کے زیر ہدایت کوفہ کی خفیہ دعوت و تبلیغ کا کام کرتا تھا لیکن چونکہ یہ بات صاف طور پر طے نہیں ہوئی تھی کہ امویوں کو برباد کرنے کے بعد علوی تخت خلافت کے مالک ہوں گے یا عباسی اس لئے تمام نقیاد حصوں میں منقسم تھے بعض کا یہ خیال تھا کہ خلافت علویوں کو ملے گی اور بعض عباسیوں کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے ابوسلمہ ان لوگوں سے تھا جو علویوں کو عباسیوں پر ترجیح دیتے تھے سنہ ۱۳۱ھ کے ایام حج میں علویوں اور عباسیوں کے با اثر اور شریک سازش اشخاص نے ایک کانفرنس یا مجلس مشورت منعقد کی اس میں ابوجعفر منصور برادر عبداللہ سفاح بھی شریک تھا یہ مسئلہ پیش ہوا کہ امویوں کی خلافت تو اب مٹنے والی ہے لہذا یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ ہاشمیوں میں سے کس کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اُس وقت ابوجعفر منصور نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور بلا تامل سب سے پہلے بول اُٹھا کہ اولاد علی میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہیئے سب نے اس رائے کو پسند کیا اور محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب المعروف بہ نفس زکیہ کا نام پیش ہو کر منظور ہو گیا۔ ابومسلم خراسانی کی فتوحات اور اپنے نظام کی مضبوطی کے سبب عباسیوں کو اپنے کامیاب ہونے اور بازی لے جانے کا یقین تھا اگر اس وقت عباسی خود خلافت کو حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیتے تو یقیناً آپس میں پھوٹ پڑ جاتی اور امویوں کو اپنی حکومت کے بچا لینے کا موقع مل جاتا لیکن عباسیوں کی ہوشیاری سے کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائی۔ اس کے بعد جبکہ اموی خلافت درہم برہم ہونے لگی اور بڑے بڑے شہروں اور ملکوں پر اُن نقیبوں کا قبضہ ہوا تو یہ مسئلہ قدرتی طور پر آخری فیصلہ کے لئے سامنے آ گیا کہ کس کو تخت خلافت پر بٹھایا جائے۔ عبداللہ سفّاح کے کوفہ پہونچنے پر ابوسلمہ نے اُس کی آمد کو چھپایا اور ایسے مکان میں ٹھہرایا تھا کہ عبداللہ سفّاح کی آمد کا حال اہل کوفہ کو معلوم نہ ہو اور امام جعفر صادق بن امام باقر بن امام زین العابدین کو خط لکھا کہ آپ فوراً کوفہ میں آجایئے اور خلیفہ بن جایئے۔ امام جعفر نے انکاری جواب بھیجا۔ اِس

انکاری جواب اور عبد اللہ سفّاح کے کوفہ میں موجود ہونے کا حال جس وقت اہل کوفہ کو معلوم ہوا تو وہ عبد اللہ سفّاح کے پاس پہونچے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۷۴۹ء بروز جمعہ تمام اہل کوفہ عبد اللہ سفّاح کو جامع مسجد میں لے گئے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُس نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور اُس کی حکومت بتدریج مستحکم ہوتی گئی۔ ابو مسلم خراسانی ابھی تک خراسان کے انتظام سے فارغ نہ ہوا تھا لیکن عبد اللہ سفّاح ابو مسلم ہی سے اہم معاملات کے متعلق ہدایات منگاتا اور اُنھیں کے موافق عمل کرتا تھا۔ عبد اللہ سفاح کی تخت نشینی کے چند روز بعد حضرت عبد اللہ بن حسن مثنیٰ جو نفس زکیہ مذکور کے والد ماجد تھے عبد اللہ سفاح کے پاس آئے اور شکایات کی کہ یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا تم نے لے لی ساتھ ہی مکہ کانفرنس کا فیصلہ یاد دلایا۔ عبد اللہ سفاح نے دولاکھ درم اسّی ہزار دینار اور مروان بن محمد المعروف بہ مروان الحمار آخری اموی خلیفہ کے جو اہرات جو مال غنیمت میں اسی وقت پہونچے تھے سب عبد اللہ بن حسن مثنیٰ کو دیکر خاموش اور رضا مند کیا اور عزّت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس کے بعد عبد اللہ سفاح جب تک زندہ رہا ہمیشہ علویوں کو روپیہ دیتا رہا خلیفہ مروان الحمار کے مارے جانے اور عباسیوں میں خلافت کے آجانے سے علویوں میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی اور سب حیران و ششدر سے ہو کر رہ گئے وہ ہمیشہ عباسیوں کے اشتراکِ عمل کا مطلب یہی سمجھتے رہے تھے کہ خلافت خاندان ابی طالب کو سپرد کی جائے گی اب اُن کے دلوں میں کدورت اور بے چینی کا پیدا ہونا ضروری تھا اور قریب تھا کہ علویوں اور عباسیوں میں اس فیصلہ کے خلاف جنگ شروع ہو جائے مگر چونکہ ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ بن علیؓ بن ابی طالب کی وصیت کا حال سب کو معلوم تھا لہٰذا علویوں کے ایک بڑے گروہ نے جو بعد میں فرقہ کیسانیہ کے نام سے مشہور ہوا اس وصیت کو جائز قرار دیکر عباسیوں کی خلافت کو برحق تسلیم کر لیا تھا اور اُس زمانہ میں یہ گروہ علویوں میں زیادہ طاقتور اور صاحب اقتدار ہو گیا تھا لہٰذا فاطمیوں نے خاموشی ہی اختیار کرنی مناسب سمجھی یہ خاموشی اس لئے بھی لازم ہو گئی تھی کہ ابو مسلم چن چن کر اُن تمام نقبا کو جو عباسیوں کے مقابلہ میں علویوں

سے کے طرفدار اور خلافت کو علویوں میں لانے کے خواہشمند تھے یکے بادیگرے دھوکے سے قتل کرا چکا تھا۔ ان مقتولوں میں ابوسلمہ اور سلیمان بن کثیر خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں جو بہت با اثر اور بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے۔ ابو العباس عبد اللہ سفاح نے چار برس آٹھ مہینے خلافت کی اس کے عہد خلافت میں ابو مسلم خراسانی کا اقتدار و اختیار سب پر فائق تھا۔ ابو مسلم اور عبد اللہ سفاح نے ایک طرف چن چن کر امویوں کو قتل کیا اور دوسری طرف کسی ایسے شخص کو جو مدعی سلطنت ہو سکے باقی نہ چھوڑا۔ اس قتل و خونریزی کی نمائش نے فاطمیوں کو اور بھی زیادہ مرعوب و ساکت بنا دیا اور ان کو لب کشائی کا موقع بھی نہ مل سکا۔

خفیہ سازشیں اور اسلام

عبد اللہ سفاح کی وفات اور قتل ابو مسلم کے بعد علویوں نے عباسیوں کے خلاف شورش و خروج کا سلسلہ جاری کر دیا۔ علویوں کی ان کوششوں نے جو انھوں نے عباسیوں کے خلاف بالنسون سال تک جاری رکھیں اور بھی سیکڑوں عجیب عجیب فرقے اسلام میں پیدا کر دیئے میں نے یہ طویل تاریخی بیان جو واقعات کا چھوٹے سے چھوٹا خلاصہ ہے اس لئے سنایا ہے کہ اس کو ذہن میں رکھ کر اسلام کے بہت سے گمراہ فرقوں کی حقیقت اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب بآسانی سمجھ میں آسکیں گے۔ اس جگہ یہ بھی یاد دلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے سرگوشی۔ سازش۔ اور فریب بازی کی جابجا مذمت بیان کی ہے اور مسلمانوں کو خفیہ تدبیروں اور سازشوں کے استعمال کرنے سے منع کر کے ان کاموں کو عموماً کافروں اور منافقوں کا کام بیان کیا ہے مسلمانوں کو سرگوشیوں اور پوشیدہ مشوروں کی اگر اجازت دی ہے تو صرف نیکی اور اصلاح کے لیئے نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ

(النساء۔ رکوع ۱۷)

لوگوں کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں بھلائی اور نیکی نہیں ہے مگر ہاں اگر صدقہ و خیرات یا کسی اچھے کام یا لوگوں میں صلح و مصالحت کے لیے پوشیدہ مشورہ کیا جائے تو یہ نیکی کا کام ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا

اے مومنو! جب تم ایک دوسرے سے خفیہ مشورہ کرو تو

تَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

(المجادلہ - ۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ (المجادلہ رکوع ۲)

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ○

(انفال - ۸)

ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ اور لوگوں پر زیادتی کرنے یا رسول کی نافرمانی پر آمادہ کرنے والی ہو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کے متعلق سرگوشی کرو اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

اے رسول کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو خفیہ باتیں کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر جس کام سے اُن کو منع کیا گیا تھا وہی کام کرنے لگے یعنی گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کیلئے سرگوشی کرنے لگے

اور اے رسول! اگر یہ کافر لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تو بھی ان سے صلح کرنے پر آمادہ ہو جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ کیونکہ خدا تعالیٰ یقیناً سننے اور جاننے والا ہے اور اگر یہ کافر لوگ تیرے ساتھ فریب کرنے اور دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہونگے تو تم پرواہ نہ کرو کیونکہ تمہارے لئے خدا تعالےٰ کافی ہے خدا تعالیٰ ہی نے اپنی نصرت اور مومنوں سے تجھکو قوت عطا کی ہے (یہ نہیں فرمایا کہ فریب اور دھوکہ کے مقابلے میں تم بھی فریب اور دھوکہ سے کام لو۔

مذکورہ بیان کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جو سازشیں اور خفیہ تدبیریں کام میں لائی گئیں وہ خیر نیکی اور اصلاح بین الناس کے لئے تھیں یا اپنی خواہشات نفسانی اور عصبیت خاندانی کے تقاضے سے عمل میں آئیں ان کوششوں اور مصروفیتوں کے ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید اور تقوی اللہ کی طرف توجہ مبذول رہ بھی سکتی تھی یا نہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں کو غافل اور بے پرواہ بنانے کا سبب سے پہلا قابل تذکرہ سبب مسلمانوں کی یہی کوششیں تھیں جن کا اوپر ذکر ہوا اور جو منافقوں اور اسلام کے دشمنوں کی تقلید میں کی گئیں۔ منافقوں کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کو کسی طرح فلاح و بہبود حاصل نہیں ہو سکتی تھی لہذا ان کوششوں کے نتائج کو بھی دیکھ لو ہر ایک وہ شخص جس نے اس کام کو سرگرمی سے جاری کیا اپنی زندگی میں اپنے اصل

مقاصد کو پورا ہوتا ہوا نہ دیکھ سکا۔ ابو سلم اور دوسرے سرگرم نقیب بھی ایک ایک کر کے تلوار کے گھاٹ اترے۔ اسلام میں سیکڑوں گمراہ اور خطرناک فرقے پیدا ہو گئے۔ اگر قرآن مجید کی حفاظت کا خدائے تعالیٰ نے خود وعدہ نہ فرمایا ہوتا اور وہ اصلی حالت میں محفوظ و موجود نہ ہوتا تو آج عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام کی حقیقی اور اصلی تعلیم کا سراغ لگانا دشوار بلکہ غیر ممکن ہوتا اور کسی نئے نبی۔ نئی کتاب اور نئے مذہب کو خدائے تعالیٰ دنیا میں نازل کر چکا ہوتا لیکن چونکہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں لہٰذا اُن کے لائے ہوئے مذہب (اسلام) اور اُن کی لائی ہوئی کتاب (قرآن مجید) کو قیامت تک تحریف و تبدیل کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اسلام میں ہزاروں قسم کے گروہ پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے لیکن جو شخص حقیقی اور سچے اسلام سے واقف ہونا اور اُس پر عمل درآمد کرنا چاہتا ہے اُس کے لئے اسلام کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔ اور اُس کے راستہ میں کوئی رکاوٹ اور کوئی مانع ہرگز موجود نہیں ؎

شراب خوشگوار ہست و یار مہرباں ساقی ۔۔۔ ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم

عہد بنو امیہ میں جو فرقے پیدا ہو چکے تھے

پہلی صدی کا اسلام

اوپر کے بیان میں ۱۳۲ھ یعنی بنی اُمیہ کی خلافت کے ختم اور بنی عباس کی خلافت کے شروع ہونے تک کی خانہ جنگیوں اور سازشوں کا ذکر مجمل طور پر ہو چکا ہے۔ اب یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ ان سازشوں اور کوششوں کا ابھی مذکورہ زمانہ میں مسلمانوں کے مذہبی عقائد و اعمال پر کیا اثر پڑا۔ صحابہ کرام میں مختلف استعدادوں اور مختلف قابلیتوں کے لوگ موجود تھے بعض ایسے تھے کہ وہ کسی فقاہت اور کسی مصلحت کو حتی الامکان دخل دیئے بغیر آنحضرت صلعم کے ہر ایک قول و فعل پر عمل کرنا ضروری سمجھتے اور جن باتوں میں آنحضرت صلعم کا کوئی عمل یا ارشاد معلوم نہ ہوتا اس میں خاموشی اختیار فرما کر اس کام کے کرنے والے کی رائے پر چھوڑ دیتے خود کوئی فتویٰ صادر نہ فرماتے بعض ایسے تھے کہ وہ حدیث نبوی موجود نہ ہونے پر حسب موقع اپنی خداداد رائے سلیم اور قیاس

صحیح کو کام میں لاکر فتویٰ صادر فرماتے اور اپنے قیاس کے دلائل بھی بیان فرمادیتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۔ حضرت زیدبن ثابتؓ ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ جیسے صحابی خصوصیت سے فقہاہت میں شہرت رکھتے ہیں ۔ اہل مدینہ زیادہ تر حضرت زیدبن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتووں پر اعتماد رکھتے تھے ۔ اہل مکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتووں پر عامل اور اہل کوفہ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بنائے ہوئے مسائل کو یاد رکھتے اور ان پر عمل کرتے تھے بصرے کے لوگ عموماً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمران بن حسین کی رائے کو مانتے تھے ۔ ملک شام میں حضرت ابوالدرداؓ وغیرہ کے فتووں پر عمل تھا ۔ مذکورہ صحابیوں کو مذکورہ مقامات کے لوگوں میں چونکہ زیادہ رہنے اور دین کی باتیں بتانے کا موقع ملا تھا لہٰذا الگ الگ ہر ایک کا فقہ رائج ہوا ۔ ان صحابہ کرامؓ کے بعد صحابہؓ کے رشید شاگردوں یعنی حضرات تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین میں جو لوگ علم دین کی زیادہ واقفیت رکھتے تھے اُن سے لوگ مسائل دریافت کرتے اور اُن کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے تھے مثلاً حضرت سعید بن مسیبؓ ۔ عروہ بن زبیرؓ ۔ قاسم بن محمدؒ ۔ سالم بن عبداللہ وغیرہ مدینہ میں علقمہؓ اور عمر بن شرحبیلؓ وغیرہ کوفہ میں ۔ حسنؒ اور ابن سیرینؒ اور مطرف بن عبداللہؒ وغیرہ بصرہ میں یزید بن ابی حبیبؒ اور عمر بن حارثؒ وغیرہ مصر میں ۔ حضرات تابعین کے بعد تبع تابعین بھی اسی طرح لوگوں کو مسائل بتلاتے اور دین کی باتیں سکھاتے تھے ۔ کسی صحابی کو کوئی حدیث معلوم نہ ہوتی تو وہ اپنی رائے سے کوئی فتویٰ صادر فرمادیتے لیکن بعد میں جب اسی مسئلہ کے متعلق دوسرے شہر کے لوگوں سے مستند طور پر معلوم ہوتا کہ وہاں کے صحابی نے آنحضرت صلعم کی یہ حدیث روایت کی ہے اور اسی کے موافق اُس شہر میں عملدرآمد ہوتا ہے تو اس شہر کے مسلمانوں اور اس شہر والے صحابی کے شاگردوں کو اس حدیث کے قبول کرنے اور اسی کے موافق عمل کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا ۔ وہ نہ اس میں اپنے اُستاد کی بے عزتی سمجھتے نہ کوئی شرمندگی اور ندامت محسوس کرتے یہی حال تبع تابعین تک رہا کہ آنحضرتؐ کی کوئی حدیث کسی ثقہ راوی سے پہونچ جاتی تو اسی پر سب عملدرآمد شروع کردیتے ۔ صحابہ کرامؓ کے فتوے جو رائے اور قیاس کی موافق بعض مسائل میں اُنھوں نے دیئے ان کی بھی عموماً یہی

حالت تھی کہ تابعین ایک صحابیؓ کے شاگرد ہوتے لیکن دوسرے صحابی کے اجتہاد کو زیادہ اچھا اور مدلل اور معقول پاتے تو اسی کو قبول کر لیتے اور اپنے استاد کے اجتہاد کو ترک کرتے ہوئے کوئی گرانی محسوس نہ فرماتے۔ یہی حال تبع تابعین کا رہا جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حدیثوں کے ذخیرہ جمع ہوتے گئے اور فقہی اجتہادی مسائل میں بھی زیادہ وسعت پیدا ہوتی رہی لیکن نہ کوئی خاص فقہی مذہب مشخص و متعین ہوا نہ کسی صحابی یا تابعیؒ کے نام سے کوئی خاص گروہ پیدا ہوا بلکہ سب کا ایک ہی مذہب تھا جس کا نام اسلام تھا۔ قرآن مجید سب کے لئے یکساں قابل عمل خدا کی کتاب سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح احادیث نبویہ سب کے لئے یکساں قابل عمل تھیں اور اسی طرح اجتہادی مسائل میں سب کو یکساں حقوق حاصل تھے کوئی تقسیم اور گروہ بندی نہیں پائی جاتی تھی اور نہ پائی جانی چاہیئے تھی۔ یہ حالت ان مسلمانوں کی تھی جو اسلام کی پابندی و پیروی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے اور دین کو دنیا پر مقدم جانتے تھے لیکن ایسے لوگ بھی قریباً ہر صوبہ اور ہر ملک میں موجود تھے جو بالکل آجکل کے جاہل مسلمانوں کی طرح محض اسمی اور رسمی طور پر مسلمان تھے اور حقیقت اسلام سے ناواقف اور قرآن مجید سے بے تعلق رہنے کے سبب اپنی تمامتر توجہ دنیا طلبی اور خواہشات نفسانی میں صرف کرتے یا مذکورہ سازشوں میں شامل ہوکر سازشی لوگوں کے معمول اور آلۂ کار بنجاتے تھے یہی وجہ تھی کہ ملک عرب کے صوبوں میں جہاں اسلام سب سے پہلے شائع ہوکر زیادہ اثر انداز ہوچکا تھا منافقوں اور سازشی لوگوں کو اپنے ڈھب کے آدمی بہت کم مل سکے اور ایرانی صوبوں میں جہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیم سے متاثر ہونے کی مہلت نسبتاً بہت کم ملی تھی زیادہ آدمی ہاتھ آئے اور انہیں ایرانیوں کی بدولت اسلام کو نقصان پہونچانے والی ہر ایک سازش زیادہ کامیاب ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ امام ابراہیم نے جو عربی اور ہاشمی ہوتے ہوئے ابومسلم خراسانی کو لکھا تھا کہ کسی عربی انسان کو زندہ نہ چھوڑا جائے اور ایرانی نومسلموں ہی کو زیادہ مفید اور کارآمد سمجھا جائے۔

ابتدائی زمانہ کے فرقے

مذکورہ سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسیوں کی حکومت وخلافت قائم ہوتے تک مندرجہ ذیل فرقے پیدا ہوگئے۔ جو بعد میں سب اسلامی فرقے سمجھے گئے اور اپنے اعمال و افعال سے اسلام کے چشمۂ صافی کو مکدر

کرتے رہے۔

(۱) شیعہ اولیٰ: یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان غنیؓ کے بعد خلیفہ برحق مانتے اور اُن کے مخالفوں کو خطا وار جانتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی یہ لوگ بُرا نہیں کہتے اور اُن کی نیت کو نیک بتاتے تھے صرف خطائے اجتہادی کو اُن سے منسوب کرتے تھے۔ اُن کو شیعہ مخلصین بھی کہتے ہیں۔

(۲) شیعہ تفضیلیہ۔ شیعہ اولیٰ میں سے کچھ لوگ عبد اللہ بن سبا یہودی منافق کی باتوں کا کسی قدر اثر قبول کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام اصحاب کرام سے افضل جانتے اور پہلے تینوں خلفاء کو اس لئے نہیں برا کہتے تھے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رضامندی اور اجازت سے خلیفہ تھے اور حضرت علی نے اُن کی مخالفت نہیں کی تھی۔ مذکورہ دونوں شیعہ فرقے محض ایک خاص عقیدہ اور خاص خیال کی وجہ سے بطور فرقہ الگ شمار کئے گئے ہیں ورنہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے تمام اعمال میں وہ سب مسلمانوں کے ساتھ شریک اور قرآن وحدیث پر یکساں عامل تھے۔

(۳) شیعہ تبرائیہ۔ عبد اللہ بن سبا کے پھیلائے ہوئے خیالات سے جو لوگ زیادہ متاثر ہوئے وہ تمام صحابہؓ کو نعوذ باللہ ظالم، منافق، غاصب اور اس سے بھی آگے قدم رکھ کر کافر کہنے لگے۔ اس عداوت ودشمنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اُن حدیثوں کو بھی جو صحابہ کرام کے ذریعہ روایت ہوئیں ماننے سے انکار کیا اور اعمال وعبادات میں بھی بہت سی تفریق نمایاں ہوگئی۔ ان تبرائی شیعوں کی شاخیں آجتک ہندوستان میں بھی بہ تعداد کثیر موجود ہیں۔

(۴ و ۵) خوارج اور شیعہ غلاۃ۔ یہ دونوں فرقے عبد اللہ بن سبا کی جماعت کے دو حصے ہیں ایک گروہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بُرا کہنا شروع کیا اور دوسرے نے اُن میں خدائی صفات تجویز کر کے لوگوں کو ان کی الوہیت کا قائل بنانے کی کوشش کی اور اس عقیدہ کو شائع کیا کہ خدائے تعالےٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں حلول کیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں گروہوں کے خلاف خود جہاد بالسیف کیا اور اُن کے قتل وہلاک کرنے میں تامل نہیں فرمایا۔ شیعہ غلاۃ ابن سبا کی تعلیم کے موافق حشر اجساد اور حساب کتاب کے بھی منکر ہیں۔ یہ بھی

کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ نبی بغیر مددگار کے نبوت کی استطاعت نہ تھی۔ یہ بھی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان پھر دنیا میں واپس آسکتا ہے۔ ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضرت علی پھر دنیا میں آئیں گے وہ بادلوں پر سوار پھرتے ہیں۔ بادل کی گرج ان کی آواز ہے اور بجلی ان کا کوڑا ہے اسی لئے رعد کی آواز سن کر کہتے ہیں السلام علیک یا امیر المومنین۔ یہ بھی عقیدہ ہے کہ ابن ملجم نے جب حضرت علی رضی کو شہید کیا تھا تو ایک شیطان حضرت علی کی صورت میں آگیا تھا اور ابن ملجم کے ہاتھ سے شیطان ہی قتل ہوا حضرت علی تو پہلے ہی آسمان پر چلے گئے تھے وغیرہ وغیرہ۔

(۶) شیعۂ کاملیہ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ تمام صحابہ رضی جنھوں نے حضرت علی کو خلیفہ نہیں بنایا نعوذ باللہ کافر ہیں اور خود حضرت علی رضی بھی اس لئے نعوذ باللہ کافر ہیں کہ وہ صحابہ رضی سے نہ لڑے اور ان کی خلافت کو تسلیم کرلیا

(۷) شیعۂ کیسانیہ۔ یہ فرقہ کیسان نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے جس نے ۶۶ھ میں بہت سے مسلمانوں کو جمع کرکے امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے خروج کیا اور مارا گیا۔ اس گروہ کے لوگ حضرت امام حسن کی امامت کے منکر ہیں وہ حضرت علی کے بعد محمد بن حنفیہ کو امام برحق یقین کرتے ہیں اور امام حسین کو امام نہیں مانتے۔ انھیں لوگوں نے تقیہ کے عقیدہ کو شیعوں میں رواج دیا۔

(۸) شیعۂ مختاریہ۔ مختار بن ابوعبید بن مسعود ثقفی کا ذکر اوپر آچکا ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو عالم الغیب بتایا اور کہا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ بعد میں فرقہ کیسانیہ میں داخل ہوکر کیسانیہ کے نام سے مشہور رہے پھر بہت دنوں کے بعد یہی لوگ اسمٰعیلیہ بن گئے۔

(۹) شیعۂ ہاشمیہ۔ یہ فرقہ ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کو امام برحق مانتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ ابوہاشم کو اپنے باپ محمد بن حنفیہ سے وہ اسرار و علوم و رموز معلوم ہوئے جو ان کو حضرت علی سے پہنچے تھے جس شخص میں یہ تمام علوم و رموز جمع ہوجائیں وہ امام برحق ہے ان لوگوں میں سے بعض ابوہاشم کے بعد عباسیوں کو مستحق خلافت سمجھ کر عبداللہ سفاح تک عباسیوں کو امام مانتے عبداللہ سفاح کے بعد کسی عباسی کو امام نہیں مانتے۔

(۱۰) شیعۂ مغیریہ۔ یہ فرقہ ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں مغیرہ بن سعید

عجلی کے ذریعہ پیدا ہوا جو خالد بن عبد اللہ قسری گورنر عراق کا غلام تھا اُس کا عقیدہ تھا کہ نعوذ باللہ خدائے تعالےٰ ایک انسان کی شکل ہے اُس نے جب دنیا کو پیدا کرنا چاہا تو لوگوں کے اعمال کو خود ہی لکھا پھر خود ہی اُن کی بد اعمالیوں کے تصور سے غضب میں آیا تو جوش غضب سے پسینہ آیا اس پسینے سے سمندر اور دریا پیدا ہوئے سمندر میں اللہ کا عکس پڑا اس عکس میں سے تھوڑا سا حصہ لے کر اللہ نے چاند۔ سورج اور ستارے بنائے پھر باقی عکس کو فنا کر دیا کہ اُس کا کوئی شریک باقی نہ رہے پھر شیریں دریا سے مومن اور کھاری سے کافر بنائے پھر خدا نے اپنی امانت یعنی امامت پہاڑوں کو سپرد کرنا چاہی تو اُنھوں نے اس لیے انکار کیا کہ وہ حضرت علی کا حق ہے انھیں کو پہونچنا چاہیے۔ مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ امامت حضرت علی کے بعد حضرت امام حسنؑ اور اُن کے بعد انھیں کی اولاد کا حق ہے مغیرہ کے قتل ہونے کے بعد اُس کی جماعت کے لوگ مغیرہ ہی کو آنے والا امام مہدی یقین کرنے لگے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہندوؤں کے بعض شاستروں میں پرم ایشور کے پسینہ سے دریا وسمندر وغیرہ بننے کی مذکورہ حکایات اسی کے قریب قریب الفاظ میں موجود ہے ہندوؤں کے اکثر شاستر مسلمانوں کی آمد کے بعد تصنیف ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرامطہ یا حشاشین کے ذریعہ مغیرہ کے مذکورہ خیالات ہندوؤں میں شائع ہو کر مقبول اور پھر اُن کی تصانیف میں داخل ہوئے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مغیرہ ہندوستان ہی سے اس خیال وعقیدہ کو خراسان میں لے گیا ہو۔

(۱۱) شیعۂ بنانیہ۔ مغیرہ مذکور کا معاصر ایک شخص بنان بن سمعان تھا اُس کے اور تمام عقائد مغیرہ ہی کی مانند تھے مگر وہ دو خداؤں کا قائل تھا اور حضرت علی کو زمینی خدا یقین کرتا تھا۔ حضرت علی کے بعد محمد بن حنفیہ اُن کے بعد ابوہاشم عبد اللہ بن محمد اُن کے بعد خود اپنے آپ کو خلیفۂ برحق کہتا تھا اُس نے بھی ایک جماعت اپنے بیہودہ خیالات کی موید پیدا کر لی تھی۔ وہ بھی مغیرہ کی طرح خالد مذکور کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔

(۱۲) شیعۂ زیدیہ۔ یہ فرقہ زید بن علی سے منسوب ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے ۱۲۲ھ میں کوفہ میں خروج کیا تھا اور مقتول ہوئے تھے۔ ابتداً اس گروہ کے عقائد میں زیادہ خرابی نہ تھی لیکن بعد میں شیعوں کے دوسرے فرقوں کا اثر قبول کرنے سے

ان میں بھی بہت سی بیہودہ باتیں داخل ہوگئیں اور پھر یہ فرقہ بہت سی شاخوں میں منقسم ہو گیا۔
(۱۳) شیعہ جناحیہ۔ یہ فرقہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب کا قایم کردہ ہے جعفر طیارؓ کا نام چونکہ ذوالجناحین بھی ہے اسی لئے اس فرقہ کا نام جناحیہ مشہور ہوا۔ عبداللہ مذکور تناسخ ارواح کا قائل تھا اور عقیدہ رکھتا تھا کہ روح الٰہی انبیاء میں دائر سائر ہے۔ انبیاء کے بعد حضرت علی پھر حسنین و محمد بن حنفیہ اولاد علیؓ میں آئی اس کے بعد خود عبداللہ میں روح الٰہی نے حلول کیا۔ یہ فرقہ شراب، مردار اور محارم ابدی کے ساتھ نکاح کو حلال سمجھتا اور قیامت کا منکر ہے۔ عبداللہ مذکور نے خروج کر کے فارس کے اکثر علاقوں پر ۱۲۹ھ میں قبضہ کر لیا تھا۔ ابومسلم نے اس کو اس لئے قتل کرا دیا کہ وہ عباسیوں کو حقدار خلافت نہیں سمجھتا بلکہ خود خلیفہ و امام بننا چاہتا تھا۔ اس کے معتقدین کا خیال ہے کہ عبداللہ قرب قیامت میں اصفہان کے کسی پہاڑ سے برآمد ہوگا۔

ان مذکورہ فرقوں اور گروہوں کے علاوہ خارجیوں میں بھی ضحاکیہ۔ معبدیہ۔ ثعلبیہ۔ شیبیہ ازارقہ۔ عبادیہ وغیرہ ستر فرقے کوفہ۔ بصرہ۔ حضرموت۔ عمان۔ یمن اور فارس وغیرہ میں پیدا ہو گئے تھے اُن کے عقائد کی بھی ایسی ہی حالت تھی جیسی کہ شیعوں کے فرقوں کی اوپر مذکور ہوئی یعنی شیعہ فرقوں سے زیادہ ان میں کفر و الحاد موجود تھا اور یہ سب ہی اسلام کے روشن و منور چہرہ کو غبار آلود کرنے اور اسلام کی عظمت مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ بنو امیہ اپنے عہد حکومت میں اُن سے باخبر اور ان کے استیصال کی طرف متوجہ رہے لیکن شیعہ فرقوں سے وہ زیادہ تر بے خبر اور غافل رہے اور اُن کو شیعوں کی اس پوشیدہ طاقت کا علم اس وقت ہوا جبکہ اُس کا مٹانا اور دفع کرنا آسان کام نہ تھا۔ بہرحال اس بات کے تسلیم کر لینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ مذکورہ فرقوں کے پیدا ہونے کا سبب سوائے سیاسی اغراض اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ نہ تھا۔ اسلام ان بیہودگیوں سے قطعاً پاک اور ایسی نالائقیوں کا دشمن ہے۔ جو لوگ قرآن و حدیث اور رضائے الٰہی کو اپنا قبلۂ توجہ بنائے ہوئے تھے وہ ان نالائقیوں سے قطعاً بے تعلق اور صراط مستقیم پر قایم تھے اور کیوں قایم نہ رہتے کہ آنحضرت صلعم نے پیشگوئی فرما دی تھی کہ :-

وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ (ترمذی)

میری امت میں سے ہمیشہ ایک گروہ غالب رہے گا اگر کوئی اُن کو ذلیل کرنا چاہے گا تو اُس کی کوشش سے اُن کو کوئی ضرر نہ پہونچے گا یہانتک کہ قیامت قایم ہو۔

تبصرہ آجکل کے مسلم نما لوگوں کو جن میں آباء و اسلاف پرستی اور نسلی و خاندانی عصبیت کے سمت رموجزن ہیں اس بات کا سمجھانا اور یقین دلانا بیحد دشوار رہے کہ ۱۳۲ھ تک جو بالکل ابتدائی زمانہ تھا اسلام کے دائرہ میں رہ کر اور مسلمان کہلا کر مسلمانوں کی اولاد اور پاک لوگوں کی بعض ذریت نے ہوا و ہوس اور نفس و شیطان کے فریب میں آکر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن منافقوں کی آرزؤں کو کس طرح پورا کیا اور نہ کرنے کے کام کس طرح کر گذرے کیا مذکورہ افعال ناشایستہ کے جواز کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے وہ پیش کر سکتے تھے۔ کیا خدا اور رسولؐ نے ان کو ایسے کاموں کا حکم دیا تھا اور کیا آج ہمکو خدا اور رسول اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم اُن کی غلطی کو غلطی نہ کہیں بلکہ اُن کی غلطیوں کو صواب اور ثواب ثابت کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگائیں اور رضائے الہی و مصالح دینی کو بالکل فراموش کر کے اس لیئے کف در دہاں و رعشہ در بدن بن جائیں کہ وہ غلط کار و ہوا پرست لوگ ہمارے باپ دادا اور ہمارے بزرگ و اسلاف تھے۔ اس بات کو پھر کھول کر بتا دینا ضروری ہے کہ مذکورہ شیعہ یا خارجی گروہ جو اس ابتدائی زمانہ میں پیدا ہوئے یہ اُس زمانہ کی غالب اسلامی مردم شماری نہ تھے بلکہ مجموعی طور پر مسلمانوں کا سواد اعظم صراط مستقیم پر قایم اور احکام اسلام کا پابند تھا حکومت کا مذہب بھی دین اسلام تھا اور خلفائے بنوامیہ قرآن وحدیث کے احکام سے سرتابی کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مذکورہ فرقے اپنی مردم شماری کے اعتبار سے قلیل اور مسلمانوں کے سواد اعظم کو عقائد و اعمال اسلامی سے برگشتہ کرنے میں ناکام مگر فساد پھیلانے کی کوشش میں مسلسل مصروف رہے شیعہ اولی اور شیعہ تفضیلیہ کے سوا باقی تمام فرقے اپنے عقائد و اعمال میں دوسرے تمام مسلمانوں سے الگ پہچانے جاتے اور اپنی شرارت و فساد کے سبب جب کبھی منظر عام پر آتے انگشت نما بنتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنے کے قابل ہے کہ ملک سندھ بھی عہد بنوامیہ میں مفتوح ہو کر اسلامی صوبہ بن چکا تھا اور سازشی گروہوں سے

پاک نہ تھا بلکہ مرکز سلطنت سے دور ہونے کے سبب مذکورہ فرقوں کے اکثر خطرناک افراد کو یہاں پناہ مل جاتی تھی۔

اسی عہد بنو امیہ میں دنیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خالی ہو چکی تھی اور اکثر جلیل القدر تابعین بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ۷۶ھ میں عبداللہ بن حارث کے فوت ہونے پر مصر اصحاب نبی کریمؐ سے خالی ہو گیا۔ اسی سال حضرت ابو امامہ باہلی کی وفات کے بعد شام میں کوئی صحابی نہ رہے۔ ۸۶ھ میں عبداللہ بن ابی اوفی کی وفات کے بعد کوفہ اور ۹۱ھ میں حضرت سائب بن یزیدؓ کی وفات سے مدینہ اور ۹۳ھ میں حضرت انس بن مالکؓ کے فوت ہونے پر بصرہ بھی اصحاب کرامؓ سے خالی ہو گیا۔ ۱۰۲ھ میں حضرت ابو الطفیلؓ صحابی مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ اُن کے بعد روئے زمین پر کوئی صحابی باقی نہ رہے ساری دنیا اصحاب نبی کریم سے خالی ہو گئی۔ ۱۰۴ھ میں مشہور تابعی حضرت ابو عمر شعبی جنکو پانسو صحابہ کرامؓ کی ملاقات کا شرف حاصل تھا فوت ہوئے۔ ۱۰۶ھ میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر تابعی اور ۱۰۷ھ میں حضرت اکرمہ مولی ابن عباس اور حضرت سلیمان بن یسار فوت ہوئے۔ ۱۱۰ھ میں حضرت حسن بصری اور محمد ابن سیرین نے وفات پائی۔ ۱۱۴ھ میں حضرت عطا بن ابی رباح ۱۱۷ھ میں حضرت نافع مولی ابن عمرؓ ۱۱۸ھ میں حضرت قتادہ بن دعامہ بصری اور محمد بن مسلم مکی فوت ہوئے ۱۲۴ھ میں حضرت ابو بکر ابن شہاب زہری تابعی مدنی نے وفات پائی ۱۲۷ھ میں عبداللہ بن دینار شاگرد حضرت انسؓ و عبداللہ بن عمرؓ فوت ہوئے۔

عہد بنو امیہ میں اگرچہ بعض بعض تابعیوں نے اپنی اپنی بیاضوں اور یادداشتوں میں احادیث نبوی لکھنی شروع کر دی تھیں لیکن کوئی مشہور قابل تذکرہ ذخیرہ احادیث نبوی کا کسی کتاب کی شکل میں مدون نہ ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ سے تابعین حدیثیں سنتے اور بڑی احتیاط کے ساتھ یاد رکھتے دین کی باتیں سیکھتے، صحابہؓ کے عمل کو دیکھتے اور ان پر خود عامل ہوتے تھے۔ اسی کا نام حدیث و سنت تھا۔ قرآن مجید اور سنت و ہدایت ہی کا نام علم دین تھا اور یہی لوگ علمائے دین تھے جو اشاعت دین میں مصروف تھے اس زمانہ میں دین اسلام کی صرف ایک ہی کتاب تھی یعنی قرآن مجید۔ اس کتاب اللہ کے سوا اُن کو اپنے دین کے لئے کسی دوسری کتاب کی

مرتب و مدون کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ سندھ و بلخ و سرحدات چین سے لے کر مراقش و اُندلس تک اسلامی حکومت قائم تھی اور اس ساری دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ کافی ثابت ہوئی اور کسی جگہ کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئی۔ اس زمانہ میں نہ آئمہ اربعہ کا فقہ مدون ہوا تھا نہ ہزارہا فقہی اصطلاحوں اور الحاقی عقیدوں سے کوئی واقف تھا۔ نہ علم کلام تھا نہ منطق و نحو و صرف کا یہ چرچا تھا نہ کتاب اللہ و سُنّت رسول اللہ کے سوا مختلف علوم کی کتابوں کے یہ ذخیرے تھے جن کو آجکل دینی مدارس میں پڑھتے پڑھتے بہت سے بچے بوڑھے ہو جاتے اور قرآن مجید کے پڑھنے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کا کوئی موقع نہیں پاتے بلکہ زبان حال سے فرماتے ہیں کہ ؎

درین تعلیم شد عمر و ہنوز ابجد ہمی خوانم   خدایا کے سبق آموز خواہم شد بدیوانش

اس زمانے کے مسلمانوں میں کسی قسم کی تنگ خیالی اور تنگ نظری بھی نہ تھی اور علوم دنیا کی طرف سے بھی وہ غافل اور بے پرواہ نہ تھے۔ سنہ ۷۱ھ میں بارود مسلمانوں نے ایجاد کر لی تھی۔ سنہ ۷۵ھ میں عبدالملک نے اسلامی سکہ مسکوک کرا کر جاری کیا۔ سنہ ۸۰ھ میں ملک شام کے اندر عیسائیوں نے نئے گرجے تعمیر کرنے کی اجازت چاہی اور خلیفہ عبدالملک بن مروان نے بخوشی اجازت دی تھی۔ الرہا کا گرجا اسی زمانہ میں تعمیر ہوا۔ اگر مسلمان روشن خیال اور روادار نہ ہوتے تو گرجوں کی تعمیر ممکن نہ تھی۔ اسی زمانہ میں حکیم ابو ہاشم خالد بن یزید بن معاویہؓ نے فلسفۂ یونانی کا وسیع مطالعہ کیا اور فلسفہ کی کتابوں کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ بیرونی نے ان کو اسلام کا پہلا فلسفی لکھا ہے۔ علم کیمیا یعنی کیمسٹری کے بھی وہ اُستاد کامل مانے گئے نیز احادیث نبوی کے عالم اور محدثین میں ثقہ راوی تسلیم کئے جاتے ہیں وہ امام زہری مدنی کے اُستاد تھے۔ سنہ ۸۸ھ میں یوسف بن عمران نے مکہ معظمہ میں بجائے ریشم کے روئی کا کاغذ بنانا شروع کیا جو دمشقی کاغذ کے نام سے مشہور ہوا۔ سنہ ۹۳ھ میں خلیفہ ولید کے حکم سے انطاکیہ میں ایک یعقوبی گرجا تعمیر ہوا۔ اسی سال یعنی سنہ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے میں کشتیوں کا عجیب و غریب متحرک پل استعمال کیا۔ عروہ بن زبیر نے سنہ ۹۴ھ میں (فوت ۹۴ھ) آنحضرت صلعم کے سوانح زندگی کو تحریر و مرتب کیا۔ ۹۹ھ میں ابوالاسود دؤلی نے علم نحو مرتب کیا۔ سنہ ۱۱۰ھ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ایک تاریخ عجم کا جو بڑی مبسوط کتاب تھی فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔ حضرت وہب بن منبہ نے

جو ۱۴۲ھ میں فوت ہوئے سوانح حیات اقدس نبوی کو ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیا۔ ۱۲۵ھ میں علم ہیئت کی کتاب مفتاح النجوم کا ترجمہ عربی میں ہوا۔

اسی عہد بنو امیہ میں بعض بزرگوں نے مذکورہ خانہ جنگیوں اور مذکورہ گمراہ فرقوں کی بد عقیدگیوں اور لوگوں کی دنیا طلبی اور ہنگامہ پسندیوں کو دیکھ کر گوشہ نشینی، بے تعلقی اور یکسوئی کی زندگی کو ترجیح دی اور علائق دنیوی سے منقطع ہو کر اپنا زیادہ وقت عبادتوں میں بسر کرنا شروع کیا اور اپنے مخصوص شاگردوں اور دوستوں کو جو اس حالت میں بھی ان کے پاس آتے رہے دینی تعلیم دینے سے گریز نہیں کیا اسی سے تصوف اور خانقاہوں کا سلسلہ آگے چل کر بڑے زور شور سے جاری ہوا ایسے لوگوں میں حضرت حسن بصریؒ اور ان کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ کا نام خاص طور پر مشہور رہے۔

باب دوم

خلافت عباسیہ کے ابتدائی سو سال

عباسیوں کے خلاف علویوں کی سرگرمیاں امویوں سے خلافت و حکومت کے چھیننے اور عباسیوں کے برسر اقتدار آنے کا مجمل سا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ سیاسی اور سازشی سرگرمیوں کی بدولت جو فرقے پیدا ہوئے تھے اُن کا اسلام کے تشریعی پہلو پر زیادہ قوی اثر نہ تھا۔ سازشی گروہوں کی سرگرمیوں نے اگرچہ مذہب اور سیاست میں تفریق و امتیاز کی صورتیں پیدا کر دی تھیں تاہم یہ تخیل اس لئے بہت ہی کمزور رہا کہ سازشی گروہ حضر موت، بحرین، عراق اور ایرانی صوبوں میں زیادہ مصروفِ عمل تھے عام طور پر ملحد اور شرارت پیشہ سمجھے جاتے اور حجازی و شامی علاقوں میں اُن کے لئے کوئی وسیع گنجائش نہ تھی۔ عباسیوں کو حکومت و خلافت کے حاصل کرنے میں سب سے زیادہ امداد ایرانیوں اور مجوسی النسل لوگوں سے ملی تھی اور عباسیوں کی تمام تر طاقت کا انحصار ایرانیوں پر تھا۔ عربوں کی جانب سے وہ مطمئن نہ تھے لہٰذا ایرانیوں کو حکومت و سلطنت میں حصہ دینے یعنی اُن کو اعلیٰ درجہ کے عاملانہ عہدوں پر مامور رکھنے کے لئے وہ مجبور تھے اور چونکہ اسلام سے زیادہ واقف اور مذہب کے موافق زیادہ تر اہل عرب تھے بنا بریں نو مسلم اور اسلام سے کم واقف مجوسیوں کے برسر اقتدار رہنے سے مذہب اسلام کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ پیدا ہو گیا تھا تاہم چونکہ خاندان عباسیہ خود ایک عربی خاندان تھا اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد اُن مخالف اسلام اعمال کا مؤید بھی نہیں رہ سکتا تھا جن کو اُس نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے ضرورتاً استعمال کیا تھا لہٰذا خلفاء عباسیہ نے جوں جوں اقتدار و اطمینان حاصل کیا وہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کی طرف متوجہ ہوتے گئے۔ ادھر علویوں اور فاطمیوں نے خلافت و حکومت سے محروم رہ کر عباسیوں کو جو امویوں کے

کی مخالفت میں شریک و ہمراز تھے امویوں کی طرح اپنا دشمن سمجھا اور عباسیوں کی حکومت مٹانے اور برباد کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس سے پہلے عباسی اہل بیت نبوی میں شامل سمجھے جاتے تھے لیکن اب علویوں نے اہل بیت کے مفہوم سے عباسیوں کو خارج کر کے صرف اپنے آپ کو اہل بیت قرار دے کر وہی سازشی کارروائیاں عباسیوں کے خلاف جاری رکھیں اور علوی دعاۃ و نقباء کو اب ایک اور ہی قسم کی چھوٹی حدیثیں بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی چونکہ عباسی بھی ابتک اسی میدان کے مرد رہ چکے تھے اور ایرانیوں کی طاقتور اکثریت اُن کی ہمدرد ہو اخواہ تھی نیز یہ کہ انھوں نے امویوں کے دارالخلافہ دمشق کو ترک کر کے عراق میں دارالخلافہ بنایا لہٰذا علویوں کے لئے عباسیوں کے خلاف خفیہ تدابیر کو جاری رکھ کر کامیابی حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ بنابریں انھوں نے پرانے تجربوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی احتیاط اور انتہائی ہوشیاری سے اپنا کام شروع کیا۔ عباسی اس بات سے واقف تھے کہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کا نام لے کر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علوئے مرتبت کو یاد دلا کر لوگوں کو کس قدر متاثر کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بڑی مستعدی کے ساتھ اپنے عربی و ایرانی مددگاروں سے کام لے کر علویوں کی کوششوں کو ناکام رکھنے کے لئے بطور حفظ ماتقدم جابجا مناسب انتظامات کر دیئے اور اپنی حفاظت کے لئے ضروری سمجھا کہ عربی النسل اور ایرانی النسل لوگوں کی رقابت کو قائم رکھ کر دونوں طاقتوں سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ امویوں کے مقابلہ میں علویوں اور عباسیوں نے مل کر جو کوشش کی تھی اُس میں زیادہ تر نومسلم مجوسیوں سے کام لیا گیا تھا اور دارالخلافہ دمشق سے دور ہونے کے سبب ایرانی صوبوں کو معمول بنانے میں زیادہ آسانی بھی تھی۔ لیکن علویوں کو اب ایران اور عرب دونوں ملکوں اور دونوں قوموں میں کام کرنا پڑا کیونکہ دارالخلافہ کے عراق میں آجانے سے حجاز و یمن اور خراسان و ترکستان پر حکومت کا یکساں اثر تھا۔ دوسری خاص بات اپنی کوششوں میں علویوں کو یہ مدنظر رکھنی پڑی کہ اپنی تحریک کو جہانتک ممکن ہو مذہبی رنگ میں رنگین کیا جائے کیونکہ انھیں جن لوگوں کو اپنا معمول بنانا پڑا اُن میں بڑا حصّہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو ایرانیوں اور خراسانیوں کی طرح مذہب سے ناآشنا اور غافل نہ تھے مقابلہ چونکہ تجربہ کار عباسیوں کا تھا لہٰذا علویوں کا زیادہ عمیق اور زیادہ دقیق راہ عمل

اختیار کرنا امر ناگزیر تھا۔ کوششوں کے اصول بھی عربی اور ایرانی علاقوں میں ایک نہیں رہ سکتے تھے خارجیوں اور عنادی و الحادی منافقوں سے بھی کام لینے اور اپنی طاقت بڑھانے کی ضرورت تھی۔ خط و کتابت اور پیام رسانی کے لیئے ایک مرموز طریق کتابت بھی ایجاد کرنا پڑا جس کا چند خواص تک محدود رہنا از بس ضروری تھا۔ یہی مرموز خط تغیرّ و تبدل کے بعد آجکل علم جفر کے نام سے بہت سے بے وقوفوں کی تضیع اوقات کا سبب بنا ہوا ہے۔ غرض علویوں کی یہ تحریک جو عباسیوں کے خلاف زیر عمل آئی بہت ہی پیچیدہ۔ بہت دشوار اور بہت ہی کم سمجھ میں آ سکنے والی تھی اور اسی لیئے اس خفیہ تحریک کے نتیجہ میں جو فرقے پیدا ہوئے وہ تعداد میں زیادہ اور مذہب اسلام کے عملی اور تشریحی پہلو پر بھی نسبتاً زیادہ اثر ڈالنے والے ثابت ہوئے۔

عبداللہ سفّاح اور منصور عباسی کی مستعدی

عبداللہ سفّاح پہلا عباسی خلیفہ چار برس آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا اس عرصہ میں وہ برابر علویوں کو اپنے جود و سخا کی بارش سے خاموش رکھنے میں کامیاب ہوا اور کسی علوی کو اُس نے اپنے پاس سے ناراض اور ناخوش ہو کر رخصت ہونے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرا خاص کام اُس نے یہ کیا کہ بنواُمیّہ کو عرب و شام و ایران و مصر وغیرہ میں جہاں کہیں پائے گئے چن چن کر قتل اور سارے قبیلہ کو قریباً تخم سوخت کر دیا کسی کا نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ بنواُمیّہ میں سے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک ایک شخص بچ کر بھاگ نکلا تھا اُس نے اندلس میں جا کر اپنی سلطنت و خلافت کے قائم کر لینے میں کامیابی حاصل کی لیکن ان مشرقی ممالک میں بنواُمیّہ کا کوئی فرد بظاہر باقی نہیں چھوڑا گیا۔ اگر بنواُمیّہ ان مشرقی ممالک سے قطعاً نابود نہ کر دیئے جاتے تو یقیناً وہ علویوں کے ساتھ اشتراک عمل کرتے اور عباسیوں کو بہت ہی تھوڑی مہلت حکومت و خلافت کے لیئے میسّر آتی۔ عبداللہ سفّاح کے عہد حکومت میں ابو مسلم خراسانی سیاہ و سپید کا مالک تمام ایرانی خراسانی علاقوں میں بنا رہا اور اسی کی مخالف عرب اور مخالف اسلام تجویزوں نے بنواُمیّہ کو صفحۂ ہستی سے نابود کرایا۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کو تخت نشین ہو کر سب سے پہلے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کو فرو کرنا پڑا لیکن اس خانہ جنگی اور بغاوت کو وہ ابو مسلم خراسانی کی امداد کے بغیر فرو نہ کرسکا اور اُس کو محسوس ہو گیا کہ ایرانی لوگ اپنی مجوسی

شہنشاہی کو جو خلفائے راشدین کے زمانے میں برباد ہو چکی تھی پھر قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ ہی اُس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں علوی ایرانیوں کو امداد نہ پہونچائیں یا ایرانی کہیں علویوں کو اپنی سپر یا آلۂ کار نہ بنالیں چنانچہ اُس کی رگ ہاشمی جوش میں آئی اور اُس نے ہمت و تدبیر سے کام لے کر بہت جلد ابوسلم خراسانی کا کام تمام اور جدید ایرانی سلطنت کے خواب کو خیال بنا دیا۔ اس جگہ یہ بات ذہن نشین ہونے کی قابل ہے کہ مذہبی پیشوا اگر اپنے اعلیٰ درجہ کے معتقد اور فرمانبردار شخص کو کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم دے جو اُس مذہب کی تعلیم کے خلاف ہو اور یہ کام مخفی طور پر کیا جائے اور اس کے مخفی رکھنے کی ہدایت کی جائے تو وہ معتقد و فرمانبردار شخص اُس مذہب پر عموماً قائم نہیں رہا کرتا اور اس مذہب کا باطل ہونا اُس کے دل میں جم جاتا ہے۔ امام ابراہیم کا ابوسلم کو اپنا راز دار بنانا اور تعلیمات اسلامیہ کے خلاف اُس سے سازشی کاموں اور مخفی تدبیروں کا انجام دلانا سب سے بڑا محرک اس بات کا تھا کہ ابوسلم با اختیار اور با اقتدار ہونے کے بعد اسلام اور اسلامی مقاصد کی مطلق پرواہ نہ کر کے اپنی قومی مجوسی سلطنت قائم کرنے کی کوشش کرے یہی کیفیت ہر ایک نقیب اور ہر ایک داعی کی ہوئی اور اُن میں بہت ہی کم ایسے شخص شاید تلاش ہو سکیں جو تقویٰ و طہارت اور تمام اسلامی عقائد میں پختہ اور اعلیٰ مقام پر ثابت ہوئے ہوں۔ ابوجعفر منصور نے صرف ابوسلم کی با اثر اور پر شوکت ذات کو فنا کرنا کافی سمجھ کر ایرانیوں کی قوم اور ایرانی طاقت کو جو اس کے لئے پشت پناہ ثابت ہو رہی تھی کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔ ابوسلم کے ہمراہیوں میں سے فیروز نامی مجوسی نے جو سنباد کے نام سے مشہور ہے باغی ہو کر اور سلطنت اسلامیہ کے لئے مشکلات پیدا کر کے اس خیال کو صحیح ثابت کر دیا کہ ابوسلم واقعی ایک مجوسی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھا۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔ (مسلمانو! آپس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ آپس میں جھگڑنے سے تم ہمت ہار دوگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی) آخر بڑے کشت و خون کے بعد سنباد کا فتنہ بھی فرو ہوا۔ قتل ابوسلم اور فتنہ سنباد سے فارغ ہونے کے بعد بھی حکومت عباسیہ نے ایرانیوں کے مقابلہ میں عربوں کو شایان اعتماد نہیں سمجھا اور خالد بن برمک ایرانی کو بدستور وزارت کے عہدہ پر قائم رکھا جو عبداللہ سفاح کے زمانہ سے اس عہدہ پر فائز تھا۔ یہ حالات دیکھ کر علویوں نے زیادہ انتظار مناسب نہ سمجھ کر اپنا کام مستعدی سے شروع

کر دیا۔ اس دہتہ علویوں میں محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ جو مکہ معظمہ کی خفیہ مجلس مشورت میں خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور جو محمد مہدی اور نفس زکیہ کے نام سے مشہور رہیں تحریک کے امام قرار پائے۔ اُن کے داعی اور نقیبا بہت جلد مناسب اور ضروری ہدایات کے ساتھ حجاز۔ مصر۔ عراق۔ فارس ایران۔ خراسان۔ اور سندھ کے صوبوں میں پھیل گئے۔ اس انقلابی تحریک میں صوبوں کے گورنروں پر بھی ڈورے ڈالنے کا اس لیے یا آسانی موقع مل سکا کہ کاروبار سلطنت میں ایرانی اور عربی دونوں عناصر موجود اور دونوں کی رقابت و تفریق نمایاں ہو چکی تھی۔ علویوں کا چونکہ دونوں عناصر میں رسوخ تھا لہٰذا وہ حسب موقع ایک کے جذبات کو دوسرے کی مخالفت میں برانگیختہ کر کے اپنا کام نکال سکتے تھے۔ چنانچہ خراسان کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمٰن اور سندھ کے عامل عینیہ بن موسیٰ بن کعب اور طبرستان کے عامل نے جو ایک ایرانی نو مسلم تھا یکے بادیگرے علم بغاوت بلند کیا۔ عباسی چونکہ پہلے سے چوکس تھے یہ بغاوتیں جلد جلد فرو کر دی گئیں اور محمد مہدی (نفس زکیہ) کی تحریک سے بھی عباسیوں کو جلد واقفیت حاصل ہو گئی۔ محمد مہدی احتیاطاً روپوش ہو گئے۔ منصور نے محمد مہدی کی بڑی ہی تلاش و جستجو کی مگر وہ باوجود اس کے کہ حجاز میں موجود تھے قبائل عرب کی ہمدردی و حمایت کے سبب منصور کے ہاتھ نہ آئے اور اپنی تحریک کو ترقی دیتے رہے۔ منصور نے مجبور ہو کر ان کے بارہ تیرہ قریبی رشتہ داروں کو جن میں اُن کے باپ چچا اور چچازاد بھائی شامل تھے مدینہ میں گرفتار کرا کر قید کر دیا۔ محمد مہدی خود حجاز میں تھے اپنے بھائی ابراہیم کو انھوں نے عراق و فارس و خراسان کی طرف بھیجا اور اپنے بیٹے علی کو مصر کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ علی بن محمد مہدی مصر میں گرفتار ہو گئے۔ لیکن محمد مہدی اور اُن کے بھائی ابراہیم برابر حجاز و شام اور عراق و خراسان وغیرہ میں مصروفِ عمل رہے۔ منصور نے محمد مہدی اور اُن کے بھائی کی گرفتاری سے عاجز و مایوس ہو کر اُن کے رشتہ داروں کو جو محبوس و مقید تھے اور جن میں محمد مہدی کے باپ عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بھی شامل تھے نہایت سنگدلی کے ساتھ قتل کرا دیا۔

علویوں کا خروج عباسیوں کے خلاف

اپنے باپ چچا اور چچازاد بھائیوں کے اس بیدردانہ قتل کا حال سن کر محمد مہدی ضبط نہ کر سکے۔ انھوں نے دارالخلافہ کی تحریک کی تکمیل اور پختگی کو نہیں پہونچی تھی مدینہ میں خروج کیا اور مدینہ کے عامل ریاح بن عثمان بن حیان مزنی کو گرفتار۔

دُ عقیدہ کر کے اپنی خلافت و امارت کا اعلان کیا۔ یہ سُن کر منصور بہت پریشان ہوا اور محمد مہدی سے صلح و آشتی کی گفتگو کا موقع نکالنے کے لئے خط و کتابت شروع کی۔ دونوں کے خطوط تاریخوں میں منقول ہیں اُن کے مطالعہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علویوں اور عباسیوں نے متفقہ سازش سے امویوں کو ہلاک و برباد کیا تھا اور عباسیوں کے برسر حکومت ہو جانے اور علویوں کے تخت سلطنت سے محروم رہ جانے پر علویوں کو عباسیوں سے عداوت پیدا ہوئی تھی یعنی حکومت و سلطنت کے سوا اور کوئی وجہ اُن کے درمیان مخالفت کی نہ تھی۔ دینی و مذہبی عقائد میں کسی قسم کا کوئی اختلاف مطلق نہ تھا نہ اس معاملہ میں ایک کو دوسرے سے کوئی شکایت تھی۔ اس خط و کتابت میں ایک نے دوسرے کے بزرگوں کی تحقیر کرنے اور طعنہ دینے میں کمی نہیں کی حالانکہ دونوں یکجا ہی اور آنحضرت صلعم سے یکساں رشتہ داری رکھتے تھے ایک ابی طالب کی اولاد تھے اور دوسرے حضرت عباسؓ کی اور یہ دونوں عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ دونوں کلام الٰہی کی تعلیم کو فراموش کر کے کس طرح خواہشات نفسانی اور اغراض دنیوی سے متاثر ہو گئے تھے محمد مہدی کے بھائی ابراھیم بن عبداللہ بصرہ میں مقیم اور روپوش تھے۔ محمد مہدی نے بھائی کو اطلاع دی کہ تم بھی وہاں خروج کر دو لیکن چونکہ اس زمانہ میں ابراہیم بیمار تھے لہٰذا انھوں نے اپنے صحتیاب ہونے تک تامل کیا اور اس طرح منصور کی فوجوں کو اوّل مدینہ میں محمد مہدی کا اور پھر اُن سے فارغ ہو لینے کے بعد ابراھیم بن عبداللہ کے مقابلہ کا موقع ملا تھا۔ مہدی نے مدینہ میں اور ابراھیم نے بصرہ میں ایسی قوت حاصل کر لی تھی کہ اگر دونوں بھائی ایک ہی وقت خروج کرتے تو حکومت عباسیہ کا درہم برہم ہو جانا یقینی تھا مگر قدرتی طور پر علویوں کی ناکامی کے اسباب پیدا ہو گئے۔ دونوں بھائی مدینہ اور بصرہ میں کام آئے اور عباسیوں کی حکومت موت کے منھ سے بال بال بچ گئی۔ یہ واقعہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ یہاں یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت امام مالکؒ نے مدینہ میں محمد مہدی کی بیعت کے لئے لوگوں کو ترغیب دی تھی اور امام ابو حنیفہؒ نے عراق میں ابراہیم بن عبداللہ کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا۔ منصور عباسی نے ان لڑائیوں سے فارغ ہو کر امام مالکؒ کو کوڑوں سے پٹوایا اور امام ابو حنیفہؒ کو گرفتار کرا کر بغداد میں بلوایا اور قید کر دیا۔ چونکہ بغداد کی شہر پناہ تعمیر ہو رہی تھی لہٰذا خشت شماری کی خدمت بطور مشقت ان کے سپرد ہوئی یہ بھی روایت ہے کہ منصور نے ان کو عہدہ قضا سپرد کرنا چاہا تھا

اُنھوں نے جب انکار کیا تو خشت شماری کا کام ان کے سپرد ہوا امام صاحب اسی حالت میں سنہ ۱۵۰ھ تک مصروف ومقید رہ کر فوت ہوئے۔ مذکورہ دونوں بزرگوں کے علاوہ ابن عجلان اور عبدالحمید بن جعفر وغیرہ دوسرے علماء نے بھی محمد مہدی اور اُن کے بھائی ابراہیم کی بیعت کے لئے فتوے دیئے تھے۔ ان سب کو بھی حکومت عباسیہ کی طرف سے اسی قسم کی سزائیں دی گئیں۔ محمد مہدی نے مدینہ میں خروج کرنے سے پہلے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ اشتر کو بصرہ میں اپنے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ فلاں تاریخ خروج کرنا چاہئے۔ ابراہیم بن عبداللہ نے اس بھتیجے کو فوراً سندھ کی طرف روانہ کیا جہاں عمر بن حفص بن عثمان بن قبیصہ بن ابی صفرہ حکومت عباسیہ کی طرف سے حاکم اور ابراہیم بن عبداللہ کے اثر وتحریک سے اس علوی سازش میں شریک ہو چکا تھا۔ عبداللہ اشتر کے پہونچتے ہی عمر بن حفص نے محمد مہدی کی خلافت کو تسلیم کرکے عباسیوں کے لباس اور نشانات کو جاگ کر کے خطبہ میں محمد مہدی کا نام داخل کیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد محمد مہدی اور ابراہیم کے مقتول ہونے کی خبر پہونچی تو عمر بن حفص نے عبداللہ اشتر کو سندھ کے ایک راجہ کے پاس جو حضرت علی اور اُن کی اولاد سے محبت رکھتا تھا بھیج دیا اور خود پھر عباسی حکومت کا فرمانبردار بن گیا۔ منصور نے یہ خبر سُن کر عمر بن حفص کی جگہ ہشام بن عمر تغلبی کو سندھ کی حکومت پر مامور کرکے عمر بن حفص کو اپنے پاس بلا کر مصر کی حکومت پر مامور کیا۔ منصور کی دانائی اور مآل اندیشی کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے عمر بن حفص کو کوئی سزا نہیں دی اور بجائے سندھ کی صوبہ داری کے مصر کی صوبہ داری پر تبدیل کر دینا ہی کافی سمجھا۔ سنہ ۱۴۶ھ میں سیستان کے علاقہ میں خارجیوں نے شورش و بغاوت برپا کی اور یہ بغاوت معن بن زائدہ نے وہاں جا کر فرو کی۔ عبداللہ بن اشتر کے سندھ میں موجود ہونے کا حال سُن کر کئی سو عرب جو اس علاقہ میں علوی تحریک کو کامیاب بنانے میں مصروف تھے عبداللہ اشتر کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ منصور نے عبداللہ اشتر کی گرفتاری کے لئے سندھ کے عامل کو لکھا۔ آخر عبداللہ اشتر ایک لڑائی میں مارا گیا اور اُس کا خورد سال بیٹا گرفتار ہو کر منصور کے پاس پہونچا۔

مجوسیوں اور ملحدوں کی بغاوتیں اور عباسیوں کی ہوشیاری

سنہ ۱۵۰ھ میں استاذ سیس (استاذ سیس) نامی ایک شخص نے خراسان میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ہزارہا خراسانیوں نے بلا تامل اس کی

نبوت کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ ہرات، بادغیس اور سیستان کے لوگ اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور خراسان کے اکثر حصہ پر استاذسیس نے قبضہ کر لیا۔ عباسی لشکر جو اس پر حملہ آور ہوا اس نے شکست کھائی۔ دوسری زبردست فوج مقابلہ پر پہونچی استاذسیس کے ستر ہزار ہمراہی ایک میدان میں مارے گئے اور بقیہ چودہ ہزار کے ساتھ وہ پہاڑوں میں محصور رہا۔ آخر بہ مشکل استاذسیس کی گرفتاری پر یہ فتنہ فرو ہوا۔ ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ علویوں کی تحریک کے علاوہ وہ دشمن اسلام تحریک بھی بجائے خود موجود تھی جس کی ابتدا عبداللہ بن سبا نے کی تھی اور جس کی تقلید سے جو مسلمان اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے اس وقت تک اگرچہ دربار اور دفتروں میں ایرانی عنصر غالب نظر آتا تھا مگر شاہی فوج میں عربوں کا غلبہ تھا۔ ان فوجی عربوں میں قبائل مضر اور قبائل ربیعہ کی کثرت تھی۔ ابوجعفر منصور کو محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے خروج سے اندازہ ہو چکا تھا کہ عربوں کی جنگی طاقت کسی وقت موجب خطر ثابت ہو سکتی ہے لہٰذا اس نے یہ تدبیر کی کہ قبائل مضر اور قبائل ربیعہ میں رقابت و مخالفت پیدا کرا کر عربوں کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آدھی فوج یا طاقت کو جس میں قبائل ربیعہ شامل تھے بغداد میں رکھ کر باقی آدھی فوج کے لئے جس میں قبائل مضر شامل تھے ایک دوسری چھاؤنی رصافہ کے نام سے قائم کی۔ مدینہ والوں سے ابوجعفر منصور بہت بدگمان ہو گیا تھا چنانچہ اُس نے ۱۵۸ھ میں حضرت سفیان ثوریؒ اور حضرت عباد بن کثیرؒ کی گرفتاری کے احکام جاری کئے اور اسی سال بماہ ذیقعد بعزم حج بغداد سے روانہ ہوا۔ روانگی کے وقت اپنے بیٹے مہدی عباسی کو جو وصیت کی اُس کے یہ فقرے خصوصیت سے قابل توجہ ہیں :۔

> ”میں تم کو خراسانیوں کے ساتھ حسن سلوک پیش آنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے قوت بازو اور ایسے مددگار ہیں کہ انھوں نے تمہارے خاندان میں حکومت و سلطنت قائم کرنے کے لئے اپنا جان و مال صرف کیا ہے میرا خیال ہے کہ خراسانیوں کے دلوں سے تمہاری محبت کبھی نہ نکلے گی۔ ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا اُن کے نمایاں کاموں پر ان کو انعام و اکرام سے خوش کرنا۔ اور خبردار قبیلۂ بنو سلیم کے کسی شخص سے کبھی مدد طلب نہ کرنا۔“

ابھی یہ سفر پورا نہ ہوا تھا یعنی مکہ معظمہ تین چار میل رہ گیا تھا کہ ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو فوت ہو گیا

منصور کے بیٹے مہدی کے عہد حکومت میں پہلے ہی سال ۱۵۹ھ میں حکیم مقنع نے نبوت کا مدعی ہو کر خراسان میں خروج کیا یہ ابو مسلم خراسانی کی جماعت کا آدمی اور حلول و تناسخ کا قائل تھا اہل خراسان اس کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے اور بالآخر اس کو خدا سمجھ کر اس کے آگے سجدے کرنے لگے مرو سے لیکر بخارا تک کے باشندے عباسیوں کی مخالفت میں اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے خلیفہ مہدی عباسی نے مقابلہ کے لئے فوجیں روانہ کیں بار بار عباسی فوجوں کو شکست ہوئی آخر چار پانچ مہینہ کی خونریزی کے بعد مقنع مذکور قلعہ بسام میں تینتیس ۳۳ ہزار آدمیوں کے ساتھ محصور ہوا جس میں سے تیس ہزار آدمی محاصرین سے امان طلب کر کے قلعہ سے نکل آئے دو ہزار مقنع کے ساتھ قلعہ میں رہ گئے۔ محاصرہ کی شدت سے تنگ آکر مقنع نے خودکشی کی اور قلعہ مفتوح ہوا خلیفہ مہدی نے علویوں کے ساتھ رعایت و مروت کا برتاؤ ضروری سمجھکر محبت و دوستی کے تعلقات پیدا کئے اور اُن کو حکومت و سلطنت میں ذمہ داری کے عہدے بھی عطا کئے۔ خالد بن برمک کو اپنے بیٹے ہارون کی اتالیقی پر مامور کر کے یعقوب بن داؤد کو وزیر بنایا ۱۶۳ھ میں حلب کے متصل زندیقیوں کی جمعیت نے قوت پاکر شورش برپا کی اور مہدی نے ان کا قلع قمع کیا ۱۶۶ھ میں خلیفہ مہدی نے امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہؒ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا ۱۶۷ھ میں زندیقیوں نے یمامہ و بحرین کے صوبوں میں بڑا زور پکڑا لوگ اُن کے بہکانے سے مرتد ہو ہو کر نماز میں چھوڑ بیٹھے محرمات شرعی کا پاس و لحاظ اٹھا دیا اور لوٹ مار پر مستعد ہو گئے۔ مہدی پوری مستعدی اور ہمت کے ساتھ اُن کے استیصال پر آمادہ ہوا۔ جا بجا اُن کا قتل عام کرایا یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ ابھی یہ فتنہ فرو نہ ہوا تھا کہ طبرستان اور جرجان میں ایرانیوں نے علم بغاوت بلند کیا اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے مہدی نے اپنے بیٹے ہادی کو روانہ کیا اور وہ فتنہ بھی معمولی کشت و خون کے بعد فرو ہوا۔ ۲۲ محرم ۱۶۹ھ کو مہدی کا انتقال ہوا اور ہادی تخت خلافت پر بیٹھا خلیفہ مہدی عباسی نے اپنے عہد حکومت میں کسی ہاشمی یا علوی کو قتل نہیں کیا۔ مہدی قرآن و حدیث کا عالم اور متبع شرع خلیفہ تھا۔ وہ اس بات سے واقف تھا کہ میرے بزرگوں اور علویوں کے درمیان جو عداوت و دشمنی چلی آتی ہے وہ ہرگز للّٰہیت پر مبنی نہیں بلکہ دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہے بنا بریں اُس نے علویوں کو نقصان نہ پہونچانے کی قسم کھائی اور ان کو اپنی مصاحبت میں داخل کیا اور اپنی جود و سخا سے اُن کو مالا مال کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہدی کے

عہد حکومت میں علویوں نے اپنی مخالفانہ سرگرمیوں کو ملتوی کر دیا۔ یا یوں کہو کہ وہ اس سہولت و مہلت میں آئندہ کے لئے خروج کی تیاریاں کرتے رہے۔

علویوں کا خروج اور ناکامی خلیفہ مہدی عباسی کے فوت ہوتے ہی علویوں نے ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کر دیئے ۱۶۹ھ کے ایام حج سے کچھ دنوں پہلے محمد مہدی المعروف بہ نفس زکیہ مذکور کے چچازاد بھائی حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ اور محمد مہدی کے بیٹے حسن بن محمد عبداللہ نے ملکر مدینہ میں خروج کیا۔ مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکہ معظمہ پر بھی قابض و متصرف ہو گئے۔ ایام حج میں مختلف صوبوں سے جو سرکاری اہلکار اور امراء حج کے لئے آئے تھے انھوں نے محمد بن سلیمان عباسی کے زیر قیادت مجتمع ہو کر مقابلہ کیا یوم ترویہ کو جنگ ہوئی اور حسین و حسن مذکور دونوں قتل ہوئے۔ اس لڑائی میں ادریس بن عبداللہ برادر محمد مہدی بھی شریک تھا وہ بچکر نکل بھاگا اور سیدھا مصر پہونچا۔ وہاں بعض محبان اہلبیت کی مدد سے بچکر بلاد مغرب کی طرف چلدیا اور طنجہ کے علاقہ میں پہونچکر بربریوں کو دعوت دینے میں مصروف ہوا۔ دوسرا بھائی یحییٰ بن عبداللہ فرار ہو کر دیلم پہونچا اور وہاں کے لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت دینے لگا۔ خلیفہ ہادی ابن مہدی عباسی سوا برس کی حکومت کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ کو فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ہارون الرشید تخت نشین ہوا۔ ہارون الرشید نے تخت نشین ہوتے ہی یحییٰ بن خالد بن برمک ایرانی کو وزیر اعظم بنا کر سلطنت کے تمام صیغے اس کے سپرد کر دیئے ۱۷۴ھ میں ہارون الرشید نے یوسف بن امام ابو یوسف کو بغداد کا قاضی مقرر کیا جبکہ اُن کے باپ امام ابو یوسف بصرہ کے قاضی تھے۔ ۱۷۵ھ میں یحییٰ بن عبداللہ برادر محمد مہدی نے جو دیلم میں مخفی طور پر لوگوں کو اپنی دعوت میں شامل کر رہے تھے خروج کیا اور بہت جلد ایک زبردست فوج اُن کے گرد جمع ہو گئی۔ ہارون نے پچاس ہزار جرار فوج فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کی سپہ سالاری میں یحییٰ بن عبداللہ کے مقابلہ پر روانہ کی۔ فضل بن یحییٰ نے قریب پہونچکر خط و کتابت اور سلام پیام کے ذریعہ یحییٰ کو صلح و آشتی کی جانب مائل کیا۔ یحییٰ نے کہا کہ اگر ہارون الرشید خود امان نامہ اپنے قلم سے لکھ کر اور بغداد کے علماء و قضاۃ کی مہریں ثبت کرا کر بھیجے تو میں تمہارے ساتھ بغداد چلنے پر آمادہ ہوں۔ چنانچہ ہارون الرشید نے اپنے قلم سے عہدنامہ لکھ کر اور علماء و قضاۃ کی مہریں ثبت کرا کر امان نامہ بھیجدیا اور یحییٰ بن عبداللہ فضل بن یحییٰ کے ساتھ بغداد چلے

آئے۔ ہارون الرشید نے عزت کا برتاؤ کیا اور فضل بن یحیٰ کو یحیٰ بن عبداللہ کی نگرانی سپرد کی۔
۱۷۶ھ میں ہارون الرشید کے پاس خبر پہونچی کہ موسیٰ بن عیسیٰ مصر کا نائب السلطنت دعوت علویہ سے متاثر اور انقلاب خلافت کی تدابیر میں مصروف ہے۔ ہارون الرشید نے یہ وحشت ناک خبر سُن کر فوراً ملک مصر کی حکومت کا انتظام جعفر بن یحیٰ برمکی کے سپرد کیا اور اس نے وہاں عمر بن مہران کو اپنی طرف سے حاکم بنا کر بھیجا وہ چند روز مصر میں رہ کر واپس آیا اور اسحاق بن سلیمان مصر کا حاکم مقرر ہوا ۱۷۷ھ میں موصل اور اس کے ارد گرد کا علاقہ باغی ہوگیا۔ یہ بغاوت ہارون الرشید نے خود جا کر فرو کی اسی عرصہ میں خبر پہونچی کہ مصر میں باغیوں نے اسحاق بن سلیمان کو شکست دی ۱۷۸ھ میں ہرثمہ بن اعین حاکم فلسطین نے جا کر اس بغاوت کو فرو کیا۔

خارجیوں اور مجوسیوں کی بغاوت اور خاندان برمک کی تباہی

یہاں مصر و موصل وغیرہ میں بغاوتیں ہو رہی تھیں ادھر خراسان میں خارجیوں نے علم بغاوت بلند کر کے عباسی فوجوں کو کئی زبردست شکستیں دیں آخر بمشکل تمام یہ فتنے فرو ہوئے ۱۷۹ھ میں ہارون الرشید نے عمرہ ادا کیا اسی سال ۷ ربیع الثانی کو حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے اور بیاہ ویقعدہ امام ابوحنیفہ کے بیٹے حمادؒ نے وفات پائی۔ ۲۷ رجب ۱۸۲ھ کو امام ابو یوسف نے جن کا نام یعقوب تھا جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور بغداد کے قاضی القضاۃ ہو گئے تھے وفات پائی اسی سال خارجیوں نے خراسان میں پھر علم بغاوت بلند کیا اور مسلسل چار سال تک یہ فتنہ فرو نہ ہو سکا بمشکل ۱۸۶ھ میں یہ ہنگامہ فرو ہوا اس ہنگامے کے اتنے دنوں برپا رہنے اور بہ آسانی فرو نہ ہونے کا سبب خاص تھا۔ ہارون الرشید نے ۱۸۰ھ میں خراسان کی حکومت پر علی بن موسیٰ کو جو ایک سخت گیر افسر تھا مقرر کر کے بھیجا تھا۔ وزیر اعظم یحیٰ بن خالد بن برمک جو مجوسی النسل اور خراسانی ہونے کے سبب اہل خراسان سے ہمدردی رکھتا تھا علی بن موسیٰ کے تقرر کو ناپسند کرتا تھا وہ چاہتا تھا کہ خراسان پر علی بن موسیٰ کامیاب حکومت نہ کر سکے ہارون الرشید علویوں کی جانب سے بے خبر اور مطمئن نہ تھا اس نے امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادقؒ کو بغداد ہی میں قیام رکھنے پر مجبور کیا تھا بغداد سے باہر جانے کی ان کو ممانعت تھی ۲۵ رجب ۱۸۳ھ امام موسیٰ کاظم فوت ہو کر بغداد میں مدفون ہوئے ۱۸۵ھ میں اہل طبرستان نے پھر شورش و بغاوت برپا کی اور طبرستان کے عامل مہرویہ رازی کو قتل کر ڈالا یہ بغاوت بہت جلد فرو ہوگئی ہارون الرشید نے چونکہ اپنے وزیر اعظم یحیٰ بن خالد کی منشاء کے خلاف علی بن موسیٰ کو خراسان کا حاکم مقرر

کیا تھا لہٰذا وزیر اعظم کی ریشہ دوانیوں اور خفیہ کارروائیوں کی بدولت چار سال تک خراسان میں ہنگامہ برپا رہا مگر ہارون الرشید نے وزیر اعظم کے کئی مرتبہ توجہ دلانے کے باوجود علی بن موسیٰ کو خراسان کی حکومت سے جدا نہ کیا۔ اور وزیر اعظم نے یہ تدبیر سوچی کہ خراسانیوں سے درخواستیں بھجوانی شروع کیں کہ علی بن موسیٰ کو یہاں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ان درخواستوں کا سلسلہ برابر جاری رہا اور شکایتوں کی تعداد حد سے گزر گئی تو ہارون الرشید نے مجبوراً خود خراسان کا سفر اختیار کیا وہاں پہونچکر حالات کا معائنہ کیا اور خوش ہو کر نہ صرف یہ کہ علی بن موسیٰ کو خراسان کی حکومت پر بدستور مامور رکھا بلکہ اسے طبرستان نہاوند اور رہ ان کے علاقے بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیئے۔ اس سفر میں ہارون الرشید کو اپنے مجوسی النسل وزیر اعظم اور اس کے بیٹوں کی تمام شرارتوں کا علم ہو چکا تھا۔ خالد بن برمک ابو مسلم خراسانی کا خاص معتمد تھا اور یہ لوگ ایک ایرانی سلطنت قائم کرنے کے سچے آرزومند تھے۔ خالد بن برمک نے ابو مسلم کے قتل کے بعد اپنے کسی طرز عمل سے ملال یا ناراضی کا اظہار نہ ہونے دیا اور اپنی وفاداری کا عباسیوں کو اس طرح یقین دلایا کہ وہ اس سے خوش اور مطمئن رہے۔ خالد نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی اس کی اولاد اپنے باپ کی خواہش سے واقف اور اس کے پورا کرنے کی خواہاں تھی اور اب انھوں نے خراسان میں اس کی تیاریاں کر لی تھیں لیکن ہارون الرشید کو شبہ گذرا اور اس نے علی بن موسیٰ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا جس نے جاکر وہاں کی تمام اس فضا کو جو یحییٰ بن خالد بن برمک کی ہدایت کے موافق اس کے چھوٹے بیٹوں موسیٰ و محمد نے تیار کی تھی درہم برہم کرنا شروع کر دیا اور آل برمک ہی کی کوششوں سے کئی سال تک ہنگامہ آرائی برپا رہی۔ ہارون الرشید کو چونکہ پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا لہٰذا اس عرصہ میں اس کا شبہ یقین سے قریب ہو گیا اور اس سفر خراسان میں حق الیقین کے درجہ تک پہونچ گیا لہٰذا اس نے اب آل برمک کو زیادہ مہلت دینی مناسب نہ سمجھ کر ۱۸۷ھ کے ماہ محرم میں اس مجوسی خاندان کو تہس نہس کر ڈالا جو اس کی بغل میں رہ کر اور وزارت عظمیٰ پر فائز ہو کر اس کی بربادی اور خلافت عباسیہ کا تختہ الٹ دینے کی مکمل سازش کر چکے تھے اور اس سازش میں علوی ان کے شریک تھے چنانچہ یحییٰ بن عبداللہ کو جو عرصہ سے نظر بند تھے ان کو اسی زمانے میں برامکہ نے ہارون الرشید کی اجازت کے بغیر رہا اور آزاد کر دیا تھا۔ برامکہ کی یہ تیاریاں ابو مسلم کے خون کا بدلہ لینے اور ایرانی سلطنت قائم کرنے کیلئے تھیں انھوں نے ایک طرف علویوں اور خارجیوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا تو دوسری طرف علماء و فقہا و صوفیا کو بھی زر پاشی

سے اپنا ہوا خواہ بنا لیا تھا۔ اس عظیم الشان سازش کا مفصل حال میں اپنی کتاب تاریخ اسلام کی دوسری جلد میں لکھ چکا ہوں۔ ۱۸۹ھ میں امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد امام ابو حنیفہ نے رے کے متصل وفات پائی جبکہ وہ ہارون الرشید کے ہمراہ سفر میں تھے۔ برامکہ کی بربادی کے بعد حمزہ بن اترک خارجی اور اسی قسم کے دوسرے لوگ جو برامکہ کی جماعت کے آدمی تھے برسر پرخاش اور اپنی کوششوں میں مصروف اور لوٹ میں مشغول رہے۔ آخر یہ فتنہ بھی فرو ہو گیا۔ ۳ رجمادی الثانی ۱۹۳ھ کو بمقام طوس ہارون الرشید کا انتقال ہوا۔ اس وقت ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید مرو میں اور دوسرا بیٹا امین بغداد میں تھا۔ امین کی ماں ہاشمیہ تھی اور مامون کی ماں ایرانی نسل کی عورت تھی۔ لہٰذا ایرانی النسل سردار سب مامون کے طرفدار ہو گئے اور عربی النسل سرداروں نے امین کی حمایت پر کمر باندھی۔ دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی ہوئی امین مارا گیا مامون تخت خلافت پر قابض ہوا اور ایرانی لوگوں کے اقتدار نے ترقی پائی۔

علویوں کو پھر خروج کا موقع ملا

ایرانی صوبوں میں عرصہ دراز سے محبت اہل بیت اور محبت اولاد علیؓ کی تلقین و اشاعت مسلسل ہوتی رہی تھی لیکن اسلام کی حقیقی تعلیم و اشاعت کا کوئی خصوصی اہتمام ابتک نہیں ہونے پایا تھا لہٰذا مامون الرشید کے تخت نشین ہوتے ہی علویوں کے لئے پھر اپنی دعوت و تحریک کے کامیاب بنانے کی سہولت میسر آگئی چنانچہ ۱۹۹ھ میں محمد مہدی مذکور کے چچازاد بھائی اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ کے پوتے محمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ نے جو ابن طباطبا کے نام سے مشہور رہیں ابو السرایا نامی ایک باغی سے امداد و تقویت پا کر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن طباطبا کوفہ پر قابض و متصرف ہونے کے بعد جلد ہی ابو السرایا کی شرارت سے مسموم ہو کر فوت ہوئے اور ابو السرایا نے ایک نو عمر لڑکے محمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو ابن طباطبا کا قائم مقام بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور خود مدار المہام سلطنت بن کر بہت جلد بصرہ۔ کوفہ۔ واسط۔ مدائن وغیرہ پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور ہر جگہ علویوں کو عامل مقرر کیا۔ عباسیوں کی فوجوں کو بار بار شکستیں دیں اور دار الخلافہ بغداد کی فتح پر آمادہ ہوا۔ آخر بڑی ہنگامہ آرائیوں کے بعد حسن بن سہل اور ہرثمہ بن اعین نے ابو السرایا اور محمد بن جعفر کو گرفتار کیا اور محرم ۲۰۰ھ میں اس فتنہ کا خاتمہ ہوا۔ جن شہروں اور علاقوں پر علویوں کا قبضہ ہو گیا مثلاً مدائن۔ بصرہ کوفہ وغیرہ میں علویوں نے عباسیوں کے قتل کرنے جلانے اور انواع و اقسام کے مظالم توڑنے میں کمی نہیں کی اور اپنی چند روزہ حکومت میں عباسیوں اور ان کے

ہوا جو اہوں کو نہایت ہی شدید اور بہتناک ایذائیں پہونچا ئیں۔ عراق میں تو اس بغاوت و فتنہ کا خاتمہ ہو گیا لیکن حجاز و یمن میں بھی یہ آگ مشتعل ہو چکی تھی کیونکہ مامون الرشید کا ایرانیوں کی جانب مائل ہونا اور امین کا مارا جانا تمام عربوں کو بددل اور رنجیدہ کرچکا تھا۔ مامون الرشید ابھی تک مرو میں مقیم اور حسن بن سہل اور فضل بن سہل دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ یہ دونوں اس پر ایسے مستولی تھے کہ وہ ان کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ دونوں بھائی عربوں سے سخت متنفر مگر علویوں کے حامی مددگار اور ایرانیوں کے سرپرست تھے۔ انھوں نے مامون الرشید کے ایک نہایت وفادار اور بہادر سپہ سالار ہرثمہ بن اعین کو محض اس لئے قتل کرا دیا کہ وہ ایرانیوں کے اقتدار کو ناپسند کرتا تھا۔ مامون الرشید خود بھی علویوں کی جانب زیادہ مائل اور اُن کو محبوب رکھتا تھا۔ یہ بات اُس کے اندر اس کے اتالیق جعفر برمکی نے پیدا کر دی تھی۔ مامون الرشید کی ماں اسا جیس مذکورہ بھی تبوت کی بیٹی تھی لہذا مامون الرشید بچپن سے ایرانیوں کی طرف مائل اور ایرانیوں کی باتیں مان لینے اور ان کا اثر قبول کر لینے کی استعداد رکھتا تھا چنانچہ اُس نے سنہ ۲۰۰ھ میں ہر صوبہ سے علویوں کو مرو میں طلب کیا۔ جب تمام علوی مرو میں آگئے تو اُس نے ان میں سے علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؒ کو انتخاب کر کے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی ان کے ساتھ کر دی اور اُن کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنے بھائی موتمن کو ولیعہدی سے معزول کر دیا۔ ان خبروں نے مشہور ہو کر بغداد اور دوسرے شہروں میں بڑی ہلچل پیدا کر دی۔ چنانچہ یکم محرم سنہ ۲۰۲ھ کو اہل بغداد نے ابراہیم بن مہدی عباسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے تخت خلافت پر بٹھایا۔ ذیحجہ سنہ ۲۰۳ھ تک بغداد میں ابراہیم بن مہدی کی حکومت رہی پھر خانہ جنگی شروع ہوئی۔ ماہ صفر سنہ ۲۰۳ھ میں علی رضا فوت ہو گئے۔ مامون الرشید کو سخت ملال ہوا۔ ۱۵ صفر سنہ ۲۰۴ھ کو مامون الرشید بغداد پہونچا اور راستے میں فضل بن سہل کو قتل کرایا اور اپنے خیالات میں بہت سی تبدیلی پیدا کی۔

ایرانیوں اور علویوں کا خروج

صوبہ فارس کے شمال اور آذربائیجان کی سرحد کے قریب جاویدان نامی ایک مجوسی رہتا تھا اس نے ایک نیا مذہب جاری کیا تھا۔ اس مذہب میں قتل و خونریزی اور زنا کوئی جرم نہ تھا۔ جاویدان کے بعد اس کا مُرید بابک خرمی اس مذہب کا امام بنا۔ سنہ ۲۰۱ھ میں بابک خرمی نے شاہی فوجوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور آذربائیجان کے عاملوں کو اس کے مقابلہ میں کئی مرتبہ شکست حاصل ہوئی۔ سنہ ۲۰۹ھ میں بابک خرمی نے آذربائیجان کے گورنر

کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد مامون الرشید نے علی بن صدقہ المعروف بہ زریق ایک عربی النسل سردار کو آذربائیجان کی حکومت پر مامور کر کے بھیجا زریق نے آذربائیجان کے صوبہ پر تسلط حاصل کیا لیکن بابک خرمی کو کوئی سزا نہ دے سکا بلکہ اُس کی ہمسائگی کا اثر قبول کر کے ۲۱۱ھ میں علم بغاوت بلند کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ زریق کا یہ فتنہ تو آسانی سے فرو ہو گیا لیکن بابک خرمی پر شاہی فوجوں کو کوئی فتح حاصل نہ ہوئی بلکہ اُس کے مقابلہ میں شاہی سپہ سالار محمد بن حمید ۲۱۲ھ میں مارا گیا اسی سال کے آخر ایام میں نیشاپور کے علاقہ میں بغاوت نمودار ہوئی مگر جلد فرو ہو گئی۔ بابک خرمی پر اس کے بعد کوئی حملہ نہ کیا گیا۔ اور اُس کی حکومت کو استقلال حاصل ہوتا رہا۔ ۱۸ رجب ۲۱۸ھ کو مامون الرشید نے وفات پائی اور اُس کا بھائی معتصم باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے خراسان میں خفیہ دعوت کے ذریعہ بہت سے لوگوں سے بیعت لیکر خروج کیا خراسان کے گورنر عبداللہ بن طاہر نے مقابلہ میں صف آرائی کی نواح طالقان میں متعدد لڑائیوں کے بعد محمد بن قاسم فرار اور مقام نسا میں جا کر گرفتار ہوئے بغداد بھیجے گئے اور ۱۵ ربیع الاول ۲۱۹ھ کو بغداد پہونچکر مسرور الکبیر کے زیر نگرانی مقید ہوئے لیکن شب عید الفطر کو موقع پاکر وہ قید خانہ سے نکل بھاگے۔

عباسیوں کی ترک نوازی

ابتک شاہی لشکر میں ایرانی اور عربی دو ہی قومیں تھیں معتصم باللہ عباسی نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور بہت جلد ایک ترکی لشکر مرتب ہو گیا جو ایرانیوں اور خراسانیوں کے لشکر سے باعتبار تعداد بڑھ گیا عرب لوگ بتدریج فوج سے کم ہوتے ہے تھے ان کی تعداد ایرانیوں سے بھی کم تھی اس طرح فوج کے تین حصے ہو گئے ترک۔ ایرانی۔ عرب۔ معتصم باللہ کی تمام تر توجہ ترکی لشکر کی جانب مبذول تھی ترکی لشکر کا فوجی لباس (وردی) بھی نہایت شاندار تجویز کیا گیا تھا۔ اُن کے لیے بغداد سے نوّے میل کے فاصلے پر ایک چھاؤنی قائم کی گئی وہیں دارالسلطنت تعمیر اور جدید شہر آباد ہوا جو بعد میں سامرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ معتصم باللہ نے بغداد کی سکونت ترک کر کے سامرہ میں رہنا اختیار کیا۔ افشین حیدر نامی ایک ترک کو سپہ سالار اعظم بنایا۔ دربار خلافت میں انھیں ترکوں کا اثر غالب تھا۔ دارالسلطنت سامرہ میں ترک سرداروں نے بڑے بڑے مکانات تعمیر کرائے۔ ۲۲۲ھ میں بابک خرمی گرفتار ہو کر سامرہ آیا اور قتل ہوا۔

بابک خرمی نے ۲۰ سال خود مختارانہ حکومت نواح آذربائیجان میں کی اس عرصہ میں اُس نے ایک لاکھ پچپن ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ سات ہزار چھ سو مسلمان مرد عورت اُس کی قید سے چھڑائے گئے ترک سپہ سالار افشین حیدر نے مازیار بن قارن رئیس طبرستان سے خط و کتابت شروع کی اور لکھا کہ دین زرتشتی کے ناصر و مددگار آپ اور میں ہم دو ہی شخص رہ گئے ہیں تم علم بغاوت بلند کردو یہ لوگ مجھ ہی کو مقابلہ کے لئے بھیجیں گے میں تمام لشکر لے کر تم سے مل جاؤں گا پھر ہم دونوں ان کا مقابلہ بہ آسانی کرسکیں گے۔ یہ خطوط پکڑے گئے مازیار باغی ہو کر گرفتار ہوا افشین حیدر کو دارالخلافہ ہی میں قید کرلیا گیا اور دونوں ۲۲۶ھ میں کیفر کردار کو پہونچے۔ ۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو معتصم باللہ عباسی نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا واثق باللہ عباسی تخت نشین ہوا اُس نے تخت نشین ہو کر اشناس نامی ترکی غلام کو نائب السلطنت بنا کر تمام ممالک اسلامیہ کے سیاہ و سپید کا اختیار سپرد کردیا۔ ترکوں کی فوج جو معتصم باللہ نے قائم کی تھی بدستور موجود تھی۔ ابتک خلافت عباسیہ نے اگرچہ عربوں کو کمزور کرنے کی کوشش جاری رکھی تھی لیکن چونکہ خاندان خلافت خود عربی خاندان تھا اور ملک عرب گہوارۂ اسلام ہونے کے سبب سب کی نگاہوں میں حرمت و عزت رکھتا تھا لہذا عجمیوں کی طرف سے یہ خواہش کبھی ظاہر نہ ہوئی تھی کہ ہم عربوں کو ذلیل کرنے کا موقع پائیں۔ خلفاء نے بھی ابتک اس بات کا خیال رکھا تھا کہ حجاز و یمن وغیرہ کے خالص عربی صوبوں میں جب کبھی فوجوں کے مامور کرنے کی ضرورت پیش آئی تو عربی یا عراقی یا شامی سپاہی بھیجے جاتے عجمیوں کو عربی قبائل کی سرکوبی پر مامور نہیں کیا جاتا تھا اس خصوصی امتیاز و احتیاط کا یہ نتیجہ تھا کہ عربوں کا احترام لوگوں کے دلوں میں باقی تھا۔

ترکوں کے ہاتھوں عربوں کی تذلیل

خلیفہ واثق باللہ عباسی نے شعبان ۲۳۰ھ میں ترکی سپہ سالار بغا کبیر کو ترکی فوج دے کر قبیلۂ بنو سلیم کی سرکوبی کے لئے جو نواح مدینہ میں رہتا اور رہزنی کرنے لگا تھا روانہ کیا۔ اس ترکی لشکر نے مقام حرۂ کے آس پاس ارائیوں کے بعد بنو سلیم کو شکست دے کر ان کے ایک ہزار آدمی گرفتار کرکے اکثر کو قتل اور باقی کو مدینہ میں لاکر قید کردیا۔ چار مہینے تک یہ ترکی لشکر مدینہ میں قیام پذیر رہ کر طرح طرح سے عربی قبائل کو ذلیل و خوار اور خوفزدہ بناتا رہا۔ اس کے بعد بغا کبیر اپنا لشکر لے کر مکہ معظمہ پہونچا وہاں سے روانہ ہو کر بنو ہلال۔ بنو مرہ۔ فزارہ کو بنو سلیم کی طرح قتل و ذلیل و گرفتار کرتا ہوا مدینہ آیا پھر بنو غفار۔ بنو ثعلبہ۔ اور بنو اشجع کے سرداروں

کو طلب کر کے اُن سے وفاداری و اطاعت کے حلف لئے پھر بنو کلاب کے تین ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے دو ہزار کو رہا اور ایک ہزار کو قید کر دیا پھر یمامہ میں جا کر بنو نمیر کے پچاس آدمیوں کو قتل اور چالیس کو قید کیا۔ اس ظلم و زیادتی کو اہل یمامہ برداشت نہ کر سکے انھوں نے مقابلہ کی تیاری کی اور کئی لڑائیوں میں ڈیڑھ ہزار اہل یمامہ قتل ہوئے اسی حالت میں ایک اور ترک سردار کو خلیفہ نے تازہ دم ترکی فوج کے ساتھ بغا کبیر کی مدد کے لئے بھیجا اس فوج کے آنے پر بغا کبیر نے تمام ملک یمامہ میں قتل عام شروع کر دیا۔ اہل یمامہ وہاں سے بھاگے تو یمن تک اُن کا تعاقب کیا اور ہزارہا آدمیوں کو راستے میں تلوار کے گھاٹ اتارا۔ غرض یہ ترک سردار عربی قبائل کو خوب اچھی طرح ذلیل و پامال کر کے دو ہزار دو سو شرفائے عرب کو پابہ زنجیر ہمراہ لیکر دو برس کے بعد بغداد کی طرف روانہ ہوا جو قیدی مدینہ میں موجود تھے وہ ان کے علاوہ تھے ان کو بھی بغداد میں بلوا کر سب کو جیلخانہ میں ڈال دیا گیا۔ ۲۴ ذالحجہ ۲۳۲ھ کو واثق باللہ عباسی فوت ہوا۔

تبصرہ | مذکورہ بالا اجمالی تذکرہ میں صرف اُن حالات و واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے اس بات کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ حصول سلطنت کی کوشش میں مسلموں اور غیر مسلموں نے لوگوں کے مذہب کو آلۂ کار بنانے اور عقیدوں کے بگاڑنے میں ذرا تامل نہیں کیا اور طوفان بے تمیزی زیادہ تر انھیں علاقوں اور انھیں صوبوں میں برپا رہا جہاں مذہبی واقفیت ادھوری تھی یعنی نومسلموں کو دین اسلام کی مکمل تعلیم نہیں دی گئی تھی یا جہاں کے مسلمانوں کو خلیفہ کے طرز عمل سے شکایت پیدا ہو چکی تھی یا جو لوگ سب کچھ جانتے پہچانتے ہوئے اپنے جذبات نفسانی اور عصبیت خاندانی کے اثر سے مغلوب ہو کر تقاضائے اسلام کو فراموش کر چکے تھے۔

اس صدی کے پیدا شدہ فرقے | اس سو برس کے عرصہ میں جس کو دوسری صدی کہنا چاہئے مذکورہ فتنوں کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل فرقے پیدا ہوئے اور مذہبی فرقے کہلائے۔ پہلی صدی میں جو فرقے پیدا ہو کر مذہبی فرقوں کی صورت اختیار کر چکے تھے ان میں سے بعض اپنی حالت پر قائم رہے بعض اپنی حالت تبدیل کر کے انھیں میں سے کسی میں شامل ہو گئے اور بعض بالکل فنا بھی ہو گئے۔

(۱) منصوریہ۔ یہ فرقہ ابو منصور عجلی کے نام سے موسوم ہو کر منصوریہ کہلایا اس فرقہ کا

عقیدہ ہے کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر ڈالے جو عقائد دینیہ میں ہمارے مخالف ہیں وہ جنتی ہے۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے خدا تعالےٰ کا پیغام پہونچانے میں غلطی کی ہے۔ اُن کے نزدیک لوگوں کے مال پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔ ان کے عقیدہ میں آنحضرت صلعم پر نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ قیامت تک رسول پیدا ہوتے رہیں گے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ۔ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت عثمان غنی رضؓ وغیرہ کو برا کہنا اچھا جانتے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول مانتے ہیں۔ ابو منصور عجلی پہلے امام جعفر صادق رحؒ کے پاس رہتا تھا پھر انھوں نے اُس کو اپنے پاس سے جدا کر دیا تو اُس نے امام باقر رحؒ کے بجائے امام جعفر صادق رحؒ کے اپنے آپ کو اُن کا جانشین قرار دیا اور وحی و امامت کا مدعی ہوا۔

(۲) مفضلیہ۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ علی مرتضیٰ کو خدائے تعالےٰ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ تھی۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسالت کبھی منقطع نہیں ہوتی اس فرقہ میں اکثر لوگ مدعی نبوت ہوئے ہیں۔

(۳) غرابیہ۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضؓ چونکہ آنحضرت سے صورت میں بہت مشابہ تھے جیسے ایک کوا دوسرے کوے سے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا جبرئیل کو دھوکہ لگا خدا نے تو اُن کو حضرت علی رضؓ کے پاس بھیجا تھا وہ آنحضرت صلعم کے پاس چلے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام کو یہ لوگ برا کہتے ہیں۔

(۴) ذمیہ۔ یہ لوگ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو برا کہتے تھے اُن کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی میں خدائے تعالےٰ نے حلول کیا تھا۔ آنحضرت صلعم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت علی رضؓ کی طرف دعوت دیں اور ان کے مددگار و معین رہیں لیکن انھوں نے بجائے حضرت علی رضؓ کے لوگوں کو خود اپنی طرف بلانا شروع کیا اور خود نبی بن گئے اور حضرت علی رضؓ کو اپنی بیٹی دیکر رضامند کر لیا لہٰذا حضرت علی رضؓ خاموش رہے استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

(۵) علبایہ۔ یہ لوگ علباء بن ذراع کی طرف منسوب ہیں اُن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضؓ خدا تھے اور آنحضرت صلعم نے حضرت علی رضؓ کی بیعت کی تھی اور حضرت علی رضؓ کے متبع اور مطیع تھے۔

(۶) اثنینیہ۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ دونوں یکساں طور پر نبوت میں شریک تھے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔

(۷) علیاویہ ۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ دراصل خدا تھے یعنی خدا نے ابی طالب کے یہاں انسانی قالب میں جنم لیا اور اپنے آپ کو بندہ ظاہر کیا۔ حضرت فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ بھی الگ وجود نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی خدا تھا جو ان چاروں میں حلول کئے ہوئے تھا۔ اُن میں سے بعض نے آنحضرت صلعم کو بھی انھیں چاروں میں شامل کرکے پانچوں کو ایک خدا مانا ہے۔

(۸) خطابیہ۔ محمد بن مقلاص المعروف بہ ابو خطاب لوگوں کو امام جعفر صادقؒ کی اطاعت کے لئے دعوت دیتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ علی مرتضیٰؓ خدائے اکبر اور جعفر صادقؒ خدائے اصغر ہیں۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ہر اُمّت کے لئے دو رسول ہوتے ہیں ایک ناطق دوسرا صامت۔ آنحضرت صلعم رسول ناطق ہیں اور حضرت علیؓ رسول صامت۔ امام جعفر صادقؒ بھی نبی ہیں اُن کے بعد نبوت کا انتقال خود ابو خطاب میں ہو گیا نیز یہ کہ حضرت علیؓ کی اولاد سب انبیاء میں داخل ہے۔ اِس گروہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اپنے ہم خیال لوگوں کی بھلائی کے لئے جھوٹی گواہی دینا جائز ہے۔ ابو خطاب نے کوفہ میں عباسیوں کے خلاف خروج کیا اور مقتول ہوا۔ اُس کی جماعت کئی شاخوں میں منقسم ہوگئی۔

(۹) معمریہ۔ خطابیہ کی ایک شاخ اور معمر بن خثیم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ فرقہ قیامت اور فنائے عالم کا قائل نہیں۔ شراب و زنا کو جائز اور لوگوں کے اموال غصب کر لینے کو مباح سمجھتا ہے یہ لوگ نماز کو غیر ضروری سمجھتے اور تناسخ کے قائل ہیں۔ معمر مذکور ابو خطاب مذکور کا مرید تھا۔

(۱۰) بزیغیہ۔ یہ فرقہ بزیغ بن یونس نامی ایک جولاہے کی طرف منسوب ہے جو ابو خطاب کے دوستوں میں شامل تھا یہ لوگ امام جعفر صادقؒ کو خدا مانتے مگر دوسرے اماموں کو خدا نہیں کہتے۔ ان کا خیال ہے کہ خدائے تعالیٰ نے امام جعفر صادقؒ میں حلول کیا تھا۔ یہ لوگ اپنی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم لوگ مرنے کے بعد عالم ملکوت میں پہونچا دیئے جاتے ہیں۔

(۱۱) راوندیہ۔ یہ فرقہ موضع راوند علاقہ اصفہان کی طرف منسوب ہے اس کا بانی حرب بن عبداللہ موضع راوند کا باشندہ اور ابو مسلم خراسانی کے نقباء میں سے تھا۔ ابو مسلم خراسانی نے خلافت بنو امیّہ کی بربادی سے فارغ ہوکر جب حرب بن عبداللہ کی جماعت کا قتل عام کیا تو اس جماعت کے بقیۃ السیف نے ابو جعفر منصور عباسی کو خدا کہنا شروع کیا اور دارالخلافہ میں آکر اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لڑ کر بہت سے مارے گئے یہ لوگ تناسخ کے بھی قائل تھے۔

اور حرب بن عبد اللہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی روح مانتے تھے۔ مزدکیوں اور بام مارگیوں کی بد اعمالیاں بھی اُن میں موجود تھیں۔

(۱۲) اسمٰعیلیہ۔ یہ فرقہ اسمٰعیل ابن امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب ہے ان کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادقؒ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسمٰعیل امام برحق تھے۔ اگرچہ اسمٰعیل اپنے باپ کے سامنے فوت ہو گئے تھے لیکن یہ لوگ ان کی موت کے قائل نہیں۔ جب مامون عباسی اور معتصم عباسی کے عہد حکومت میں بابک خرمی نے علم بغاوت بلند کیا اور اپنے ملحدانہ عقائد کی اشاعت کی تو اس گروہ کے اکثر آدمی بابک خرمی کی جماعت میں شامل ہو گئے بابک نے اپنی فوج کی وردی سُرخ رنگ کی تجویز کی تھی لہٰذا اسمٰعیلیہ کو اس سُرخ لباس کی رعایت سے محمرہ بھی کہتے ہیں۔ بعد میں یہ کئی شاخوں میں منقسم ہو گئے۔

(۱۳) مبارکیہ۔ محمد بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؒ کا ایک غلام تھا جس کا نام مبارک تھا اس نے محمد بن اسمٰعیل کی وفات کے بعد کوفہ میں جا کر کوفہ کے شیعوں کو مذہب اسمٰعیلیہ کی ترغیب دی اور اپنے متبعین کا نام مبارکیہ رکھا یہ لوگ امام محمد بن اسمٰعیل کو خاتم الائمہ مانتے اور انھیں کو مہدی منتظر کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ امام محمد بن اسمٰعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں اور قریب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔

(۱۴) تفویضیہ۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ خدائے تعالےٰ نے آنحضرت صلعم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیدا کر کے تمام دنیا کا اہتمام و انتظام انھیں کے سپرد کر دیا ان کے بعد اماموں کے سپرد ہے اور حضرت علیؓ بادلوں پر سوار سیر کرتے پھرتے ہیں۔ بادلوں کو دیکھ کر یہ لوگ سلام کرتے ہیں کہ اُن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ موجود ہوں گے۔

(۱۵) مقنعیہ۔ یہ فرقہ حکیم مقنع خراسانی کی طرف منسوب ہے مقنع نے نبوت اور پھر خدائی کا دعویٰ کیا اُس کا عقیدہ تھا کہ حضرت امام حسینؓ خدا تھے اور ان کے بعد اپنے آپ کو خدا کہتا تھا اُس نے خلیفہ مہدی عباسی کے عہد حکومت میں خروج کیا تھا اُس نے چاہ نخشب سے چاند کے طلوع ہونے کا تماشا اور اسی قسم کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی خدائی کا قائل بنایا تھا بعض عباسی بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔

(۱۶) عمامیہ۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کا اصل مقام تو آسمان ہے وہ موسم بہار میں بادلوں میں اُتر کر زمین کے گلزاروں اور باغوں کی سیر کرتا اور ساری دنیا میں سفر کرتا ہے۔ پھر واپس آسمان پر چلا جاتا ہے اور اس کے بادلوں میں اُتر آنے کے سبب سے درختوں میں پھول کھلتے اور پھل آتے ہیں۔

(۱۷) جارودیہ۔ یہ فرقہ ابوالجارود بن زیاد بن معاذ عبدی کی طرف منسوب ہے ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ سے امامت حضرت حسنؓ کو پہونچی اُن سے حضرت امام حسینؓ کو ان سے علی زین العابدین کو ان سے زید شہید۔ کو ان سے حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں پہونچی اور محمد مہدی بن عبداللہ جنہوں نے منصور عباسی کے زمانہ میں خروج کیا تھا امام برحق تھے۔ یہ لوگ محمد مہدی کے مقتول ہونے کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہی قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔

اسی قسم کے اور بھی بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے جن کا ذکر بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے پہلی صدی یعنی ۱۳۲ھ تک جو فرقے پیدا ہوئے تھے اُن میں اور ان میں جو ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک پیدا ہوئے کچھ زیادہ اور نمایاں فرق نہیں ہے پہلی صدی کی پیداوار علویوں اور عباسیوں دونوں کی مشترکہ کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس دوسری صدی کی پیداوار میں صرف علویوں کی کوششوں کو دخل تھا۔ منافق پہلے بھی بیکار نہ بیٹھے تھے اور اب تو علویوں میں خوب گھُل مِل چکے تھے۔ ان تمام فرقوں کی پیدائش کا سبب جو کوششیں تھیں وہ سب دنیوی اغراض۔ نسلی عصبیت۔ قومی امتیاز اور خواہشات نفسانی پر مبنی تھیں لیکن مذکورہ بالا صفحات میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ دین اسلام اور صراط مستقیم سے دور رکھنے اور قرآن مجید و سنت رسول کی طرف سے لوگوں کو غافل اور بے پروا کرنے کے لئے کیسی کیسی زبردست رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں اور ان رکاوٹوں کے پیدا کرنے میں کن کن لوگوں کی کوششوں کو دخل تھا۔ اب تک ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں آیا جو دین اسلام کی طرف متوجہ اور متبع کتاب و سنت تھے۔ لہٰذا ذیل میں ان کی حالت پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے جو اسی مذکورہ صدی یعنی ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک متعلق ہے۔

اس دوسری صدی کے اسلام اور مسلمانوں کی حالت

گزشتہ صدی میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اگرچہ دوسرے علوم اور قرآن مجید کے سوا دوسری کتابوں کے لکھنے اور پڑھنے کی طرف مسلمان متوجہ ہو چکے تھے لیکن آنحضرت صلعم کی حدیثوں کے متعلق ابھی تک یہی دستور چلا آتا تھا کہ تابعی اور تبع تابعی احادیث کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتے اور زبانی ہی اپنے شاگردوں کو یاد کراتے اور لوگوں کو سناتے تھے۔ اجتہادی مسائل میں علما کے فتوے مختلف ہو جاتے تھے۔ یہ اختلاف کبھی تو حدیثوں کے مطالب مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا کہ ایک عالم ایک حدیث کو اپنے فتوے کی بنیاد قرار دیتا اور دوسرا عالم دوسری حدیث کو اختیار کرتا۔ اس قسم کا اختلاف صحابہ کرام کے زمانہ سے موجود تھا اور اس کو مسلمانوں کے لئے رحمت بتایا گیا تھا مسلمان اس کو رحمت ہی سمجھتے بھی تھے۔ ایک دوسرے پر نہ معترض ہوتا نہ اس کو خاطی اور گنہگار سمجھتا تھا۔ کبھی یہ اختلاف کبھی ایک ہی حدیث سے دو قسم کے مطالب اخذ کر لینے میں واقع ہوتا تھا مثلاً ایک عالم نے اس حدیث سے ایک نتیجہ اخذ کیا اور دوسرے نے دوسرا نتیجہ نکالا اس طرح دو مختلف فتوے صادر ہوئے۔ یہ اختلاف بھی اسی پہلی قسم کا اختلاف اور مسلمانوں کے لئے رحمت تھا کبھی اختلاف کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ ایک عالم کو ایک حدیث پہونچی اس نے اس حدیث کے موافق فتویٰ دیا اور دوسرے عالم کو وہ حدیث نہیں پہونچی اس نے اپنے اجتہاد کی بنا پر فتویٰ صادر فرمایا۔ یہ اختلاف بھی مسلمانوں کے لئے رحمت اور راحت کا موجب تھا کیونکہ جو شخص حدیث کی غیر موجودگی میں اپنی رائے یا قیاس سے کوئی فتویٰ دیتا تھا وہ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیتا کہ اس مسئلہ کی نسبت اگر آنحضرت صلعم کی کوئی حدیث مل جائے تو پھر ہماری رائے اور قیاس کو ترک کر کے اس حدیث پر ہی عمل کرنا چاہئے۔ اپنی رائے۔ قیاس اور اجتہاد سے فتویٰ دیتے وقت مذکورہ شرط کا لگانا اس لئے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلعم کی یہ احادیث جو صحابہ کرام کے ذریعہ روایت ہو کر لوگوں کو پہونچی ہیں وہ ساری کی ساری ایک جگہ مجتمع نہیں ہیں بلکہ مختلف شہروں اور مختلف عالموں تک پہونچی ہیں اور دوسرے شہروں میں جانے اور دوسرے عالموں سے ملاقات کرنے میں حدیثوں سے واقفیت بڑھتی رہتی ہے۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ قاہرہ۔ کوفہ۔ بصرہ وغیرہ

صحابہ کرام کے بھی قیام گاہ رہے ہیں۔ اور ان مقامات میں ان کے شاگرد یعنی تابعی لوگ اور تابعین کے شاگرد یعنی تبع تابعین موجود تھے جن جن صحابیوں کے شاگرد جن جن شہروں میں زیادہ موجود تھے ان شہروں میں انھیں صحابیوں کی روایت کردہ احادیث لوگوں کو زیادہ یاد تھیں اور انھیں احادیث کا زیادہ چرچا تھا اور انھیں صحابیوں یا ان کے شاگردوں کے اجتہادی مسائل زیادہ مروج تھے اور انہیں پر قیاس کر کے نئے نئے اجتہاد بھی کئے جاتے تھے اور اس دوسری قسم کے تمام مسائل فروعی ہوتے تھے باوجود اس اختلاف کے کوئی تفریق اور کوئی گروہ بندی نہ تھی مدینہ والے مکہ والوں کو اور کوفہ والے بصرہ والوں کو کسی الگ مذہب کا متبع اور دوسرے فرقہ کا پیرو نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ لوگ اختلاف کے اس ناگزیر سبب سے واقف تھے۔ ایک کے ذریعہ دوسرا اپنی واقفیت کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ اور سب کا ایک ہی اسلام تھا جس کے عقائد نہایت صاف و سادہ اور جس کے اعمال نہایت آسان تھے۔ دماغ کو پریشان کرنے والی موشگافیاں اور پیچیدگیاں اعمال و عقائد میں مطلق نہ تھیں ان کا قبلہ توجہ قرآن مجید اور اس کے بعد احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ تھے۔ کتاب و سنت کے سوا وہ لوگ اسلام کے لئے اور کسی چیز کو ضروری و لازمی نہ سمجھتے تھے اور کتاب و سنت ہی کی روشنی میں جب ضرورت پیش آجاتی تھی تو اجتہاد و قیاس سے کام لیتے تھے جس کی انکو شریعت نے اجازت عطا کی تھی وہ آجکل کے ہزارہا الحاقی عقائد اور ہزارہا فقہی اصطلاحات سے قطعاً ناواقف اور بے خبر تھے۔ ان کا اسلام آجکل کے مروجہ اسلام کی طرح گورکھ دھندا نہیں تھا جس کے سمجھنے اور جس پر عمل کرنے میں کوئی مصیبت پیش نہیں آئی تھی۔ مذکورہ جدید فرقوں کو جو دنیا پرست لوگوں کی کوششوں اور حصول سلطنت کی خواہش رکھنے والوں کی تدبیروں سے زیادہ تر عراقی و ایرانی صوبوں میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔ وہ اسلام سے خارج اور گمراہ فرقے یقین کرتے اور جہانتک موقع ملتا کتاب و سنت سے اُن کی گمراہی کو ثابت کرتے تھے۔ اور چونکہ یہ تمام فرقے بطور آلات جنگ پیدا کئے جاتے اور پیدا ہوتے ہی جنگ و پیکار میں مصروف ہو جاتے تھے لہذا ان کی اصلاح عموماً تلوار کی دھار سے ہوتی رہتی تھی اور ان کے عقائد لڑائی سے پہلے پہلے راز کے طور پر مخفی ہوتے تھے لہذا ان کی تردید اور بحث و مباحثہ کا موقعہ بہت ہی کم مل سکتا تھا۔ سن ۱۲۰ھ سے ۱۴۳ھ تک ابن جریحؒ نے مکہ معظمہ میں۔ امام مالکؒ نے مدینہ منورہ

ہیں۔ اوزاعیؒ نے شام میں۔ ابن ابی عروبہؒ اور حماد بن سلمہؒ نے بصرہ میں معمرؒ نے یمن میں سفیان ثوریؒ نے کوفہ میں احادیث کی کتابیں لکھنی شروع کیں۔ ابن اسحاقؒ نے مغازی اور امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ میں فقہ کو مدون کیا اسی زمانہ میں منصور عباسی نے بغداد میں ایک محکمہ مختلف علوم وفنون کی تصنیف وتالیف کا قائم کیا اور دوسری زبانوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرانی شروع کیں۔ چنانچہ منصور عباسی کے کاتب عبداللہ ابن المقفع نے جو مجوسی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا تھا منصور ہی کی فرمائش سے ارسطو کے کئی رسالوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ فارسی کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ کلیلہ دمنہ کا بھی اسی نے سب سے پہلے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ ۱۴۴ھ میں عبداللہ ابن المقفع مقتول ہوا۔ محمد بن ابراھیم فزاری نے ایک ہندی کتاب کا جو علم ہیئت کے متعلق تھی منصور کے حکم سے عربی میں ترجمہ کیا جس کا نام السند ہند الکبیر رکھا گیا۔ موسیٰ بن موسیٰ فزاری نے بھی کئی کتابوں کا سنسکرت سے ترجمہ کیا۔ ابوموسیٰ جابر بن حیان حرانی نے اپنی مشہور کتاب اسرار الکیمیا اور علم طبیعیات پر کئی کتابیں لکھیں۔ ابوموسیٰ مذکور ۱۶۱ھ میں فوت ہوا۔

پہلی صدی کے پیدا شدہ فرقوں میں ایک فرقہ مختاریہ بھی تھا جو کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔ مختار نے جن خیالات وعقائد کی اشاعت کی تھی ان میں حلول کا عقیدہ بھی شامل تھا یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس طرح خدا تسلیم کیا گیا تھا کہ ان میں خدائے تعالےٰ نے خود حلول کیا ہے۔ پھر مختار نے اپنی نسبت بھی یہی دعویٰ کیا کہ مجھ میں خدائے تعالےٰ نے حلول کیا ہے۔ اس کی اس قسم کی بیہودہ باتوں کو اکثر لوگ مان چکے تھے۔ مختار کے بعد ان لوگوں میں سے اکثر نے توبہ کرلی لیکن انسان کے خدا بننے کا مسئلہ عام مجلسوں اور مجمعوں میں عموماً آہستہ آہستہ اور بعض اوقات مناظرانہ رنگ میں زیر بحث رہنے لگا۔ جو لوگ توبہ کرچکے تھے وہ بھی اپنی کی ہوئی غلطی کو خفیف اور معمولی غلطی ثابت کرنے کے لئے صفات باری تعالےٰ میں باریکیاں نکالتے اور لوگوں کے تمسخر سے بچنے کے لئے قسم قسم کی تاویلیں کرنے لگے۔ یونانی فلسفہ کی بعض کتابیں عہد بنوامیہ ہی میں ترجمہ ہونے لگیں تھیں لہٰذا جوہر وعرض وغیرہ کی فلسفی اصطلاحوں کو ذات باری تعالےٰ اور صفات باری تعالےٰ کے متعلق لوگوں نے استعمال کرنا شروع کیا۔ ان فلسفی اصطلاحوں کے استعمال اور بحث مباحثہ میں فلسفیانہ طرز استدلال نے بہت جلد مذہبی مجلسوں کو متاثر کرنا شروع کردیا اور سب سے پہلے صفات باری تعالےٰ کے متعلق گفتگوؤں نے طول

کھینچا۔ اس زمانہ کے علماء نے جو اکثر تبع تابعین میں سے تھے اس کو ایک خطرناک فتنہ محسوس کرکے اس کے دبانے کی کوشش کی لیکن یہ چیز جو قدرتی طور پر خود بخود پیدا ہوئی تھی کسی کے دبانے سے دب نہ سکی اور ایک گروہ جو بعد میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا ایسا پیدا ہو گیا جو کسی سیاسی ضرورت اور دنیوی مقصد کی بنا پر نہیں بلکہ فلسفہ کی اشاعت اور رمز اکرات علمیہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس گروہ کے سب سے پہلے مشہور رہنما عمرو بن عبید نے ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ علماء ربانی اس گروہ کو بدعتی گروہ کہتے اور ان کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے سے پرہیز کرتے اور دوسروں کو بھی ان کی باتیں سننے سے منع کرتے تھے لیکن جب عوام کو متاثر دیکھتے تو پھر صفات باری تعالےٰ کے متعلق مباحثہ کرنے پر آمادہ بھی ہو جاتے اور ان مباحثوں میں آیات قرآنی ہی سے استدلال کرتے تھے۔ یونانی، فارسی اور ہندی کتابوں کے ترجموں فلسفہ و منطق وغیرہ علوم کی اشاعت اور سیرت و مغازی وغیرہ مضامین پر کتابوں کی تصنیف نے علمائے اسلام کو اس طرف متوجہ کر دیا کہ وہ بھی احادیث نبوی کو کتابوں کی صورت میں جمع کریں اور حقوق و فرائض کے متعلق مسائل ترتیب دیکر کتابیں لکھیں۔ غرض خلافت عباسیہ کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ زور شور سے جاری ہو گیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، نحو، فلسفہ، ہیئت، طبیعات، سیر، تاریخ وغیرہ پر کتابیں تصنیف ہونے لگیں۔ معتزلہ نے جب فلسفی اصطلاحوں کو استعمال کرنا شروع کیا اور اس کے بعد بہت جلد جو فلسفۂ یونان اپنے اصولوں اور اصطلاحوں کو لے کر اسلام کے مقابلہ میں صف آرا ہوا تو علمائے اسلام نے فلسفہ کی اصطلاحات اور مسلمات ہی کے ذریعہ اسلام کی صداقت کو ثابت کیا اور خود دشمنوں ہی کے ہتھیاروں سے ان کو ذلیل و شکست خوردہ بنایا۔ فلسفہ و منطق کی اصطلاحات و مسلمات کے ذریعہ اسلام کی حقانیت و صداقت کے ثابت کرنے کا نام علم کلام ہوا۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مفہوم اور معانی کے معلوم و متعین کرنے کے لئے محاورات قریش اور لغت عرب کی طرف توجہ ضروری تھی چنانچہ لغت، مصطلحات عرب، صرف و نحو وغیرہ علوم مدون ہوئے۔ صحیح حدیثوں کو وضعی حدیثوں سے الگ کرنے کے لئے کچھ قاعدے اور اصول متعین کرنے ضروری تھے لہٰذا اصول حدیث اسماء الرجال وغیرہ فنون ترتیب دیئے گئے۔ سلطنت اسلامیہ یا یوں کہئے کہ عباسی خلافت کے حدود مشرق سے مغرب تک دنیا کے نہایت وسیع رقبہ پر پھیلے ہوئے تھے لہٰذا آمد و رفت کی سہولتیں

اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک جانے کی آسانیاں پیدا کرنے کے لئے راستوں اور سڑکوں کی حفاظت کے علاوہ حالات روئے زمین پر کتابیں لکھنے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ مسلمانوں نے جغرافیہ کی کتابیں اور سفرنامے لکھنے شروع کر دیئے۔ غرض اس صدی میں مسلمانوں نے بہت سے علوم و فنون ایجاد و مدوّن کئے اور اپنی تصنیف و تالیف سے کتابوں کے انبار لگا دیئے مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے لوگوں میں تعلقات پیدا ہونے سے نئے تمدّن اور نئی معاشرت نے پیدا ہو کر نئی ضرورتیں پیدا کیں، اور نئے نئے خیالات نے بلند پروازیاں اختیار کیں ان تمام حالات اور تمام تغیرات میں اسلام کی عظمت اور رہنمائی کے لئے قرآن و سُنّت کے مرتبہ کی رفعت اور بھی زیادہ پایہ ثبوت کو پہونچی رہی۔ ساتھ ہی ساتھ مذکورہ بالا فرقوں اور گروہوں کو جو محض ذاتی اغراض اور دنیوی ضرورتوں کی بنا پر جاہل نو مسلموں، مجوسیوں اور ہنگامہ پسند لوگوں کو معمول بنا کر پیدا کئے گئے تھے موقع ملا کہ وہ اس دماغی نشو ونما اور فلسفہ و منطق وغیرہ کی اشاعت سے فائدہ اٹھا کر اپنے کفریہ و شرکیہ و بدعیہ عقائد کو جس طرح ممکن ہو کوئی نہ کوئی معقولی جامہ پہنا دیں اور جو لباس و حشیوں، گنواروں اور جاہلوں کے لئے تیار کیا گیا تھا اس کو وہ گنوار لوگ معمولی تہذیب و علم حاصل کرنے کے بعد بھی استعمال کر سکیں اور فریب خوردگی سے باہر نہ آسکیں چونکہ دنیا کبھی بھی جاہلوں اور احمقوں سے خالی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ خالی ہو سکے گی لہٰذا کثیر التعداد علوم و فنون اور ہزار ہا مہتم بالشان تصانیف کی اشاعت کے زمانہ میں بھی مذکورہ فرقے باقی بھی رہے اور پیدا بھی ہوتے رہے۔ علمی اور مذہبی طبقوں میں اعتزال کا چرچا ہو چکا تھا لہٰذا اکثر مذکورہ شیعی فرقوں نے اعتزال سے امداد حاصل کی اور اسی زمانہ میں نہایت چالاکی سے نام نہاد محبان اہل بیت نے بعض ان گروہوں کو جو نہایت نیک نیتی سے بعض مسائل یا بعض عقائد میں دوسروں سے اختلاف رکھتے تھے خارجی مشہور کیا حالانکہ خارجی حقیقتاً سبائی لوگ تھے اور ان کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ اسلام دشمنی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے لیکن اس دوسری صدی میں لفظ خارجی کا مفہوم تبدیل ہو کر یہ لفظ اسلامی فرقوں پر بولا جانے لگا۔

مکّہ و مدینہ اور ملک حجاز میں حدیثوں کے جاننے والے زیادہ اور صحابہ کرام عموماً اسی ملک کے باشندے اور اسی ملک میں زیادہ تر رہے لہٰذا اہل حجاز کو اجتہاد اور رائے

قیاس کی ضرورت بہت ہی کم پیش آئی بخلاف اس کے کوفہ و بغداد اور ملک عراق کے باشندوں کو اجتہاد اور رائے وقیاس سے زیادہ کام لینا پڑا کیونکہ وہاں حدیثوں کی تعداد کم تھی اور صحابہ کرام کی نہایت قلیل تعداد کو اس ملک میں قیام کا اتفاق ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل حجاز کو اہل حدیث اور اہل روایت کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور اہل عراق کو مجتہد اور اصحاب رائے کے نام سے پکارا گیا۔ اہل حدیث اور اصحاب الروایت میں امام مالکؒ اور ان کے احباب شامل سمجھے گئے۔ مجتہد اور اہل الرائے میں امام ابوحنیفہ اور اُن کے احباب شمار ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ۱۵۰ھ میں بمقام بغداد وفات پائی اُن کے شاگردوں میں امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسن بہت زیادہ مشہور اور دونوں صاحبین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ صاحبین نے اپنے اُستاد یعنی حضرت امام ابوحنیفہ کے اجتہادی فتووں اور اُن کی رائے وقیاس سے قریباً دو ثلث مسائل میں اختلاف اور صرف ایک ثلث کو تسلیم کیا ہے لیکن اس سے امام ابوحنیفہؒ کے مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اس لئے کہ مجتہد کبھی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے اور کبھی صحیح طریقہ اختیار کرتا ہے اور اس کو اسکی نیت کے نیک ہونے کی وجہ سے غلطی پر بھی اجر ملتا ہے حضرت سفیان ثوریؒ نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی ۱۶۰ھ میں حضرت داؤد طائیؒ نے جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے وفات پائی۔ ۱۷۰ھ میں ابو عبدالرحمن خلیل بن احمد ازدی علم نحو و لغت کا امام اور واضع علم عروض فوت ہوا۔ امام مالک بن انس بن مالک نے ۱۷۹ھ میں بمقام مدینہ منورہ وفات پائی اور حدیث کی مشہور کتاب موطا جس کی ترتیب و تہذیب میں ساری عمر مصروف رہے اپنی یادگار چھوڑی ۱۷۳ھ میں ہارون الرشید مدینہ منورہ گیا اور امام مالکؒ سے موطا کو سُنا اور تین ہزار اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اور استدعا کی کہ آپ میرے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیے جس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے مسلمانوں کو قرآن مجید پر جمع کیا ہے اسی طرح میں اس کتاب موطا پر تمام مسلمانوں کو جمع کروں گا۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ آپ کا یہ خیال سراسر غلط ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اصحابؓ کرام جابجا ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے تھے لہذا ہر ملک اور شہر کے آدمی اپنے پاس علم رکھتے ہیں اور

آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ اختلاف اُمتی رحمتہٗ بنا بریں آپ اپنے ارادہ سے باز رہیں۔ چنانچہ حضرت امام مالکؒ مدینہ سے باہر نہیں گئے اور ہارون الرشید بھی اپنے ارادہ سے باز رہا۔ ۱۹۵ھ میں امام شافعیؒ شاگرد امام مالکؒ بغداد گئے اور صرف ایک مہینہ قیام کرنے کے بعد مصر چلے گئے اور وہیں مقیم رہ کر ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت امام احمد حنبلؒ شاگرد حضرت امام شافعیؒ ۲۳۳ھ میں زندہ موجود تھے۔ آپ نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ میں یوسف بن یعقوب بن ابراہیم بن حبیب یعنی امام ابو یوسف شاگرد امام ابوحنیفہؒ کے بیٹے کو بغداد کا قاضی مقرر کیا اور اُس کے چند سال بعد ۱۸۰ھ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ ایجاد کر کے اُس پر امام ابو یوسف ممدوح کو جو پہلے بصرہ کے قاضی رہ چکے تھے مامور کیا۔ امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ بنائے گئے۔ مسلمانوں میں معتزلہ کا ایک اندرونی فرقہ بعض عقیدوں کے اختلاف کی بنا پر پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ جس وجہ سے یہ اختلاف عقائد واقع ہوا اُس کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ اب اس اختلاف نے وسعت اور قوت پکڑنی شروع کی۔ صفات باری تعالےٰ پر تفصیلی تقریریں ہونے لگیں۔ حدوث و قدم کی بحثیں شروع ہو گئیں۔ کلام الٰہی کے متعلق کلام نفسی اور کلام لفظی کے مناظرے شروع ہوئے۔ جبر و اختیار۔ صفات سلبی و صفات ثبوتی۔ دیدار الٰہی۔ ملائکہ۔ شفاعت جنت و دوزخ۔ عرش و کرسی۔ معجزات عصمت انبیاء۔ وحی و نبوّت معراج۔ کلام الٰہی مخلوق ہے یا غیر مخلوق وغیرہ صدہا مسائل زیر بحث آ گئے اور ہر ایک کے ثابت اور رد کرنے کے لئے علم کلام۔ فلسفہ اور منطق کی ہزارہا اصطلاحیں علماء کی زبان پر جاری رہنے لگیں جن کے استعمال کرنے کی صحابہ کرام اور تابعینؒ کو مطلق ضرورت پیش نہ آئی تھی پہلے عالم بننے کے لئے احادیث نبوی کا یاد کرنا اور راویوں کے نام یاد رکھنا ضروری تھا اب عالم بننے اور عالم کہلانے کے لئے ان ہزارہا جدید اصطلاحوں کا یاد کرنا اور مذکورہ مسائل پر گفتگو کرنے کی قابلیت بہم پہنچانا ضروری ہو گیا جس قدر ان غیر شرعی چیزوں میں توجہ زیادہ صرف ہونے لگی اسی قدر قرآن و حدیث کے یاد کرنے فکر و تدبر کے کام میں لانے اور اخلاق و روحانیت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع کم ہوتا گیا۔ ہارون الرشید نے جب

قاضی القضاۃ کا عہدہ قایم کر کے اُس پر شاگرد امام ابو حنیفہؒ کو مامور کیا اور اُن کو اختیار دیا کہ وہ تمام حدود خلافت عباسیہ کے شہروں میں اپنی تجویز اور اپنے اختیار سے قاضی مقرر کریں تو انہوں نے وہی لوگ قاضی مقرر کر کے تمام شہروں میں بھیجے جو ان کے اور ان کے اُستاد کے شاگرد اور حقوق و فرائض کے مسائل میں اُن کے ہم خیال اور فتوے میں ان کے موافق تھے یہ لوگ جب اُن شہروں میں عاملانہ حیثیت سے پہونچے جہاں دوسرے عالموں مثلاً امام مالکؒ یا سفیان ثوریؒ وغیرہ کے فتوے رائج تھے تو ان قاضیوں کے فیصلے وہاں کے لوگوں کو عجیب معلوم ہوئے اور اس طرح اعمال و عبادات اور حقوق و فرائض میں جو اختلافات تھے ان میں عصبیت اور گروہ بندی کی بنیادیں قایم ہونے لگیں۔ حقائق کے اختلاف کی وہ صورت تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ اب اعمال اور فقہی مسائل میں گروہ بندی اور عصبیت کے پیدا ہونے کی یہ صورت نکل آئی۔ اس سے پہلے یہ معمولی اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا اور لوگ اسلام کی رخصتوں اور آسانیوں سے بخوبی واقف تھے کہ اسی حالت میں ان قضاۃ کے ذریعہ ایک مخصوص مسلک رواج پانے اور یہ اختلاف بتدریج اہمیت حاصل کرنے لگا۔ چونکہ سلطنت عباسیہ میں آیندہ کئی نسلوں تک قاضی القضاۃ کا عہدہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں اور اسی خاص فقہی مسلک کے لئے مخصوص رہا لہٰذا فقہ حنفی کی اشاعت کے لئے ایک زبردست سامان مہیا ہو گیا اور آیندہ زمانہ میں حدود عباسیہ کے ملکوں اور علاقوں میں حنفی فقہ اور حنفی فتوے کے رواج کا باعث ہوا۔ لیکن اس زمانہ یعنی دوسری صدی اور اس کے بعد تیسری تک بھی کسی کے وہم و گمان میں یہ بات نہ تھی کہ آیندہ اس فقہی اختلاف کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے علماء کے نام سے چار فقہی مذہب الگ الگ قایم ہو کر انھیں چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک کی تقلید و پیروی کو واجب قرار دیا جائیگا۔

اختلاف عقائد کا سلسلہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے فلسفہ یونانی کی کتابوں کے ترجموں اور مسلمانوں میں علم کلام کی ایجاد سے شروع ہو چکا تھا۔ مامون الرشید عباسی نے سب سے زیادہ فلسفہ یونان کی کتابوں اور ارسطو کی تصانیف کے ترجمے کرانے اور بیت الحکمۃ یا دار الترجمہ کو وسعت دی۔ عیسائی، مجوسی اور یہودی علماء کثرت سے بغداد میں جمع ہو گئے اور

ترجمہ کے کلام میں مصروف ہوئے۔ دربار حکومت کی قدر دانیوں نے علمائے دین کو بھی ان علوم کی طرف متوجہ کر دیا۔ اگرچہ مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے کسی علم وفن کی ضرورت نہ تھی تاہم ان قدیم فلسفوں اور متفرق علوم کی طرف متوجہ ہو کر مسلمانوں نے سب کو اس طرح مرتب و مدون کر دیا کہ گویا نئے سرے سے ایجاد کیا۔ کامل آزادی سے کام لیا گیا اور مختلف قوموں کے فلسفوں اور حکمیہ علوم کو فلسفہ قرآن کے مقابلہ پر آنے کا موقع ملا۔ یہ صورت حالات دیکھ کر حضرات علمائے اسلام بھی مستعد ہو گئے اور انھوں نے ان تمام فلسفوں اور مخالف قرآن اصولوں کو غلط اور نادرست ثابت کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس طرح مذاہب و علوم کے ساتھ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہو کر اسلام کو جو علمی فتوحات حاصل ہوئیں وہ ان ملکی فتوحات سے بہت زیادہ وسیع ہیں جو عہد بنو امیہ میں حاصل ہوئی تھیں اور یہی علمی فتوحات ہیں جنھوں نے خلافت عباسیہ کے مرتبہ کو خلافت امویہ کا ہمسر بنا دیا ورنہ فتوحات علمی کے اعتبار سے عباسی خلافت اموی خلافت کی حریف و ہمسر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو امویوں کے فتح کئے ہوئے ملکوں کو سنبھال بھی نہ سکی۔ گروہ معتزلہ میں قاضی یحییٰ بن اکثم بڑے پایہ کے آدمی تھے اور مامون الرشید عباسی کے مصاحب اور وزیر اعظم کے مساوی اثر و اقتدار رکھتے تھے ان کی وجہ سے مسلمان علماء کے مذاکرات علمیہ میں صفات باری تعالیٰ پر اکثر بحث و نظر اور تقریر و تنقید ہوتی رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں قابل تذکرہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث نے یہاں تک طول کھینچا کہ خلیفہ مامون الرشید کے ہاتھوں بڑے بڑے جلیل القدر علماء کو مصائب برداشت کرنے پڑے۔ احمد بن ابی داؤد شاگرد قاضی یحییٰ اور دوسرے مصاحبین معتصم نے معتصم باللہ عباسی کو بھی اس غیر ضروری اور ناقابل التفات مسئلہ خلق قرآن کی طرف مامون الرشید کی طرح متوجہ رکھ کر بہت سے علمائے ربانی کو پریشان و مظلوم بنایا یہی حال واثق باللہ عباسی کا بھی رہا۔

عابد زاہد اور علائق دنیوی سے بے تعلق لوگ ہر زمانہ میں تھوڑے بہت موجود ہوتے ہیں اس زمانہ میں بھی یہ لوگ ہر شہر اور قصبہ میں موجود تھے عابد زاہد سے مدعا یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام زندگی کو عبادات اور گوشہ نشینی کے لئے وقف کر دیا تھا اور نہ یوں تو مسلمانوں کا

ہر ایک کام مثلاً تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، سپہ گری وغیرہ سب عبادات میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مذکورہ گوشہ نشین لوگوں کے زاویے، اور خانقاہیں بھی اس دوسری ہجری میں جاذب توجہ بن گئی تھیں۔ لیکن ان سب کی حیثیت انفرادی اور ہر گوشہ نشین زاہد کی ذات سے تعلق رکھتی تھی۔ اگرچہ بیعت ارشاد اور بیعت توبہ کا رواج شروع ہو چکا تھا لیکن خانوادے اور تصوف کے خاندان ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ یہ زمانہ بھی اسلام کے لئے بہت اچھا اور عروج و اقبال ہی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

باب سوم

سنہ ۵ھ تک کے نہایت مختصر اور سرسری حالات

دربار خلافت میں اعتقادی کشمکش

واثق باللہ عباسی کے بعد متوکل علی اللہ ۲۳۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ حضرت امام حسینؓ کے مزار پر لوگوں نے مکان تعمیر کر کے اُس کے قریب مسافر خانہ بھی بنوا دیا تھا اور اُس کی زیارت کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے متوکل علی اللہ عباسی نے امام حسینؓ کی قبر کو بُت اور بت خانہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے دیکھ کر اور ان عمارتوں کو شرعی اور سیاسی دونوں اعتبار سے مضرت رساں محسوس کر کے ۲۳۶ھ میں ایک گشتی حکم کے ذریعہ لوگوں کو زیارت کے لئے سفر کر کے جانے سے منع کیا اور قبر کے ارد گرد جو مکانات (غالباً بطور مہمان خانہ) بنے ہوئے تھے ان کو بھی مسمار کرا دیا۔ ۲۳۷ھ میں ارمینیا اور حمص میں عیسائیوں نے علم بغاوت بلند کیا اور دونوں جگہ کی بغاوت فرو کی گئی۔ اسی سال خلیفہ متوکل نے مصر کے حنفی قاضی القضاۃ کو موقوف کر کے اس کی جگہ شافعی قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اس زمانہ میں حنفی اور مالکی وغیرہ مذہب اس طرح مشخص و معین نہ ہوئے تھے جیسے کہ آج ہیں۔ مدعا یہ کہ امام ابو حنیفہ کے سلسلہ تلامذہ میں سے جو شخص قاضی مصر تھا اس کی جگہ اس شخص کو مامور کیا گیا جو امام شافعیؒ کے سلسلہ تلامذہ میں تھا اب تک مصر میں فقہ حنفی کا رواج ترقی کر رہا تھا لیکن ۲۳۷ھ سے مصر میں فقہ شافعیؒ کے رواج کو ترقی ہونے لگی۔ خلیفہ متوکل علی اللہ واثق و معتصم و مامون کے خلاف اہل الرائے کو ناپسند کرتا اور اہل حدیث سے زیادہ محبت رکھتا تھا۔ خلق قرآن اور رویت باری وغیرہ مسائل میں بھی وہ مذکورہ ہر سہ خلفاء کا مخالف اور اہل حدیث کا موید تھا۔ اب تک بغداد و کوفہ وغیرہ تمام عراق میں حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی کثرت اور انھیں کے فتووں کو ترجیح دی جاتی تھی خلفا بھی حنفی فتووں اور حنفی فقہ کو پسند کرتے تھے لیکن متوکل علی اللہ سب سے پہلا خلیفہ

تھا جس نے امام شافعیؒ کے فتووں کو حدیث نبوی سے زیادہ مطابق پا کر ترجیح دی اور علم حدیث کی اشاعت اور علمائے کی قدر دانی و اعانت میں پوری کوشش اور توجہ کے ساتھ مصروف ہوا۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ متوکل علی اللہ کو جس قدر حدیث کی اشاعت کا شوق اہل الرائے اور شیعہ و معتزلہ سے نفرت تھی اس کے ولی عہد بیٹے منتصر کو اسی قدر معتزلہ اور شیعوں سے محبت اور اہل الرائے کی حمایت منظور تھی۔ متوکل اس بات کے بھی درپے تھا کہ ترکوں کا زور توڑا جائے اور ان کی فوجی طاقت کو کم کیا جائے لہذا ترک سردار بھی متوکل سے خوش نہ تھے۔ متوکل کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولی عہد خلافت شیعوں کی جانب مائل ہے تو اس نے اپنے دوسرے بیٹے معتز کو بجائے منتصر کے ولی عہد بنانا چاہا۔ منتصر نے یہ سن کر ترک سرداروں سے سازش کی نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل تقریباً چودہ سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بیٹے کی تحریک اور ترک سرداروں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ منتصر نے باپ کے بعد تخت نشین ہوتے ہی علویوں اور شیعوں کے ساتھ رعائتیں کیں۔ امام حسینؓ کی قبر کو پھر زیارت گاہ بنایا اور منہدم مکانات تعمیر کرائے لیکن ترک سرداروں نے جو دربار خلافت پر چھائے ہوئے تھے چھ ہی مہینے کے اندر اس کو بھی باپ کے پاس پہونچا دیا اور مستعین باللہ ابن معتصم باللہ کو تخت نشین کیا۔ ترکوں کے اقتدار نے دیلم ترکی کی اور عربی و ایرانی دونوں طاقتیں ترکوں کے مقابلہ میں مغلوب اور بے حقیقت نظر آنے لگیں۔ خراسان پر مامون الرشید کے زمانے سے خاندان طاہر یہ حکمراں چلا آتا تھا اس نے بھی خود مختاری حاصل کی۔ رومیوں نے حملے شروع کر دیئے کئی مسلمان سپہ سالار شہید ہوئے بغداد کے مسلمانوں نے ترکوں کے خلاف ہتھیار سنبھالے ترکوں نے مقابلہ کیا اور دارالخلافہ میں کشت و خون ہوا۔

علویوں کا خروج خلافت عباسیہ کا اضمحلال اور صوبوں کی خود مختاری ان حالات کو دیکھ کر یحیٰ ابن عمر بن یحیٰ ابن حسین بن زید شہید نے کوفہ میں خروج کر کے علوی حکومت قائم کی لیکن ۱۵ رجب ۲۵۰ھ کو مقتول ہوئے۔ اس کے بعد ہی حسن بن زید بن محمد بن محمد اسمٰعیل بن حسن بن زید بن حسن سبط نے طبرستان میں خروج کیا۔ دیلم، رے اور ہمدان وغیرہ کے لوگوں نے ساتھ دیا۔ یحیٰ بن عمر طبرستان پر تو قابض نہ رہ سکا لیکن دیلم میں اس کی حکومت قائم رہی۔ مستعین نے ایک نصرانی کو وزیر بنایا۔ ترکوں نے سرکشی اختیار کی اور معتز کو سامرا میں تخت نشین

کیا۔ مستعین لبغداد میں اور معتز سامرہ میں بیک وقت دو خلیفہ موجود ہو گئے۔ صوبہ دار اور فوجی سردار بھی دو حصوں میں تقسیم ہو کر کچھ معتز کے اور کچھ مستعین کے ساتھ شامل ہوئے۔ اور خلافت عباسیہ کا رعب و وقار سب خاک میں مل گیا۔ موصل میں مساور بن عبداللہ نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ احمد بن طولون ایک ترک سردار نے مصر پر قابض ہو کر حکومت طولونیہ کی ابتداء کی۔ یعقوب بن لیث صفار نے سیستان پر قبضہ کر لیا۔ علوی اور خارجی دونوں گروہوں نے جابجا خروج و بغاوت کا سلسلہ جاری کیا۔ یعقوب بن لیث صفار نے بہت جلد فارس اور شیراز پر بھی قبضہ کر لیا جس سال میں خاندان طاہریہ کی پہلی ہی سے حکومت قائم تھی آخر صفاریہ اور طاہریہ حکومتوں میں سلسلہ جنگ جاری ہوا۔ اس افراتفری اور بد امنی کے زمانے میں علویوں نے اگرچہ جابجا خروج کیا لیکن ان کے معاونین نے بجائے اس کے کہ ان کو حکمران بناتے خود حکومتیں حاصل کرنا شروع کیں اور علویوں کو عموماً کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیا۔ خلیفہ مستعین کے بعد معتز اور معتز کے بعد مہتدی باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ بغداد و سامرہ میں ترکوں کا زور تھا وہ جلد جلد خلفاء کو قتل اور تخت نشین کر رہے تھے ۲۵۶ھ میں مہتدی بھی ترکوں کے ہاتھ سے قتل ہوا اس کی جگہ معتمد علی اللہ تخت نشین ہوا۔ اسی سال ابراہیم بن محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب نے مصر میں اور علی بن زید علوی نے کوفہ میں خروج کیا۔ مصر میں کئی لڑائیوں کے بعد ابن طولون نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ علی بن زید کو بھی اول کئی لڑائیوں میں کامیابی ہوئی لیکن بعد میں گرفتار ہو گیا۔ اس کے بعد اسی سال یعنی ۲۵۶ھ میں حسین بن زید علوی نے رے پر قبضہ کر لیا اس کے مقابلہ کو بغداد سے فوجیں بھیجی گئیں۔ چونکہ علوی لوگ جابجا خروج کر رہے تھے اور لوگ ان کے علوی ہونے کے سبب ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ لہٰذا بعض غیر علویوں نے بھی اپنے آپ کو علوی ظاہر کر کے قسمت آزمائی شروع کر دی۔

زنگیوں کا فتنہ صوبۂ بحرین میں ایک شخص علی بن ابان نامی نے اپنے آپ کو علوی ظاہر کر کے اعلان کیا کہ جو زنگی غلام ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے۔ اس کے جھنڈے کے نیچے بڑی کثرت سے زنگی غلام جمع ہو گئے۔ اس نے بصرہ پر قبضہ کیا دربار خلافت سے ان زنگیوں کے مقابلہ کو جو فوجیں بھیجی گئیں وہ بار بار شکست کھا کھا کر واپس آتی رہیں۔ عراق کے بڑے حصہ پر زنگیوں

کا قبضہ ہو گیا۔ اور ۲۷۰ھ تک زنگیوں نے بصرہ اور عراق کے بڑے حصّہ کو اپنی لوٹ مار سے خوب تباہ
اور برباد کیا۔ ۲۶۱ھ سے سمرقند و بخارا میں سامانیوں کی خودمختار حکومت کا سلسلہ جاری ہوا۔
۲۶۳ھ اور ۲۶۴ھ میں زنگیوں نے واسط پر اور احمد بن طولون والی مصر نے شام پر قبضہ کر لیا۔
زنگی غلاموں کی جمعیت کا پہلا سردار علی نامی ایک شخص تھا اس کے بعد بہبود نامی ایک شخص اس
زنگی جمعیت کا سردار ہوا۔ بہبود نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور زنگیوں نے اس کو نبی تسلیم کر لیا۔ اس
جدید مذہب میں مسلمانوں کا قتل کرنا۔ اہلِ بیت نبوی اور صحابۂ کرام کو گالیاں دینا ثواب کا کام تھا۔
ان لوگوں نے قریباً ایک کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ ان کا سردار بہبود عالم الغیب ہونے کا بھی مدعی
تھا۔ ان کی پیہم فتحمندیوں نے دلوں پر ہیبت طاری کر دی تھی ترکوں کے غرور اور بہادری کو بھی انہوں
نے خاک میں ملا دیا تھا۔ ربیع الثانی ۲۶۶ھ میں لشکر خلافت نے بمقام واسط زنگیوں کو پہلی مرتبہ شکست
دی بہبود کے بعد اس کا جانشین حبیب تھا۔ چار سال کی معرکہ آرائیوں کے بعد حبیب مارا گیا اور زنگیوں
کا زور ٹوٹا لیکن ان کے چھوٹے چھوٹے گروہ منتشر ہو کر ملک میں بدامنی پھیلاتے رہے۔ پھر دو حصّے ہو کر
آپس میں بھی لڑتے رہے لیکن بحرین اور عراق کے اکثر حصّے میں خلافت عباسیہ امن و امان قائم نہ کر سکی
اور زنگیوں کا بہ کلّی استیصال ممکن نہ ہوا۔

علویوں کا خروج اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل دیلم کی امداد سے طبرستان میں حسن بن زید علوی
کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ رجب ۲۷۰ھ میں حسن بن زید کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی محمد بن زید
طبرستان کا فرمانروا ہوا۔ ۲۷۷ھ میں دولت صفاریہ نے طبرستان سے محمد بن زید کو بیدخل
کیا۔ ۲۸۷ھ میں اسمٰعیل سامانی نے عمرو بن لیث صفار کو گرفتار کیا تو محمد بن زید نے پھر طبرستان پر
قبضہ کر لیا آخر سامانیوں کے مقابلہ میں محمد بن زید کا بھی خاتمہ ہوا۔ محمد بن حسن بن جعفر بن موسیٰ کاظم نے
مدینہ میں خروج کیا لیکن ان کے بھائی علی بن حسن نے بھائی کے خلاف خروج کیا دونوں بھائیوں
کی معرکہ آرائی نے مدینہ میں ہزارہا آدمیوں کو قتل کرایا حتیٰ کہ ۲۷۱ھ میں ایک مہینہ تک
مدینہ منورہ میں نماز جمعہ ادا نہیں ہو سکی یہی حالت مکہ معظمہ میں بھی رہی غرض خانہ جنگی کی آگ
نے مستقل ہو کر تمام عالم اسلام اور لوگوں کے امن و امان کو درہم برہم کر دیا۔

قرامطہ کا جدید مذہب اور بعض نئی حکومتوں کا قیام ۲۷۸ھ میں علاقہ کوفہ میں

خورستان کے ایک شخص حمدان عرف قرمط نے ایک نیا مذہب جاری کیا یہ ایک غالی شیعہ تھا اس کا عقیدہ تھا کہ اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؒ امام برحق تھے اُن کے بعد ان کے بیٹے محمد بن اسمٰعیل اور ان کے بعد عبید اللہ بن محمد امام تھے۔ اپنے آپ کو وہ عبید اللہ بن محمد کا نائب بتاتا تھا۔ محمد بن حنفیہ کو رسول کہتا تھا۔ دن رات میں صرف دو نمازیں طلوع وغروب آفتاب کے وقت دو دو رکعت مقرر کی تھیں۔ بجائے جمعہ کے دوشنبہ کا دن بابرکت سمجھتا اور اس دن کوئی کام نہ کرتا۔ سال بھر میں دو روزے فرض تھے۔ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال کہتا تھا۔ غسل جنابت کو غیر ضروری بتاتا۔ بعض حلال جانوروں کو حرام اور بعض حرام کو حلال بتاتا تھا۔ اُس نے ابتداءً زنگیوں کے سردار بہبوذ اور خبیب سے سازش کرنی چاہی اور کہا کہ آؤ ہم تم مل کر اس جدید مذہب کو رواج دیں لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ ان کی ہلاکت کے چند سال بعد ۲۷۸ھ میں اُس نے کوفہ میں اپنے خیالات کی علانیہ اشاعت شروع کی اور بہت سے لوگ اُس کے معتقد ہونے لگے۔ کوفہ کے عامل نے مطلع ہو کر قرمط کو گرفتار کر کے جیلخانہ میں بھیج دیا۔ اتفاقاً جیلخانہ کے محافظ کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر وہ جیلخانہ سے نکل بھاگا اُس کے معتقدین نے مشہور کیا کہ قرمط کو جیل خانہ نہیں روک سکتا۔ لوگ جوق درجوق آآ کر قرمط کے مرید ہونے لگے۔ اب سوچنے کی قابل بات یہ ہے کہ ایسے نامعقول عقائد اور بیہودہ افعال کو تسلیم و قبول کر لینے والے لوگ کہاں سے آ گئے تھے اور مسلمانوں میں ایسے احمقوں کی اتنی کثرت کیوں تھی۔ رجب ۲۷۹ھ میں خلیفہ معتمد عباسی کا انتقال ہوا اور معتضد باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ اسی زمانہ میں ایک مجوسی النسل شخص عبید اللہ بن عبید نے اپنے علوی اور فاطمی ہونے کا اعلان کر کے مہدویت کا دعویٰ کیا اور افریقیہ میں خروج کر کے حاکم قیروان کے خلاف جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ عبید اللہ بن عبید دراصل قرامطہ کی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے مغربی علاقہ میں اپنے لئے راستہ صاف کیا۔ قرامطہ مذکورہ کے ایک شاگرد یحییٰ نے قطیف علاقہ بحرین میں آ کر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور اس نواح کے تمام شیعہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے ۲۸۵ھ اور ۲۸۶ھ میں ابوسعید جنابی قرمطی نے قطیفہ میں آ کر لوگوں سے بیعت لی اور شکر ترتیب دیکر خروج کیا افواج شاہی نے شکست کھائی اور قرامطہ کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ بصرہ کے مسلمانوں کو قرامطہ نے آگ میں جلا جلا کر ہلاک کیا ۲۸۰ھ میں علویوں نے حکومت زیادیہ یمن کے ایک حصہ پر متصرف ہو کر زیدیہ حکومت قائم کی ۲۸۹ھ میں

ابوسعید قرمطی نے عراق کے اکثر حصہ پر قابض ہو کر شام پر حملہ کیا اور دمشق فتح کر کے وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ ربیع الثانی ۲۸۹ھ میں معتضد باللہ عباسی نے وفات پائی اس کی جگہ اس کا بیٹا مکتفی باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ اسمٰعیل سامانی نے خراسان و رے کے علاقہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ۲ محرم ۲۹۱ھ میں قرامطہ کو دمشق میں خلیفہ کی فوج نے شکست دی اور ان کا سردار گرفتار و مقتول ہوا۔ ۲۹۲ھ میں بنی حمدان کی خود مختار حکومت دیار بکر میں شروع ہوئی۔ ۲۹۵ھ میں مکتفی باللہ فوت اور مقتدر باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ ۲۹۶ھ میں دولت عبیدیہ کی ابتداء ہوئی اور عبید اللہ مذکور نے مہدی اور امیر المومنین کا لقب اختیار کر کے افریقہ میں دولت اغلبیہ کا خاتمہ کیا۔ ۳۰۱ھ میں حسن بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے جو اطروش کے نام سے مشہور ہے صوبہ طبرستان پر قبضہ کیا۔ اطروش مذہبًا زیدی شیعہ تھے۔ دیلمی لوگوں میں انھیں کے ذریعہ زیادہ تر اسلام کی اشاعت ہوئی تھی۔ ۳۰۴ھ میں والی خراسان نے حملہ کر کے اطروش کو قتل کیا۔

قرامطہ کے مظالم اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی

علاقہ بحرین پر قرامطہ کا عرصے سے قبضہ تھا۔ قرامطہ کے سردار ابو طاہر سلیمان بن ابی سعید جنابی نے ۳۱۱ھ میں بصرہ پر قبضہ کر کے وہاں کے عامل اور شرفاء کو قتل کیا اور اپنی طرف سے بصرہ میں عامل مقرر کر کے اپنے دار الصدر ہجر کو واپس چلا گیا۔ ۳۱۲ھ میں ابو طاہر قرمطی مذکور نے حاجیوں کے قافلوں کو عراق عرب میں بڑی بیدردی سے لوٹنا اور قتل کرنا شروع کیا پھر کوفہ پر حملہ آور ہو کر خوب لوٹا نوبت یہاں تک پہونچی کہ ۳۱۳ھ میں قرامطہ کے خوف سے کسی نے حج کا ارادہ نہیں کیا۔ خلیج فارس سے فلسطین تک اور بصرہ سے مکہ تک قرامطہ ہی کا عمل دخل تھا۔ سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ کی نسل میں ایک شخص محمد بن سلیمان نے جو زیدیہ شیعہ تھا مکہ میں اپنی حکومت قائم کی اور عبیدیہ مصر کا خطبہ جاری کیا۔ ۳۰۱ھ تک مکہ میں ان شیعوں کا عمل دخل رہا۔ ۳۱۵ھ میں قرامطہ کوفہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور اہواز پر قبضہ کر لیا۔ ۳۱۶ھ میں سوائے بغداد کے تمام ملک عراق پر قرامطہ کا قبضہ ہو گیا ۳۱۷ھ میں ابو طاہر قرمطی نے عین ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر کے حاجیوں کا قتل عام کیا یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے اندر بھی لوگوں کو قتل کرنے سے باز نہ رہا۔ چاہ زمزم کو مقتولین کی لاشوں سے پر کر دیا

سنگ اسود کو گرز مار کر توڑ ڈالا اور دیوار کعبہ سے جدا کر کے گیارہ روز تک یونہی پڑا رہنے دیا۔ پھر سنگ اسود کو اونٹ پر لاد کر اپنے ہمراہ اپنے دار السلطنت ہجر (علاقہ بحرین) کی طرف لے گیا۔ مسلمانوں نے سنگ اسود کے عوض پچاس ہزار دینار دینا چاہے لیکن وہ نہ مانا اور حجر اسود کو ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد ۳۳۹ھ میں بعہد خلافت مطیع للہ سنگ اسود ہجر سے مکہ لا کر پھر خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ قریباً بیس اکیس سال تک سنگ اسود خانہ کعبہ سے جدا رہا۔ ۳۲۰ھ کو مقتدر باللہ عباسی اپنے سرداروں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کی جگہ قاہر باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔

دیلمیوں کا اقتدار اور خلفائے عباسیہ کی بے دست پائی

اوپر اطروش کا ذکر آچکا ہے اس کے بعد طبرستان و دیلم وغیرہ علاقوں میں کئی چھوٹے چھوٹے سردار آپس میں لڑتے رہے آخر ۳۱۶ھ کے قریب مرداویج نامی ایک مجوسی النسل سردار اپنی زبردست ریاست و حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی فوج میں دیلم کے رہنے والے ابو شجاع بویہ ماہی گیر کے بیٹے علی حسن اور احمد بھی نوکر تھے۔ انھوں نے جلد جلد ترقی کی اور امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچے ۳۲۲ھ میں قاہر باللہ معزول ہوا اس کی جگہ راضی باللہ تخت نشین ہوا۔ ۳۲۳ھ میں مرداویج جو اپنے آپ کو کسرائے فارس سمجھتا اور مجوسی شہنشاہی قائم کرنے کی فکر میں تھا مقتول ہوا۔ راضی باللہ نے علی بن بویہ مذکور کو عماد الدولہ کا خطاب دیکر صوبہ فارس کی سند حکومت عطا کی۔ اس کے بھائی حسن کو رکن الدولہ اور احمد کو معز الدولہ کا خطاب دیکر اصفہان واہواز کی حکومتیں عطا کیں۔ یہی دیلمی خاندان بالآخر خلیفہ کو شاہ شطرنج بنا کر خود امیر الامراء کے نام سے مدار المہام خلافت بن گیا۔ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو راضی باللہ فوت اور متقی للہ تخت نشین ہوا۔ معتصم باللہ کے زمانہ سے اب تک بغداد میں ترکوں کا بڑا زور تھا اور وہی دربار خلافت پر چھائے ہوئے تھے متقی للہ کے زمانہ سے دیلمیوں کا ایک نیا گروہ ترقی کرنے لگا۔ ۳۳۰ھ میں ترکوں اور دیلمیوں میں معرکہ آرائی ہوئی جس میں دیلمیوں کو کامیابی اور ترکوں کو شکست ہوئی۔ ۳۳۳ھ میں خلیفہ متقی کو معزول کر کے اندھا کیا گیا۔ اس کی جگہ مستکفی باللہ تخت نشین ہوا اور اس نے معز الدولہ دیلمی کو امیر الامراء بنایا۔ معز الدولہ نے بغداد میں اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے اور خلیفہ کو ایک قیدی کی حیثیت میں محبوس و بیکار بنا کر بٹھا دیا۔

جمادی الآخر ۳۳۴ھ میں معز الدولہ نے خلیفہ مستکفی باللہ عباسی کو سر دربار گرفتار کرا کر اندھا کیا۔

بغداد میں شیعوں کی حکومت

معز الدولہ اور اس کے بھائی سب شیعہ تھے اس لئے معز الدولہ نے مستکفی کو اندھا کرنے کے بعد چاہا کہ کسی علوی فاطمی کو تخت خلافت پر بٹھائے لیکن اُس کے بعض مشیروں اور مصاحبوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی جو عظمت و عزت اپنی قوم اور شیعوں میں اب ہے وہ ہرگز باقی نہ رہے گی بلکہ پھر سب لوگ اس خلیفہ ہی کی اطاعت کریں گے اور آپ کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ لیکن عباسی خلیفہ ہوگا تو آپ کو سب اسی طرح شیعت کا سرپرست اور اپنا سردار سمجھتے رہیں گے۔ معز الدولہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور مطیع للہ عباسی کو تخت نشین کیا اور سو دینار روزانہ اُس کی تنخواہ مقرر کر کے خود سیاہ و سپید کا مالک رہا۔ ۳۴۱ھ میں شہر بغداد کے اندر شیعوں کے ایک خاص فرقہ نے اپنے عقائد کی علانیہ تبلیغ کی جو تناسخ کا قائل تھا ان میں ایک شخص نے دعوی کیا کہ مجھ میں حضرت علیؓ کی روح ہے اُس کی بیوی نے کہا کہ مجھ میں حضرت فاطمہؓ کی روح ہے۔ ایک اور شخص نے کہا کہ مجھ میں جبرئیلؑ کی روح ہے لوگ اُن کا بھی ادب کرنے لگے کہ اپنے آپ کو اہل بیت سے نسبت دیتے ہیں۔ معز الدولہ نے کوئی تعرض نہ کیا۔ ۳۵۱ھ میں بغداد کے اندر شیعوں کا اقتدار زور ہو گیا کہ معز الدولہ دیلمی نے جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر ایک عبارت لکھوائی جس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ پر لعنت کی گئی تھی (نعوذ باللہ)۔ معز الدولہ نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵۱ھ کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا اور اس عید کا نام "عید خم غدیر" تجویز کیا۔ خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں یہ تاریخ اس عید کے لئے مقرر کرنے میں یہ مصلحت بھی مد نظر تھی کہ اسی روز حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ عید غدیر کی اس ایجاد نے شیعوں میں خوب رواج پایا اور آجتک بھی اس کا رواج موجود ہے۔

عشرہ محرم اور رسم تعزیہ کی ابتداء

۳۵۲ھ کے شروع ہونے پر ابن بویہ معز الدولہ مذکور نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم کو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے غم میں تمام دوکانیں بند کر دی جائیں اور بیع و شرا بالکل موقوف رہے اور شہر و دیہات کے تمام آدمی ماتمی لباس پہنیں۔ علانیہ نوحہ کریں۔ عورتیں اپنے بال کھولے۔ چہروں کو سیاہ کئے اور کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے

سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی سینہ کوبی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں شیعوں نے بخوشی اس حکم کی تعمیل کی مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے اور اس لئے کہ شیعوں کی حکومت تھی کچھ نہ کہہ سکے ۳۵۳ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا اور اہل سنت کو بھی خاص طور پر اس کی تعمیل کا حکم دیا گیا۔ اہل سنت اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ شیعوں اور سنیوں میں فساد اور بہت بڑا کشت وخون ہوا اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو بجالانا ضروری سمجھا اور آجتک اس پر عامل ہیں۔ ہندوستان کے اہل سنت والجماعت کہلانے والوں کی بے غیرتی قابل داد ہے کہ ہر سال تعزیے بناتے ہیں اور مطلق نہیں شرماتے ۳۵۶ھ میں معز الدولہ فوت ہوا اور فوت ہوتے وقت اپنے بیٹے عز الدولہ کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ گویا حکومت وسلطنت سب دیلمیوں کی ملکیت تھی خود ہی وہ اپنا ولیعہد مقرر کرتے تھے اور خلیفہ برائے نام شاہ شطرنج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ان دیلمیوں نے دربار خلافت اور خلیفہ عباسی پر مستولی ہو کر بعض صوبوں کی بغاوتوں کو بھی فرو کیا۔ اور کاروبار سلطنت کو رونق دی لیکن وہ سب انھیں کی ذاتی ترقی تھی۔ عباسی خلیفہ کی حیثیت دن بدن ذلیل اور بے حقیقت ہوتی جاتی تھی۔ خراسان۔ ایران فارس وغیرہ کے تمام علاقے دیلمیوں کے قبضہ میں تھے جن پر خلیفہ کا براہ راست کوئی اثر واقتدار اختیار مطلق نہ تھا۔

شام ومصر میں شیعہ حکومت

۳۵۷ھ میں دولت اخشیدیہ کا مصر میں خاتمہ ہوا اور یہ ملک عبیدیوں کے قبضے میں آیا۔ عباسی خلیفہ کا نام خطبوں سے خارج ہوا۔ ۳۵۹ھ میں مصر کے اندر جامع ازہر کی تعمیر ہوئی جو عبیدی حاکم نے بطور فری میسن لاج اس غرض سے تعمیر کرائی کہ ممالک شرقیہ میں شیعی دعوت کا مرکزی دفتر اور دعاۃ ونقبا کی تعلیم گاہ کا کام دے ۔ ۳۶۰ھ میں دمشق کے اندر بھی شیعہ حکومت قائم ہو گئی ۳۶۳ھ میں عز الدولہ نے مطیع للہ کو معزول کر کے اس کے بیٹے طائع للہ کو تخت نشین کیا۔ خلیفہ مطیع للہ عباسی معزول ہونے کے بعد اپنے کپڑے اور برتن بیچ بیچ کر اپنی گذر کرنے لگا۔ اور محرم ۳۶۴ھ میں مر گیا۔

شیعوں کی حکومت کا عروج

افریقہ۔ مصر۔ شام۔ حجاز۔ یمن۔ بحرین۔ عراق ایران۔ فارس۔ خراسان وغیرہ میں شیعیت کا خوب زور شور ہو گیا۔ بغداد میں عز الدولہ

نے منادی کرادی کہ کوئی شخص نماز تراویح نہ پڑھے۔ ۳۶۷ھ میں عضد الدولہ دیلمی ہمدان کے سفر سے واپس آیا تو عباسی خلیفہ اس کے استقبال کو بغداد سے باہر نکلا اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ کسی عباسی خلیفہ نے اس طرح کسی کا استقبال کیا ہو۔ ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا صمصام الدولہ دیلمی نائب السلطنت بغداد ہوا۔ ۳۷۳ھ میں فرقہ باطنیہ اسمٰعیلیہ نے بغداد میں ایک سیاسی انجمن قائم کی جس کے ممبر اخوان الصفا کہلاتے تھے ۳۸۱ھ طائع للہ عباسی کو بھی معزول کر کے قید کر دیا گیا اور قادر باللہ عباسی کو دیلمیوں نے تخت پر بٹھایا۔ ۳۹۳ھ میں مصر کی شیعی سلطنت کے گورنر دمشق نے دمشق میں ایک سنی امیر کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا ایک منادی ساتھ ساتھ اعلان کرتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو حضرت ابو بکر و عمر سے محبت رکھے اس کے بعد اس سنی امیر کو شہید کر دیا گیا۔ ۳۹۵ھ میں حاکم عبیدی شاہ مصر نے مصر میں بہت سے علماء کو قتل کرایا اور مسجدوں کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرامؓ کو گالیاں لکھ کر لگائیں اور عمال کو حکم دیا کہ صحابہ کرامؓ کو علی رؤس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔

۳۹۶ھ میں حاکم عبیدی شاہ مصر نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے خواہ بازار ہو یا کوئی جلسہ ہو سننے والا ادب کے لئے کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کرے۔ محمد بن اسمٰعیل نوشتگین ایک درزی (خیاط) تھا اس نے ۴۰۷ھ میں ایک کتاب لکھی جس میں مصر کے فرمانروا حاکم عبیدی کو خدا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ کتاب جامع ازہر میں سنائی گئی تو عام لوگوں میں درزی مذکور کے خلاف ایک جوش پیدا ہوا اور شیعوں نے بھی اس کتاب کو ناپسند کیا یہاں تک کہ درزی مذکور کا مال واسباب لوٹ لیا گیا۔ حاکم عبیدی نے عوام کے جوش اور مخالفت کو مدنظر رکھتے ہوئے محمد بن اسمٰعیل درزی کو اپنے پاس خفیہ طور پر بلایا اور شام کے ملک میں اپنا داعی بنا کر بھیج دیا۔ اس نے ملک شام میں پہنچ کر حاکم عبیدی کی الوہیت کا عقیدہ پھیلانا شروع کیا۔ یہاں عراق سے آئے ہوئے شیعوں نے جو باطنی فرقہ کے سر دستہ تھے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور یہ لوگ درزی کی نسبت سے دروزی کہلانے لگے۔ یہ لوگ آج تک بھی شام کے ملک میں موجود ہیں۔ ۴۱۱ھ میں حاکم عبیدی فرمانروائے مصر اپنے دعوئ الوہیت کی وجہ سے قتل ہوا۔ اسی سال اس کا داعی محمد بن اسمٰعیل درزی بھی مارا جا چکا تھا اور حاکم عبیدی نے اس کی جگہ دوسرا داعی حمزہ بن علی بھیج دیا تھا۔

حمزہ نے دروزیوں کے عقیدہ میں بہت کچھ ترمیم کر دی مگر ان کا نام دروزی ہی رہا۔ سنہ ۴۱۸ھ میں جلال الدولہ دیلمی امیر الامراء (نائب السلطنت بغداد) نے حکم جاری کیا کہ نماز پنجوقتہ کے لئے مسجدوں میں اذان نہ دی جائے اور بجائے اذان کے نقارہ بجایا جائے۔ خلیفہ قادر باللہ نے اس بدعت کو سخت ناپسند کیا اور جلال الدولہ سے اس حکم کے منسوخ کرنے کی فرمائش کی۔ جلال الدولہ نے یہ حکم خلیفہ کے کہنے سے منسوخ تو کر دیا مگر خلیفہ سے ناراض ہو گیا۔ خلیفہ جلال الدولہ کی ناراضی سے ڈر ا اور چند روز کے بعد نقارہ بجنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ جلال الدولہ نے نقارہ بجنے کا حکم دوبارہ جاری کیا اور بجائے اذان نقارہ بجنے لگا۔ سنہ ۴۲۲ھ کو قادر باللہ عباسی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا قائم بامر اللہ تخت نشین ہوا۔ قادر باللہ کے تمام عہد خلافت میں بغداد کے اندر شیعہ سنیوں کے ہنگامے برپا رہے قائم بامر اللہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سنیوں پر شیعوں نے اور بھی زیادہ مظالم شروع کر دیئے اور سنیوں کی زندگی پہلے سے زیادہ تلخ ہو گئی۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود غزنوی نے وفات پائی اور سلجوقیوں نے ماوراء النہر اور خراسان میں اپنی حکومت قائم کی۔ مکہ معظمہ اور حجاز پر مصر کے عبیدیوں یعنی شیعوں کا قبضہ ہو چکا تھا اسی زمانہ میں اندلس کی خلافت کا بھی خاتمہ ہوا اور وہاں خاندان بنو امیہ کی زیر دست سلطنت پارہ پارہ ہو کر اندلس میں چھ سات چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتیں یا ریاستیں قائم ہو گئیں جو آپس میں دست و گریباں رہنے لگیں۔ سنہ ۴۲۹ھ میں جلال الدولہ دیلمی نے عباسی خلیفہ سے ملک الملوک کے خطاب کی فرمائش کی اور خلیفہ کو مجبوراً یہ خطاب دینا پڑا حالانکہ وہ اس خطاب کو مذہباً شرک اور برا جانتا تھا۔ بغداد کے شیعوں نے سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر چاہا کہ بغداد پر عبیدی شیعوں کا قبضہ کرا دیں۔ ادھر عبیدی شیعوں نے بحرین، بلوچستان، افغانستان، سندھ اور فارس وغیرہ صوبوں میں اپنے خفیہ ایجنٹ اور داعی پھیلا رکھے تھے اور تمام عالم اسلام میں شیعہ سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے۔

دیلمیوں کا زوال اور سلجوقیوں کا عروج اسی حالت میں طغرل بیگ سلجوقی نے جو متبع کتاب و سنت شخص تھا سنہ ۴۴۷ھ میں بغداد آ کر اور دیلمیوں کے اقتدار کو مٹا کر عباسی خلیفہ کو اپنی حمایت میں لیا۔ اور اس طرح شیعوں کے منصوبے سب خاک میں مل گئے اور ان کے عزائم ناقص و ناتمام رہ گئے۔ سنہ ۴۴۸ھ میں عراق کے اندر سلطنت سلاطین کی ابتداء ہوئی جو

کتاب وسنت کی متبع حکومت تھی۔ ولایت موصل دیلمی شیعوں نے آخر میں عبیدیوں کو سپرد کر دی تھی سنہ ۴۵۰ھ کو جبکہ سلطان طغرل سلجوقی ہمدان کی بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا شیعوں نے موصل سے فوجیں لا کر بغداد پر قبضہ کر لیا اور ۸ ذیقعد سنہ ۴۵۰ھ کو بغداد کی جامع مسجد میں مصر کے عبیدی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ مسجدوں میں شیعوں کی مخصوص اذانیں دی گئیں خلیفہ کے وزیر اعظم کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا گیا اور بغداد کے سنیوں پر انواع واقسام کی عقوبتیں روا رکھی گئیں۔ قائم بامر اللہ اور اس کی بیوی کو بغداد سے باہر کسی مقام میں قید کر دیا گیا اور قصر خلافت کو شیعوں نے خوب دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ یہ خبر سن کر سلطان طغرل بیگ سلجوقی بغداد کی جانب روانہ ہوا۔ ذیقعدہ سنہ ۴۵۱ھ کو بغداد پہنچا شیعہ بغداد سے بھاگ گئے۔ سلطان نے خلیفہ کو پھر بغداد میں لا کر تخت خلافت پر بٹھایا۔ سنہ ۴۵۵ھ کو سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے وفات پائی اور اس کا بھتیجہ سلطان الپ ارسلان چچا کا قائم مقام ہوا۔ دیلمیوں کے بعد عباسی خلیفہ کے سرپرست اور مدار المہام سلطنت سلجوقی ہو گئے۔ چونکہ سلجوقی خلیفہ عباسی سے کوئی مذہبی اختلاف نہیں رکھتے تھے اور خلیفہ کے دشمن نہ تھے لہٰذا اس تبدیلی سے خلیفہ کے اثر واقتدار میں ترقی ہوئی اور سلجوقیوں نے لوگوں پہ خلیفہ کے احکام کی تعمیل کو بھی ضروری قرار دیکر خود بھی عملی طور پر اپنے آپ کو خلیفہ کا فرمانبردار ثابت کیا۔ سلجوقیوں نے ترکستان وخراسان وفارس وعراق وآذربائیجان وشام وغیرہ کے تمام علاقے فتح کر کے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی لہٰذا مسلمانوں کو بہت راحت پہنچی کتاب وسنت کی پیروی آزادی سے ہونے لگی اور دیلمیوں کے زمانہ کی بہت سی خرابیاں دور ہو گئیں۔ سلاطین سلاجقہ امرائے دیالمہ سے بہت زیادہ طاقتور تھے سنہ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والی مکہ نے مصر کے عبیدی بادشاہ کا نام خطبہ سے نکال کر خلیفہ قائم بامر اللہ اور سلطان الپ ارسلان کا نام داخل کیا اور مکہ معظمہ میں شیعوں کی اذان بھی موقوف کر دی۔ اسی طرح حلب میں بھی خطبہ واذان تبدیل ہوئی۔ سلطان الپ ارسلان بڑا دیندار۔ پاک طینت اور بہادر سلطان تھا۔ اس نے سنہ ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی باپ کا قائم مقام ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست اور پابند شرع سلطان تھا۔ سنہ ۴۶۷ھ میں خلیفہ قائم بامر اللہ فوت اور مقتدی بامر اللہ خلیفہ ہوا۔ حسن بن صباح نے سیستان کے قلعہ الموت میں باطنی سلطنت کی بنیاد سنہ ۴۸۳ھ

میں قائم کی اسی سال عیسائیوں نے اندلس کا بڑا حصہ مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ ۴۸۴ھ میں جزیرہ صقلیہ (سسلی) مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۴۸۵ھ میں ملک شاہ سلجوقی نے وفات پائی اور ۴۸۷ھ میں خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے مستظہر باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ سلجوقی اگرچہ خلفائے عباسیہ کی سیادت کو تسلیم کرتے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی روا نہ رکھتے تھے لیکن اصل حکومت انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ ملک شاہ سلجوقی کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں لڑائی جھگڑے شروع ہوئے ان لڑائی جھگڑوں کے باوجود مسلمانوں میں کسی دوسرے کو حکومت حاصل کرنے اور سلجوقیوں سے حکومت چھین لینے کی جرات نہ ہوئی لیکن پانچویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے ہی پہلے یعنی ۴۹۰ھ سے ۵۰۰ھ تک پانچویں صدی کے آخری عشرہ میں ایک طرف تو قہستان و سیستان کے علاقہ میں باطنیوں یا فدائیوں کی ایک چھوٹی سی سلطنت جو آیندہ ڈیڑھ سو سال تک مسلمانوں کے لیے بڑی اذیت رساں ثابت ہوئی قائم ہو گئی۔ دوسری طرف یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف متحد و متفق ہو کر اور اندلس کی اسلامی حکومت کو کمزور و ناتواں بنا لینے کے بعد جرأت ہوئی کہ وہ ملک شام پر حملہ آوری شروع کریں یعنی اسی عشرہ میں صلیبی لڑائیوں اور عیسائیوں کی چڑھائیوں کا سلسلہ جاری ہوا جو آیندہ تین سو سال تک جاری رہا۔

تبصرہ | ڈھائی سو سال سے زیادہ مدت کے واقعات کی نسبت اس باب میں جو اشارات درج ہو چکے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

خاندان عباسیہ نے مجوسی النسل ایرانی سرداروں کو صلۂ خدمات کے طور پر عربی سرداروں کا ہمسر بنا کر نظام حکومت میں دو رقیب طاقتیں پیدا کر دی تھیں معتصم باللہ عباسی نے ترکوں کی ایک تیسری طاقت پیدا کی جس کا اثر ایرانیوں پر کم اور عربوں پر زیادہ پڑا اور بہت جلد عربوں کی اہمیت بالکل فنا ہو گئی ساتھ ہی نظام سلطنت بھی درہم برہم ہو گیا۔ ایرانیوں کے دیلمی خاندان نے قابو پا کر عباسی خلافت کو شیعہ حکومت میں تبدیل کیا۔ دیلمیوں کا دور دورہ سوا سو سال تک رہا اور اس عرصہ میں سنیوں کو انواع و اقسام کی ذلتیں اور اذیتیں سہنی پڑیں اس کے بعد ترکوں کے سلجوقی خاندان نے دیلمیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ خود چھین لی یہ سلجوقی سنی تھے لہذا ان کی حکومت میں سنیوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔

جب تک سلطنت عباسیہ کی مرکزی حیثیت قائم رہی اور خلفاء عباسیہ کی شوکت و طاقت اعلیٰ درجہ پر رہی علویوں کے خروج و بغاوت کا سلسلہ برابر جاری رہا جب ترکوں۔ دیلمیوں اور سلجوقیوں نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا اور افریقہ و مصر دیمن و بحرین و فارس و خراسان و ماوراء النہر و سندھ و قہستان و آذر بائیجان وغیرہ صوبے خود مختار ہو گئے اور شام و حلب پر بھی سیادت قائم نہ رہی تو علویوں کی سرگرمیاں بھی ختم ہوگئیں بنو امیہ کی بربادی میں علوی اور عباسی دونوں شریک تھے جن میں علوی زیادہ پیش پیش اور سرگرم نظر آتے تھے اور عباسیوں کی حیثیت ثانوی تھی لیکن عباسی بازی لے گئے اور علوی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے عباسیوں کے خلاف علویوں نے پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش اور عزم و ہمت کے ساتھ کام شروع کیا اور دو سو سال کی مسلسل کوششوں کے بعد عباسیوں کی سلطنت کو ادھ موا اور کمزور بنانے پائے تھے کہ دربار خلافت پر دیلمی قابض ہو گئے افریقہ و مصر میں عبید اللہ مجوسی الاصل نے عبیدی سلطنت قائم کی بحرین میں قرامطہ۔ ماوراء النہر اور خراسان میں سامانی۔ فارس و قہستان میں صفاری۔ اصفہان و طبرستان میں ایرانی اپنی اپنی حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یمن میں زیادیہ حکومت قائم ہوئی جس کو اموی حکومت کہنا چاہیئے۔ دیار بکر میں کردوں کی حکومت قائم ہوئی اور چند روز کے بعد مذکورہ زیادیہ سلطنت کے ایک حصہ کو الگ کر کے شیعوں نے اپنی زیدیہ حکومت قائم کی سندھ اور شام وغیرہ میں بھی ترکوں اور غیر علویوں نے اپنی ریاستیں قائم کیں اور علویوں کو اپنی کوئی مستقل حکومت قائم کرنے میں سراسر ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر میں حسن بن صباح نے قہستان و سیستان میں اپنی ریاست قائم کی وہ بھی علوی نہ تھا۔

عبد اللہ بن سبا نے مسلمانوں میں نسلی اور خاندانی رقابتوں کے جذبہ کو بیدار کر کے جو فساد برپا کیا تھا اس کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی ریاست و سلطنت کو خالص اسلامی اصول پر قائم ہونے کا موقع میسر نہ آسکا۔ اس ریاست و امارت کے لئے جو معرکہ آرائیاں ہوئیں انھوں نے اسلامی عقائد و اعمال و عبادات میں بھی انواع و اقسام کے فتنے برپا کئے اور سیکڑوں فرقے اس سلسلہ میں پیدا ہوتے رہے جن کی طرف اوپر جابجا اشارہ ہوتا رہا ہے۔ کوئی سمجھدار اور منصف مزاج شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا

کہ یہ جس قدر رفرقے اور فتنے پیدا ہوئے سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف سے غفلت اختیار کرنے کا نتیجہ تھے۔ مسلمانوں نے عام طور پر کسی وقت بھی قرآن مجید اور احادیث نبوی صلعم کی عظمت سے زبانی انکار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان دونوں اصلی چیزوں کو واجب العمل کہتے رہے لیکن عملی طور پر مسلمان کہلانے والوں کی بڑی تعداد کتاب وسنت سے غافل اور کتاب وسنت پر عامل ہونے سے انکار کرتی رہی بس دنیا میں چونکہ نتائج ہمیشہ اعمال پر مرتب ہوتے ہیں لہذا مسلمانوں کے عملی انکار نے جو انھوں نے کتاب وسنت کے خلاف کیا ان کے لئے وہ اذیت رساں نتائج پیدا کئے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اگر مسلمان دنیا کو دین پر مقدم نہ کرتے۔ اگر نسلی اور خاندانی عصبیت کو رضائے الٰہی کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہ دیتے۔ اگر سلطنت وحکومت کو کسی خاص شخص یا خاص خاندان کی ملکیت قرار نہ دیتے بلکہ اس کو ایک امانت اور تمام مسلمانوں کی مشترکہ چیز سمجھتے۔ اگر قرآن مجید اور سنت رسولؐ کو ہمیشہ اپنا مطمح نظر رکھتے۔ اگر جذبات نہ خواہشات نفسانی کے مغلوب اور اغوائے شیطانی سے متاثر نہ ہوتے تو ساری دنیا راحت واطمینان اور امن وامان سے بہریز ہو کر جنت کا نمونہ بن جاتی لیکن ایسا نہ کبھی پہلے ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ اس دنیا میں کفر واسلام اور نور وظلمت کی کشمکش قیامت تک جاری رہے گی۔ خوش قسمت وہی ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر دنیا وآخرت کی کامیابی ومقصدری حاصل کرتے ہیں اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو صراط مستقیم کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ سنہ ۵ ھ تک کے واقعات کی نسبت اوپر نہایت مجمل طور پر اشارات درج ہو چکے ہیں اب اسی مذکورہ زمانہ کے متعلق علمی سرگرمیوں اور مذہب وعقیدہ کی پیچیدگیوں کا بھی جن کو فتنوں کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مذہبی حالات پر ایک نظر جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے تیسری صدی کے شروع میں یونانی فلسفہ اور دوسرے علوم کی اشاعت کے سبب اسلامی عقائد زیر بحث آنے لگے تھے اور عقائد کے متعلق اجتہادی اختلاف نے بعض گروہ پیدا کر دیئے تھے اسی طرح اعمال وعبادات اور حقوق وفرائض کے متعلق بھی اختلافات نمایاں ہو چکے تھے۔ ان اندرونی اختلافات میں کوئی خطرہ اور اندیشہ اسلام کے لئے نہ تھا بلکہ اسلام نے فطرت انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے عین حق وحکمت کی بنا پر اپنے اندر ایسے اختلافات کی خود گنجائش رکھی ہے اور اسی اختلاف کو رحمت بتایا ہے لیکن یہ اختلافات رحمت اسی

رسول اللہ کو مطمح نظر رکھا جائے اور اسی کی روشنی میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا جائے جب مسلمان کتاب و سنّت کی روشنی سے جدا ہو جائیں گے اسی وقت صراطِ مستقیم سے جدا ہو کر ہلاکت کی راہوں پر آ جائیں گے۔ دربارِ خلافت اور خلفائے عہد کو دوسرے فلسفوں اور دوسرے علوم و فنون کی طرف زیادہ متوجہ دیکھ کر علمائے ربّانی میں سے بھی اکثر کی توجہ اسی طرف مبذول ہو گئی اور کتاب و سنّت کی پابندی مسلمانوں میں ڈھیلی اور کمزور پڑ گئی اسی کا یہ اثر ہوا کہ عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والے مسائل کے اعتبار سے بھی لوگوں میں گروہ بندی اور عصبیت پیدا ہو گئی اور اس گروہ بندی میں کتاب و سنّت کی اہمیت کو فراموش کر کے ہر شخص اپنے ہی اُستاد اور اپنے ہی گروہ کے فتوں کو ترجیح دینے لگا اور تمام تر ہمّت اس بات میں صرف ہونے لگی کہ کسی طرح ہمارے استاد اور ہمارے گروہ کا قول صحیح اور درست اور راجح ثابت ہو۔ وَنْت تک ہو سکتے ہیں جب تک کہ کتاب اللہ اور سُنّت

وَاِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (النور۔ رکوع ۶) | اور جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے اختلافات کا فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک فریق اس سے گریز کرتا ہے

اگر عصبیت اور گروہ بندی پیدا نہ ہوتی تو ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی کہ جو قول کتاب و سُنّت کے موافق ہو اسی کو صحیح تسلیم کیا جائے خواہ کسی کا قول ہو۔ اگر یہ آخری بات ہوتی تو ہرگز ہرگز فقہی مذاہب الگ الگ پیدا نہ ہوتے اور مسلمانوں کو صرف مسلمان کہلانے کے سوا حنفی۔ مالکی۔ شافعی وغیرہ نسبتوں کی ضرورت پیش نہ آتی لیکن پہلی بات یعنی گروہ بندی چونکہ موجود ہو گئی تھی لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ تیسری صدی کے خاتمہ اور چوتھی صدی کی ابتدا میں چاروں فقہی مذاہب الگ الگ متعین و متشخص ہو گئے اور پانچویں صدی ہجری کے خاتمہ پر خانہ کعبہ میں شافعی اور شیعہ مصلے الگ الگ قائم ہوئے۔ اس سے پہلے مکہ معظمہ میں مصر کی شیعہ حکومت کا اثر غالب تھا۔ جب مصر کی شیعہ سلطنت میں کمزوری نمایاں ہوئی اور خلیفہ بغداد کی سیادت بھی مکہ میں تسلیم کی جانے لگی تو شیعوں اور سنیوں کے الگ الگ مصلے مقرر ہوئے اس زمانہ کا عباسی خلیفہ چونکہ شافعی مذہب کا پیرو تھا لہٰذا سنّی مصلے کا نام شافعی مصلیٰ ہوا چھٹی صدی ہجری کے وسط میں مالکی حنفی حنبلی مصلّے بھی الگ الگ قائم ہوئے اور اسی کے قریب زمانہ میں یمن کے شیعہ خاندان زیدیہ نے بھی اپنا الگ مصلیٰ قائم کیا۔ ایک مصلیٰ کسی سلطان یا اس کے وزیر کے نام سے قائم تھا اس طرح خانہ کعبہ میں

سات مصلے قائم ہو گئے جن میں پانچ سنیوں کے اور دو شیعوں کے تھے۔ پانسو سال تک خانہ کعبہ میں کوئی خاص مصلیٰ نہ تھا۔ پانسو سال کے بعد مسلمانوں نے اس بدعت کو گوارا کر لیا۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نواب محسن الملک سید مہدی علی خاں بہادر مرحوم کی کتاب "تقلید اور عمل بالحدیث" کے چند صفحات کا اقتباس انھیں کے الفاظ میں درج کر دیا جائے جو حقیقت اصلیہ کے ذہن نشین کرانے کے لئے بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وھو ہذا۔

مذاہب اربعہ کے رواج اور ترک اجتہاد کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہو جانے خلفائے وقت کے اور شائع ہونے جھوٹ اور اختراع کے اور واقع ہونے اختلاف کے خدا نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط کرنے اور ارکان اور آداب عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے پر راغب کیا اور اس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے جس شہر میں جو امام فقیہ اور عالم تھا ان میں بعض بعض نے حدیث کی تالیف پر اور فقہ کی تدوین پر کمر باندھی اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور مدینہ میں امام مالکؒ اور محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی ذہب نے اور کوفہ میں ثوری نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے اول اول حدیث میں تالیف کی اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فقہ کی تدوین شروع کی۔

سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کو خدا نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد دی تھی اور وہ زہد و ورع میں بھی کامل تھے پس انھوں نے اپنے شہر کے امام و فقیہ ابراہیم نخعی کی احادیث اور اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی اور انھیں کے اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا چنانچہ یہ امر بخوبی اس شخص پر ظاہر ہے جس نے امام محمدؒ کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہے اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ملایا ہے۔ غرض جب امام حنیفہ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے اُن کی طرف رغبت کی اور ان کے اصول و فروع کو پسند کر کے

اسے سیکھا اور فقہائے کوفہ نے اُن کے اجتہاد کو قبول اور ان کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے دو شاگرد ان کے ہو گئے تب پہلے شاگرد کی امارت اور قضا کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے عراق اور خراسان اور ماوراءالنہر میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی کہ امام مالک حدیث اور فقہ اور زہد و پرہیزگاری میں بڑے مشہور تھے اور ان کو احادیث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ ان کے ضعف اور قوت سے بھی بخوبی واقف تھے چنانچہ انھوں نے نہایت عمدہ اور صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہے اُس کی مقبولیت اعلیٰ درجہ پر پہونچی اور ہزاروں آدمیوں نے اس وقت کے اس کی سند امام مالک سے حاصل کی پس امام مالک کی اُس کتاب کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ پس جہاں جہاں ان کے اصحاب اور شاگرد پہونچے اور ان کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا اُن کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا پھر تو ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اُن کے مذہب کے اصول اور دلائل کو ترتیب دیا اور اُن کی کتاب کے خلاصے کئے اور ان کے کلام اور فتووں کی شرح کی یہانتک کہ آخر ان کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں ان کے تلامذہ زیادہ ہوئے مالکی مذہب پھیل گیا۔

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑ چکی تھی کہ امام شافعیؒ پیدا ہوئے انھوں نے دونوں مذہبوں کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور ان کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے اُن باتوں کو جو ان مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا۔ اور نئی طرز سے اصول و قواعد کو ترتیب دیا۔ امام شافعی نے سب سے اوّل ایک کتاب اصول کی تالیف کی اور اس میں احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کئے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے اس کی شرائط کے التزام ترک کیا چنانچہ جو کچھ انھوں نے حنفی اور مالکی مذہب سے اختلاف کیا اکثر ان باتوں میں تھا۔

(۱) احادیث مرسل اور منقطع پر استناد نہ کرنا۔ امام شافعی نے حنفی اور مالکی مذہب والوں کو بعض احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرتے ہوئے دیکھ کر یہ اصول قائم کیا کہ ایسی احادیث پر جب تک اس کی شرائط پائی نہ جائیں سند نہ کی جائے اس لئے کہ طرق حدیث کے جمع کرنے سے بخوبی ظاہر ہوا کہ بعض احادیث مرسل محض بے اصل ہیں اور بعض سند کے مخالف ہیں۔

(۲) احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے اصول قائم کرنا۔ امام شافعی سے پہلے احادیث کی وہ کثرت نہ تھی جو اُن کے زمانہ میں ہوئی اس لیے کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے عالموں اور اماموں سے احادیث کو اخذ کرتے اور انھیں کو روایت کرتے مگر جب علم کی تدوین شروع ہوئی اور لوگوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاکر احادیث کو سیکھا اور متفرق لوگوں کو جو حدیثیں یاد تھیں ان کو سنا تو احادیث کی کثرت ہوگئی اور پھر ان میں اختلاف بھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ اس اختلاف کے رفع اور احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مقرر کئے جائیں چنانچہ اسی واسطے امام شافعی نے ایک اصول کی کتاب تالیف کی:

(۳) احادیث صحیحہ کے ترک کرنے سے پرہیز کرنا۔ پچھلے لوگوں نے جن جن بزرگوں سے فقہ کو حاصل کیا اور جن کے اقوال پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی ان کو اس وقت تک بعض احادیث صحیحہ نہیں پہونچیں اور انکو یہ سبب معلوم ہونے اُن احادیث کے جن سے مسائل تصریح نکلتے تھے قیاس سے کام لینا پڑا پس جبکہ امام شافعی نے دیکھا کہ بعض احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پچھلے مذہبوں میں بہ مجبوری رہ گیا ہے تو امام شافعی نے اس امر کو صاف بیان کیا کہ وقت مل جانے حدیث صحیح کے قیاس چھوڑ دینا اور حدیث صحیح پر عمل کرنا ضروری ہے اور انھوں نے ثابت کیا کہ یہی طریقہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا تھا کہ وہ ہمیشہ احادیث کی جستجو کرتے جب کوئی حدیث نہ ملتی تب استدلال اور قیاس سے کام لیتے اور اگر پیچھے ان کو حدیث پہونچ جاتی تو اسی وقت قیاس کو چھوڑ دیتے اور عمل بالحدیث کرنے لگتے۔ اس بات سے کہ امام ابوحنیفہ یا امام مالک وغیرہ کو سب احادیث پر اطلاع نہیں ہوئی درحقیقت ان کی پاکی اور بزرگی اور علم پر کچھ الزام نہیں آتا اس لئے کہ اس وقت تک وہ مادہ احادیث کا نہ تھا جو پیچھے کر کے امام شافعی کو ملا اور اس کا عذر علمائے محققین حنفیہ نے خود کیا ہے چنانچہ امام شعراوی لکھتے ہیں کہ ان عذر ابی حنیفۃ فی کثرۃ القیاس عدم بلوغ الاحادیث الصحیحۃ الیہ فی زمنہ یعنی امام ابوحنیفہ کا عذر کثرت قیاس میں یہ ہے کہ سب احادیث صحیحہ ان کو ان کے وقت میں نہ پہونچیں تھیں اور علامہ محمد بن عبدالسلام اپنی کتاب رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو نہیں پہونچیں اور علاوہ ان کے اور اصحاب اُن سے واقف ہوئے پس اگر بعد ان کے کسی امام کو احادیث صحیحہ پر اطلاع نہیں ہوئی تو کچھ جائے تعجب نہیں اور اس مضمون کو لکھ کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ:-

فمن اعتقد ان کل حدیث صحیح قد بلغ کل واحد من الائمۃ او اماماً معیناً فھو مخطی خطاءً

اذا حسنا فبیحا یعنی جس نے یہ اعتقاد کیا کہ ساری صحیح حدیثیں ہر ایک امام کو پہونچ گئیں یا کوئی خاص امام
ان سب سے مطلع ہوا تو ایسا اعتقاد کرنے والا کھلی ہوئی نہایت قبیح خطا پر ہے اور یہ بھی وہ لکھتے
ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ کیونکر سب احادیث نبوی پر اطلاع نہیں ہو سکتی تھی جبکہ احادیث کی تدوین ہو چکی
تھی تو یہ بھی بڑی غلطی ہے۔ لان هذه الدواوین المشهورة فی السنین انما جمعت
بعد انقراض الائمة المتبوعین۔ اس لیے کہ یہ کتابیں مشہور بعد گذرنے ان اماموں کے مدون
ہوئی ہیں جن کی لوگ تقلید کرتے ہیں اور یہ کہہ دینا مقلدین کا کہ ہر مسئلہ میں ہمارے امام کے پاس ایک
حدیث تھی اور ایک خاص دلیل وان لم نعرفه ولعتقده یعنی گو ہم اسکو نہیں جانتے حقیقت میں
ایسا جواب ہے جس کو سفسطہ محض اور جہالت قبیح کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور مقدمہ منہج کے باب
تبری الائمة من اقوالهم اذا خالف النص یعہ میں امام شعرانی نے صاف لکھدیا ہے کہ لو عاش
ابو حنیفه الی تصحیح الاحادیث لترك القیاس یعنی اگر امام ابو حنیفہ اتنی زندگی پاتے کہ تصحیح
حدیث کر سکتے تو ضرور وہ قیاس کو چھوڑ دیتے۔ غرضکہ امام شافعی نے قیاس کو ان مسائل میں جنمیں
بہ سبب نہ پانے حدیث کے اگلے اماموں نے اجتہاد کیا تھا چھوڑ دیا اور صرف حدیث پر عمل کیا۔

(۴) اقوال صحابہ پر بوجہ مخالفت حدیث کے استدلال نہ کرنا۔ امام شافعی کے وقت میں
صحابہ کے اقوال بھی لوگوں نے جمع کر لئے تھے اور وہ باہم مختلف تھے اور بعض بعض احادیث صحیح کے
مخالف تھے اس لئے امام شافعی نے اُن کے اقوال پر بعد پانے حدیث صحیح کے استدلال کرنے
کو ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ "هم رجال ونحن رجال" کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں
اُن سے غلطی ہو سکتی تھی پس بعد پانے حدیث کے اُن کے اجتہاد پر عمل کرنا ضرور نہیں بلکہ اس کا ترک
کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضرور اور لازم ہے کما قال شارح سفر السعادة ابو حنیفه تقلید صحابی
را در انچه صحابی باختیار خود گوید واجب داند و شافعی گوید "هم رجال ونحن رجال" ما واینان
در اجتهاد برابریم و همه مجتهد انیم مجتهد را تقلید مجتهد دیگر نرسد۔

(۵) رائے اور قیاس میں تمیز کرنا۔ امام شافعی کے وقت میں اکثر لوگ ایسے تھے جو اجتہادیہ
رائے کو دخل دیتے اور اسی کو وہ قیاس سمجھتے جو شرعاً جائز ہے حالانکہ قیاس جو شرعاً جائز ہے اور جو
صحابہ اور تابعین میں جاری تھا وہ صرف یہ ہے کہ کسی حکم منصوص سے اُس کی علت نکالنا اور جس میں وہ

علت پائی جائے اسی پر اس حکم کو قائم کرنا مثلاً خدا کی کتاب میں شراب کی حرمت مذکور ہے نہ کسی اور مسکرات کی تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہے اور سکر اس حرمت کی علت ہے پس جس چیز میں وہ علت پائی جائے یعنی سکر اس پر حرمت کا حکم قائم کرنا حقیقت میں قیاس ہے اور رائے یہ ہے کہ کسی تراشی ہوئی بات کو اصول میں قائم کرنا اور اسی کو علت حرمت وحلت کی بنانا مثلاً مظنہ حرج یا مصلحت عام کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا ہیں ایسے قیاس کو جو کہ درحقیقت رائے ہے امام شافعی نے ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ من استحسن فانہ اراد ان یکون شارعاً کہ جو قیاس استحسان کو شریعت میں دخل دیتا ہے وہ دراصل اپنے آپ کو صاحب شریعت بنایا چاہتا ہے۔

غرضکہ یہ چند کھلی ہوئی اور صاف باتیں ہیں جن سے امام شافعی نے اپنے پچھلے آئمہ سے اختلاف کیا اور بیچ کے ذریعے اور واسطے چھوڑ کر اصل ماخذ سے فقہ کو لیا اور کتاب وسنت ہی پر مدار اپنے مذہب کا رکھا اور کسی خاص شہر کے عالم یا کسی معین قوم کے فقیہہ کے اقوال و اصول پر اپنے اجتہاد کی بناء قائم نہ کی اور حقیقت میں یہ طریقہ اُن کا نہایت ہی اچھا تھا لوگوں کو جلد سے زیادہ پسند ہوا اور بڑے بڑے فقہا اور محدثین نے ان کے مذہب کی خوبی پر اقرار کیا اور اس کو اختیار فرمایا اور اس طور سے بعد چند مذہب شافعی رائج ہوا۔

جو کیفیت حنفی اور مالکی اور شافعی مذہب کی بنیاد کی ہوئی قریب قریب اسی کے امام احمد بن حنبل کے مذہب کی بنیاد پڑنے کی ہے۔

اس مسلسل مختصر بیان سے سمجھنے والے کو تو صرف یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ بنیاد ان چاروں مذاہب کی کیا اور کیونکر پڑی بلکہ یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ کسی نے بھی ان چاروں امام کے اپنے مذہب کو لوگوں کی تقلید کے لئے نہیں بنایا اور اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلانے کے لئے اجتہاد و استنباط نہیں کیا بلکہ انھوں نے صرف اپنی ذات کے لئے اجتہاد کیا اور اپنے دین کے شوق میں فقہ کو تدوین کیا کسی نے ان میں سے یہ نیت نہیں کی کہ ہم مقتدا بنیں اور ہم کوئی خاص مذہب گھڑا کریں اور لوگوں کو اس پر راغب کر کے کچھ شہرت یا عزت حاصل کریں اُن بزرگوں کی نیت ایسی کدورتوں سے بالکل پاک اور ان کے دل ایسے خطرات سے بالکل صاف تھے .... آخر لوگوں نے تحقیق و تنقیح کو چھوڑ دیا اور جس امر کا دعویٰ ان اماموں نے خود نہیں کیا اسے ان کی طرف منسوب کیا اور ان کو مثل صاحب الشریعت کے صاحب مذہب بنا دیا

اور ان کو معصوم اور محفوظ عن الخطا سمجھ کر ان کی باتوں کے سامنے اصل صاحب الوحیﷺ کے قولوں پر تمسک کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ آخر اپنے آپ کو پیغمبرﷺ سے نسبت کرنا بھی زمانہ سے اٹھ گیا اور حنفی اور شافعی کہنے پر مذہب کا مدار آگیا اور پھر جیسا زمانہ گذرتا گیا اور دین میں تبدیل ہوتا گیا اتنی ہی یہ خرابی بڑھتی اور دین و مذاہب کی حقیقت چھپتی گئی یہاں تک کہ اب جس زمانہ میں ہم کو خدا نے پیدا کیا ہے اور جس میں شاذ و نادر زندگی کے دن کاٹتے ہیں کسی امام کے مذہب کو ترک کرنا یا اس کے قول کو نہ ماننا اسلام سے پھرنا اور نبیﷺ کے کلام کا انکار کرنا سمجھا جاتا ہے اور تحقیق کا نام لینے والا اور کتاب و سنت پر عمل کرنے والا لامذہبی اور فاسق اور اسلام کا دشمن تصور کیا جاتا ہے۔

تواریخ اور کتابوں کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ تقلید کی بنیاد دوسری صدی کے اوسط سے شروع ہوئی لیکن تیسری صدی تک پوری پوری جاری نہ ہوئی اور چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب پر کامل تقلید لوگوں نے اختیار نہ کی چنانچہ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی سے پہلے مذاہب اربعہ کی تقلید کا کامل طرح سے رواج نہ تھا اور حنفی شافعی کہلائے جانے کا زور شور نہ تھا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر لوگ مسائل شرعی کس طرح تحصیل کرتے تھے اور فقہ کو کس طرح سیکھتے اور اس پر کیونکر عمل کرتے تھے؟ اس لئے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس وقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل پس جو لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے مسلے سیکھتے اور اس پر عمل کرتے اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے کی یا فتوے کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل یا بہتر جانتے اس سے پوچھ لیتے اور اس کی بات پر عمل کرتے بلا لحاظ اس کے کہ وہ عالم حنفی ہوتا یا شافعی یا مجتہد اور جو لوگ خود ذی علم تھے ان کی دو صورتیں تھیں بعضے اہل حدیث تھے بعضے صاحب اجتہاد۔ جو اہل حدیث تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کتاب الٰہی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت ہوتی تو کسی فقیہہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہہ مدنی ہوتا یا مکی، کوفی ہوتا یا بصری اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد و تخریج کرتے اور اصول اور قواعد کلیہ کو پیش نظر رکھ کر اسی سے فروعات کا استنباط کرتے پس اگر وہ اصول پہلے سے کسی خاص امام یا اس کے فرقے کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اس مجتہد کو بھی اسی امام کی طرف منسوب کرتے اور اس مجتہد کو بھی ان اصول کا پابند پاکر شافعی یا حنفی سمجھتے یہ صورت تیسری صدی کے آخر تک قائم رہی اس وقت تک نہ عمل بالحدیث

پر کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا۔ مگر جب جہالت کا زور ہوا اور اختلاف امت میں پڑ گیا اور طبیعتوں سے تحقیق کا مزاج اتار ہا اور صاحب شریعت تک واسطے در واسطے ہو گئے تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور دائیں بائیں چلنا شروع کیا اور سلاطین کے سامنے مناظرے اور مجادلے میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا ہوا علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردانا اپنی ناموری اور عزت اور شہرت کے لیے ان مسائل کو جن میں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم ائمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا ذریعہ بحث کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اس وجہ سے کہ حقیقت میں وہ ان ہی کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے مثل کتاب و سنت کے مستند گردانا بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ خود اس مذہب سے منسوب تھے اور اس امام کے مقلد کہلائے جاتے تھے ان اقوال کے اثبات کو اپنی غزارت علم کے اظہار کا سبب قرار دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ ایسے بڑے مولوی اور فقیہہ ہیں کہ جن باتوں پر یہ عمل کرتے ہیں اور جن قولوں کو یہ واجب العمل جانتے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں اور ان کے پاس بہت سی دلیلیں ان کے اثبات پر موجود ہیں۔ انتہیٰ کلامہ۔

اسی سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی محمد عبدہٗ مصری رحمتہ اللہ علیہ کی مصنفہ کتاب "الاسلام والنصرانیت" کے ایک حصہ کا ترجمہ درج کر دیا جائے جو مذکورہ مطالب کو قریب الفہم بنانے اور ذہن نشین کرانے میں معین و مددگار ثابت ہوگا دھوھذا۔

مفتی محمد عبدہٗ مصری فرماتے ہیں کہ

ایک عباسی خلیفہ نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کی بھلائی کیلئے اپنے دین و ملت کی برائی گوارا کی اس نے اجنبی (عجمی) لشکر کی تعداد بڑھائی اور ان میں سے (عجمیوں میں سے) سپہ سالار مقرر کئے بس کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ یہی عجمی سپہ سالار خلفا پر غالب و متسلط ہو گئے اور حکومت و سلطنت خلفا کے ہاتھ سے نکل کر ان کے قبضہ میں آگئی۔ ان لوگوں کی عقل ایسی نہ تھی جو اسلام سے اصلاح پذیر ہوئی ہو اور نہ دل ایسا تھا جس کو اسلام نے مہذب بنایا ہو۔ بلکہ یہ لوگ جہالت و ظلم میں آلودہ اسلام کی طرف آئے اور انھوں نے اسلام کو اپنے جسموں پر تو اوڑھ لیا لیکن ان کے دلوں پر اسلام کا کوئی اثر نہ پہونچا اور ان میں اکثر ایسے تھے کہ وہ اپنے معبودوں یعنی بتوں کو لئے ہوئے تھے اور تنہائی میں ان کی پوجا کرتے تھے۔

لیکن اپنے اقتدار کی پائداری کے لئے جماعت کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے یعنی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ پھر تاتار وغیرہ نے اسلام پر حملہ کیا اور ان میں سے بعض کامیاب بھی ہوئے مگر ان حملوں سے زیادہ سخت وہ حملہ تھا جو لوگوں کو ان کا مرتبہ بتانے اور ان کی بری عادتوں کو ظاہر کرنے والے علم پر کیا گیا۔ انھوں نے علم اور اس کے رفیق اسلام دونوں پر حملہ کیا اور اپنے اعوان کو علماء کے گروہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی کہ عالموں کا لباس پہن کر علماء میں شمار ہونے لگیں پھر دین کے متعلق ایسی باتیں پھیلائیں کہ عام لوگوں کو علم سے عداوت و نفرت پیدا ہو اور وہ علم کی طلب سے دور بھاگنے لگیں۔ بڑے متقی اور دین کی حمایت کے مدعی بنکر یہ لوگ عوام الناس کے سامنے آئے اور دعویٰ کیا کہ مذہب ناقص ہے ہم اسکو کامل کرنا چاہتے ہیں یا مریض ہے ہم اس کا علاج کرتے ہیں یا گرنیوالا ہے ہم اسکو ستون لگا کر گرنے سے روک رہے ہیں یا یہ کہ وہ تو جھک ہی چکا تھا ہم اُس کو سیدھا کر رہے ہیں۔ انھوں نے بت پرستی کی رسموں اور نصرانی قوموں سے ایسی باتیں منتخب کرکے اسلام کے لئے مستعار لیں جن سے اسلام بالکل بے تعلق اور بری ہے لیکن انھوں نے عام لوگوں کو اس طرح سمجھا کر مطمئن کر دیا کہ یہ شعائر اسلام اور احکام اسلام کی تعظیم و تکریم ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہمارے لئے یہ تمام محفلیں اور میلے ایجاد کر دیئے اور انھوں نے ہمارے لئے اولیاء اور علماء کی عبادت اور اسی قسم کی رسمیں مقرر کیں جس سے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے یہ بھی ضروری ٹھہرایا کہ اب بعد میں پیدا ہونے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ پہلے گذرے ہوئے کے قول کے سوا کچھ کہے (یعنی متاخرین کو متقدمین کی تقلید کے سوا خود کچھ کہنے یا کلام کرنے کا حق نہیں) اور اس کو عقیدہ بنا لیا گیا تاکہ غور و فکر کی طاقتیں ساکن اور عقلیں منجمد ہو جائیں۔ پھر انہوں نے اپنے مددگاروں کو اسلامی ملکوں میں پھیلا دیا تاکہ وہ ایسی حکایتیں اور روائیتیں شائع کریں جن سے لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ عام کاموں اور عوام سے تعلق رکھنے والے معاملات کو جانچنے اور غور کرنے کا ہمکو کوئی حق نہیں اور جو کام ملت و سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں ان پر صرف حکام ہی غور کر سکتے ہیں عام لوگوں کو ان میں رائے زنی یا دخل دہی کا کوئی حق حاصل نہیں اور جو ایسے کاموں میں دخل دے یا اعتراض کرے وہ بیہودہ ہے۔ اور (یہ بھی عوام کو سمجھائیں کہ) یہ جو اعمال میں فساد اور حالات میں اختلال پیدا ہو رہا ہے یہ حکام کی کرتوتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اُن باتوں کا سچا ثابت ہونا ہے جو آخری زمانہ کی نسبت حدیثوں

میں وارد ہیں اور حال و مآل کی اصلاح کسی تدبیر سے ممکن نہیں لہٰذا خدائے تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیا جائے اور مسلمان کا فرض تو صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ہی ذات تک محدود رہے دینی نظر کو زیادہ وسیع نہ کرے) احادیث کے بعض ظاہری الفاظ سے بھی ان کو کچھ مدد مل گئی اور ضعیف حدیثوں اور وضعی حدیثوں میں سے تو ان کو بہت سا سامان ہاتھ آگیا جس سے ان اوہام کی نشر و اشاعت کا خوب موقع ملا۔ ان گمراہ کرنے والوں کا ایک لشکر مسلمانوں میں پھیل گیا اور شریر والیوں (حاکموں) نے ہر حصۂ ملک میں ان کی امداد کی۔ قدر کا عقیدہ اس لئے ایجاد کیا گیا کہ ارادے پست ہو جائیں اور ہاتھ کاموں سے رک جائیں۔ سب سے زیادہ قوی عامل (محرک) نفوس کو ان خرافات کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے والی سادہ لوحی اور تباہی ضعف بصیرت اور خواہشات نفسانی کی پیروی تھی۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جب جمع ہو جاتی ہیں تو مہلک ثابت ہوتی ہیں پس حق باطل کی تاریکی میں پوشیدہ ہو گیا اور لوگوں کے دلوں میں ایسے عقیدے راسخ ہو گئے جو براہ راست دین اسلام کے خلاف اور اصول دین کو صدمہ پہونچانے والے تھے مسلمانو کی طبقات آسمانی سے اونچی پہونچنے والی امیدیں برباد ہو گئیں اور مسلمانوں کو نا امید بنا کر بے زبان چوپایوں کے ہم رتبہ بنا دیا۔ اب جس چیز کا نام اسلام رکھا جاتا ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ اسلامی اعمال نماز، روزہ اور حج کی ظاہری صورتوں کا مجموعہ ہے اور چند اقوال ہیں جن کے معانی میں تحریف و تبدیل کر لی گئی ہے جن کی وجہ سے وہ بدعات و خرافات موجود ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں وہ جمود پیدا کر دیا ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور مسلمانوں نے اسی کو اسلام سمجھ رکھا ہے۔" انتہی کلامہ

تصوّف کی خانقاہیں اور صوفیوں کے خانوادے

چوتھی صدی ہجری تک فقہی مذاہب اربعہ کے پیدا ہونے کا حال تو بیان ہو چکا، اب صوفیانہ گروہوں کا حال بھی سنیئے۔ الحادی اور سازشی فرقوں کی کثرت خنگ و پیکار کے ہنگاموں، خانہ جنگیوں اور یونانی و ایرانی و ہندی کتابوں کے ترجموں سے نئے نئے اعتقادی مسائل پر مباحثوں اور مناظروں کی کثرت اور منطق و علم کلام اور فلسفہ کی اصطلاحوں کے طوفان اور کتاب و سنت کی طرف سے غفلت و بے پروائی دیکھ کر بعض علماء نے گوشہ نشینی اختیار کر لی جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے زاویوں اور حجروں میں بیٹھ کر اپنے پاس آنے جانے والوں کو کتاب و سنت کی تعلیم و تلقین شروع کی اور امیروں، بادشاہوں اور شاہی درباروں میں غفلت افزا سامانوں کی کثرت دیکھ کر

ان سے بہ کلی اجتناب و احتراز اختیار کیا۔ حضرت حسن بصریؒ۔ سفیان ثوریؒ۔ داؤد طائیؒ۔ شقیق بلخیؒ۔ فضیل بن عیاضؒ۔ معروف کرخیؒ۔ یحییٰ بن معاذ رازیؒ۔ بشر حافیؒ۔ حاتم اصم بلخیؒ۔ احمد خضرویہؒ۔ ذوالنون مصریؒ۔ بایزید بسطامیؒ اسی قسم کے لوگوں میں سے تھے جو دوسری اور تیسری صدی میں گذرے یہ لوگ قرآن و حدیث کے عالم۔ کتاب و سنت پر عامل اور دنیوی فتنوں سے بے تعلق رہ کر عزلت نشینی کی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک مجتہد بھی تھا حضرت سفیان ثوریؒ کا مرتبہ تو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مساوی سمجھا جاتا اور ان کو ایک فقہی مذہب کا امام بھی مانا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ تھے جو فرقہ بندی سے سخت متنفر اور اپنی گوشہ نشینی و عزلت گزینی میں عافیت کے خواہاں تھے۔ ضرورت کے وقت ان لوگوں کو شمشیر بکف ہونے اور مجاہدین کے لشکر میں شامل ہونے سے بھی عار نہ تھا۔ غالباً سب سے پہلے شخص یحییٰ بن معاذ رازی (متوفی ۲۵۸ھ) تھے جو صوفی کے نام سے مشہور ہوئے حضرت شقیق بلخیؒ (متوفی ۱۷۴ھ) کے بعد حاتم اصم بلخی (متوفی ۲۳۷ھ) ان کے قائم مقام سمجھے گئے۔ اُن کے بعد حضرت احمد خضرویہ بلخی (متوفی ۲۴۰ھ) اُن کے قائم مقام ہوئے اسی طرح اور بھی بعض بعض علماء کی جانشینی کا سلسلہ جاری ہوا اور چوتھی صدی ہجری میں ان سلسلوں اور خانقاہوں کو خوب رواج حاصل ہوا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ ہر ایک صوفی اپنی وفات سے پہلے اپنا خلیفہ اور نائب اسی طرح تجویز کرنے لگا جیسے خلفائے بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ اپنا ولیعہد تجویز کیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جابجا صوبے خودمختار ہونے لگے تھے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا ہر طرف بازار گرم تھا۔ ان صوفیوں نے اپنی اپنی جماعتوں یعنی اپنے اپنے خاندانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مجاہدات شاقہ کو بے تعلقی اور ترک علائق کا ذریعہ بنایا۔ عبادات میں مجاہدات کو ترقی دینے سے یہ مقصود بخوبی حاصل ہوا اور تمام وہ لوگ جو دنیاداروں کے ہنگاموں سے تنگ آ گئے تھے اس طرف متوجہ ہونے لگے جب تصوف کی خانقاہوں میں ان تارک الدنیا لوگوں کی کثرت سے رونق اور ایک نئی دنیا پیدا ہونے لگی تو وہ دعات و نقباء جو سیاسی سازشوں کو کامیاب بنانے کی کوشش میں مصروف رہا کرتے اور اپنے لئے مامن اور اسی قسم کے مجمع تلاش کرتے تھے ان میں آ آکر شامل ہونے لگے۔ ع۔ بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا ست۔ ان لوگوں کی آمیزش

نے ان خانقاہوں کی حالت کو بہت جلد تبدیل کر دیا۔ وضعی حدیثیں جھوٹی روایتیں معتزلہ اور اشاعرہ کے مختلف فیہ مسائل؛ وحدت وجود۔ وحدت شہود۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق مجوسیوں اور یہودیوں کے نظریہ اور الحادی فرقوں کے (جو پہلی صدی میں منافقوں کی کوشش سے پیدا ہوئے تھے) تمام الحادی عقائد اسلامی جامہ پہن پہن کر ان خانقاہوں میں داخل ہونے لگے۔ بعض خدائے تعالیٰ کے نیک اور مخلص بندے ایسے بھی تھے کہ انھوں نے شریروں کی دال نہیں گلنے دی اور نہ اپنی صحبتوں کو ماؤف ہونے دیا بلکہ انھوں نے دوسرے شہروں اور علاقوں میں کتاب وسنّت کی اشاعت کے لئے اپنے دوستوں اور تربیت کردہ لوگوں کو بھیجا اور اسلام کی بہترین خدمات انجام دیں۔ لیکن زبردست اور پکے مومنوں کے بعض ایسے کمزور جانشین بھی تھے جو بجائے اس کے کہ سد سکندری ثابت ہوتے خود اس سیلاب میں بہہ گئے اور کہیں کہیں تو اباحتی زندگی کی لے حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں جبکہ دیلمیوں اور سلجوقیوں کے برسر اقتدار آنے پر علویوں کے خروج کا سلسلہ ہم ٹوٹ چکا تھا اور ان کے لئے ہر جگہ میدان تنگ ہو کر دوسری بہت سی قومیں اپنے اپنے حلقوں میں اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کر چکی تھیں یہ خانقاہیں خوب آباد نظر آنے لگیں اور ان کی تعداد نے بھی ہر ملک میں بخوبی ترقی کی اس طرح یہ تصوّف کا سلسلہ بھی جو کتاب وسنّت کی پابندی سے شروع ہوا تھا پانچویں صدی میں عجیب صورت اختیار کر گیا اور پھر آئندہ صدیوں میں فقہی مذاہب اربعہ کی طرح تصوف نے بھی متعدد خانوادے قائم ہو گئے اور شرک و بدعت کو اپنے لئے راہیں نکال لینے کا موقع ملتا رہا لیکن یہ خیریت رہی کہ تصوف کے ان سلسلوں میں تقلید کو اس طرح دخل نہیں مل سکا جس طرح کہ مذاہب اربعہ میں ائمہ نے آہنی قلعے تیار کر دیئے ہیں یعنی ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں قادری۔ نقشبندی، چشتی وغیرہ سب کچھ ہو سکتا ہے بہ خلاف اس کے کہ کوئی شخص بیک وقت حنفی شافعی۔ مالکی حنبلی بننا چاہے تو ممکن نہیں۔ تاہم سب سے بڑھ کر مصیبت اور سب سے زیادہ اذیت رساں تقلید سلاسل تصوّف میں یہ موجود ہے کہ اگر کسی صوفی کو مشرکانہ عقائد و اعمال اور مخالفت کتاب وسنّت اعمال سے روکا جاتا ہے تو وہ اپنے باپ دادا کا نام لے کر اپنی نالائقیوں سے دست کش ہونا اور فہم سلیم کو کام میں لانا نہیں چاہتا۔

باب چہارم

اسلام ہندوستان میں

[illegible]ھ کے بعد سے ابتک جو جو مد و جزر اسلام اور اسلامیوں پر آئے ان کی داستان بہت طویل اور زیادہ تر معلوم عوام ہے لہٰذا اس باب میں اور بھی زیادہ اختصار سے کام لیا جائیگا۔

ہندوستان میں افغانستان کے ذریعہ جو خود بھی ابھی خام تھا اشاعت اسلام

اگرچہ پہلی صدی ہجری میں سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور کئی سو سال تک یہ صوبہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہ چکا تھا لیکن چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے شروع میں جب سلطان محمود غزنوی نے پنجاب اور ملتان کو اپنی حکومت میں شامل کیا ہے تو سندھ سے مسلمانوں کی حکومت مٹ چکی تھی اور مذکورہ سازشی سرگرمیوں کی یادگار صرف اسقدر باقی تھی کہ ملتان قرامطہ کی تحریک کا ایک مشرقی مرکز تھا اور سندھ و گجرات کے بہت سے ہندو قرامطہ کی اس تحریک میں شامل او اس سے دلچسپی رکھتے تھے۔ سلطان محمود نے پنجاب و ملتان پر قابض ہو کر قرامطہ کے اثر کو ہندوستان سے بالکل مٹا دیا اور پھر اسلام پنجاب کی طرف سے داخل ہو کر آسام و بنگال اور ہمالیہ اس سرے تک سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ دکن یعنی مالابار، کناراڈ، کارومنڈل وغیرہ میں بھی اسلام شروع ہی میں پہنچ چکا تھا لیکن اس کا دائرہ اس نواح میں اس وقت تک بہت محدود و غیر اہم۔ یہانتک کہ شمال کی جانب سے اسلامی سیلاب وہاں تک نہ پہنچ گیا۔ بنا بریں ہم کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ اسلام دراصل ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کے ذریعہ پانچویں صدی ہجری میں داخل ہوا۔ اور افغانستان کے باشندوں نے جو خود بھی سیستان و طبرستان و اصفہان کے باشندوں کی طرح سازشی عقیدوں اور داعیوں کے معمول، جنگ و پیکار کے ہنگاموں میں عرصہ سے مصروف اور اسلام کی حقیقی تعلیمات اور علم دین سے زیادہ تر بے بہرہ تھے ہندوستان میں اسلام کو شائع کیا۔ دو سو سال تک اسلام پنجاب

سے آگے نہیں بڑھا اور اس دو سو سال کے عرصہ میں خاندان غزنوی جو پنجاب پر قابض اور محمود غزنوی کی وفات کے بعد ہی سے مسلسل خانہ جنگی میں مبتلا تھا پنجاب میں اشاعت اسلام کا کوئی اہتمام نہیں کر سکا اور جیسا کہ دوسرے ممالک اسلامیہ کے مذکورہ حالات سے اندازہ ہو سکتا ہے پنجاب میں تعلیمات اسلامیہ کے شائع کرنے کا دوسرے مسلمانوں کو بھی موقع نہیں ملا اسی زمانہ یعنی پانچویں صدی کے شروع میں فقہ حنفی کی سب سے پہلی کتاب قدوری احمد بن محمد بن احمد بغدادی نے لکھی لیکن ہندوستان اور پنجاب ابھی تک فقہی اختلافات سے بے خبر تھا اسی زمانہ میں سلطان مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش ایک داعی اسلام کی حیثیت سے وارد پنجاب ہوئے اور بعض ہندو خاندان مشرف بہ اسلام ہوئے مگر یہ کام محدود دائرہ میں رہا ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا کماحقہ کفیل نہ تھا بخارا کا حکمران سامانی خاندان شیعیت کا مخالف اور سنی خاندان تھا سلطان محمود غزنوی اور اس کا خاندان بھی اگرچہ سنی تھا لیکن افغانستان کے قبائل میں قرامطہ اور باطنیہ خیالات کی چونکہ خصوصی اہتمام سے اشاعت ہو چکی تھی لہٰذا محمود غزنوی کے جانشینوں کا جو اپنی ہی مصیبتوں اور خانہ جنگیوں میں مصروف رہے افغانستان والوں کے عقائد و اعمال پر کچھ زیادہ اثر نہ پڑ سکا۔ بغداد میں اگرچہ مدرسہ نظامیہ سلجوقیوں کے عہد حکومت میں جاری ہو چکا تھا لیکن دمشق میں ۴۶۲ھ تک مسجدوں میں شیعوں کی اذانیں ہوتی رہیں اور تراویح پڑھنے کی لوگوں کو جرأت نہ تھی ۴۶۹ھ میں بغداد کے اندر حنابلہ اور اشاعرہ میں کسی مسئلہ کے متعلق جھگڑا ہوا اور سینکڑوں آدمی مارے گئے ان حالات مذکورہ افغانستان میں کتاب و سنت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کہاں ممکن تھا افغانستان کا غوری خاندان جس نے غزنویوں کو برباد کیا بہت سے ملحدانہ عقائد میں مبتلا اور قرامطہ بحرین اور عبیدیان مصر کے نشر یہ سے بخوبی متاثر تھا جس کا تاریخوں میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ مگر چونکہ اس عرصہ میں ماوراء النہر سے لیکر عراق و شام تک سلجوقی چھا گئے تھے وہ چونکہ بخارا (ماوراء النہر) سے اٹھے تھے لہٰذا سنی اور شیعی خیالات سے دور و نفور تھے ان سلجوقیوں کا اثر افغانستان کے قبائل پر بھی بتدریج پڑتا رہا۔ سنجر سلجوقی نے غوری سرداروں کو گرفتار و یا گذار بنا کر افغانستان پر نہایت قوی اثر ڈالا اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ سلطان شہاب الدین غوری اور اس کا بڑا بھائی دونوں کتاب و سنت کے متبع اور پابند تھے۔

دوسرے ملکوں کی حالت | پانچویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کے تشتت و انتراق سے فائدہ اٹھاکر عیسائیوں نے صلیبی حملے شروع کئے اور مصر کی عبیدی حکومت نے انتہائی نالائقی اور اسلام دشمنی کو کام میں لاکر عیسائیوں کو شام و فلسطین پر حملہ آوری کی ترغیب دی بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا ادھر فقہ شافعی کا مراکش و اندلس و افریقہ میں فقہ مالکی سے اور بغداد و خراسان بخارا میں فقہ حنفی سے زور شور کے ساتھ معرکہ جاری ہوا۔ اسی زمانہ یعنی سنہ ۵۰۰ھ میں یوسف بن تاشفین سلطان مراکش نے قاضی عیاض کی ترغیب سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو سوختنی قرار دیکر آگ میں جلایا جس کا نتیجہ معتقدین امام غزالیؒ کے ہاتھوں سلطنت مرابطین کی تباہی کی صورت میں برآمد ہوا۔ ادھر امام بزدوی اور قاضی ماوردی کے شاگرد امام قشیری وغیرہ حنفی اور شافعی مذہبوں کی حمایت و وکالت میں مصروف کار تھے۔ چھٹی صدی کے آخر میں قادری سہروردی اور چشتی وغیرہ تصوف کے مشہور خاندان بھی خراسان و عراق میں قائم ہو چکے تھے۔ اُس کے بعد ساتویں صدی ہجری کے شروع ہونے پر ہندوستان میں اسلامی دربار حکومت اور سلطنت اسلامیہ کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہوا۔

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی ابتداء اور مبلغین اسلام کی کمی | سنہ ۶۰۲ھ میں ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک لاہور میں تخت نشین ہوا اور اس کے بعد بہت جلد دہلی سلطنت اسلامیہ کا دار السلطنت قرار پایا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ حضرت امام فخر الدین رازی کے ہندوستان آنے اور واپس چلے جانے کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے لیکن قطب الدین ایبک کے ہمراہیوں میں جنگی آدمیوں۔ فوجی سپہ سالاروں اور لشکری لوگوں کے سوا صرف ایک دو معمولی عالموں کا نام آیا ہے۔ ہاں کچھ عرصہ پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر میں آکر فروکش ہو چکے تھے لیکن ان کا کام خواجہ علی ہجویریؒ کی طرح ہندوؤں کو مسلمان بنانا تھا مسلمانوں یعنی نو مسلموں کو اسلام سکھانا دوسرے لوگوں کا کام ہونا چاہئے تھا جن کی کمی تھی اسی زمانہ میں صاحب مشارق الانوار کا بھی ہندوستان آنا بلکہ ہندوستان ہی میں پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کا علمی زمانہ ہندوستان میں نہیں بلکہ بغداد میں بسر ہوا۔ تمام شمالی ہند دریائے اٹک سے لیکر بنگال و آسام تک مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا اور اسی قریبی زمانہ میں فتح کیا تھا اس وسیع ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور سرحدوں کی بغاوتوں کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لئے تمام تر توجہ اور پوری طاقتیں صرف کرنی پڑیں۔

ممالک اسلامیہ کی خانہ جنگی اور مغلوں کی مسلم کشی یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ سلجوقیوں کے غلاموں۔ اتابکوں اور نوکروں نے جا بجا خراسان۔ ایران۔ فارس عراق۔ شام وغیرہ ملکوں کے چھوٹے چھوٹے صوبوں پر قابض ہو کر آپس میں لڑنا شروع کر دیا تھا۔ انھیں کی طرح بغداد کا عباسی خلیفہ ناصر لدین اللہ بھی سلجوقیوں کی گرفت سے آزاد ہو کر اپنا اثر و اقتدار قائم کرنے اور براہ راست ملکوں پر فرمانروا ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ ان خودمختار ہونے والے سرداروں میں سب سے زبردست خوارزم شاہ تھا جس کا خراسان و ماوراء النہر کے اکثر حصہ پر قبضہ تھا۔ فارس کا صوبہ سعد زنگی کے قبضہ میں تھا۔ طاش تگیں اور اس کے داماد سنجر نے خوزستان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ قتلغ بن ایلد کز رے پر قابض تھا۔ اغلمش نے بلاد جبل اور قہستان کے اکثر علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک طرف الموت کی باطنی حکومت بھی اسی علاقہ میں موجود تھی۔ لرستان۔ دیار بکر۔ آذربائیجان۔ اربیلا۔ موصل۔ حلب اور شام کے مختلف اضلاع میں الگ حکمراں موجود ہو گئے تھے اور ان چھوٹے چھوٹے فرمانرواؤں کی تعداد مذکورہ ممالک اسلامیہ میں سیکڑوں تک پہونچ گئی تھی اور سب کے سب ہی ایک دوسرے کو مارنے اور کچلنے میں مصروف تھے۔ ترکان غز کے گروہ عرصہ سے الگ لوٹ مار میں مشغول اور ماوراء النہر سے شام فلسطین تک کے شہروں اور قصبوں کو غارت کرتے پھر رہے تھے غرض قتل و غارت اور جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے یہ تمام علاقے وہاں کے باشندوں کے لئے تنور بلکہ نمونہ دوزخ بن گئے تھے ۶۰۷ھ میں قطب الدین ایبک گھوڑے سے گر کر فوت ہوا اور شمس الدین التمش کا عہد حکومت شروع ہو کر ناصر الدین قباچہ و شمس الدین التمش کی لڑائیاں شروع ہوئیں لیکن شمس الدین التمش نے جلد اپنے حریفوں کو مغلوب کر کے اپنی حکومت شمالی ہند میں قائم کر لی۔ ادھر خوارزم شاہیوں اور خلیفہ ناصر لدین اللہ کی فوجوں میں بڑے بڑے معرکے ہو چکے تھے خلیفہ نے خوارزم شاہی طاقت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پا کر اور کامیابی سے مایوس ہو کر مغلوں کے سردار چنگیز خاں سے جو غیر معمولی طور پر بڑی طاقت حاصل کر چکا تھا سلام پیام کا سلسلہ شروع کر کے خوارزم شاہی سلطنت پر حملہ آوری کی ترغیب دی یہ امر مشتبہ ہے کہ چنگیز خاں نے خلیفہ بغداد کے اشارے سے حملہ کیا یا خود خوارزم شاہی سلطنت نے چنگیز خاں کو حملہ آوری پر مجبور کر دیا تھا۔ بہرحال ۶۱۵ھ میں چنگیز خاں نے سمرقند و بخارا کا علاقہ فتح کر کے

خراسان کی طرف پیش قدمی کی اور انسانی خون کے دریا بہا دیئے۔ صرف ہرات میں قتل ہونیوالوں کی تعداد بعض مورخین نے سولہ لاکھ بیان کی ہے اسی سے صدہا شہروں اور قصبوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ غرض اس طرح وہ بدامنی و بربادی جو سلطنت سلجوقیہ کی تباہی کے بعد چھٹی صدی کے ربع آخر سے ممالک اسلامیہ میں پیدا ہوئی تھی ساتویں صدی ہجری کے ربع اول میں حد کمال کو پہونچ گئی۔ ایسی حالت میں جبکہ تمام ماوراءالنہر اور خراسان و ایران و آذربائیجان پر غیر مسلم اور خونریز مغل مستولی و متصرف ہوگئے بقیۃ السیف مسلمانوں کے لئے عزلت نشینی و گوشہ گزینی اور علائق دنیوی سے بے تعلقی کے سوا کوئی بچاؤ کی صورت نہ تھی۔ غرض مغلوں کی اس تاخت و تاراج نے جو یقیناً خدائے تعالٰے کی طرف سے مسلمانوں کی بداعمالیوں اور غفلتوں کی سزا تھی مسلمانوں کی مردم شماری کو گھٹایا اور دلوں کو توڑ توڑ کر گوشہ نشین ہوجانے والوں کی تعداد کو بڑھایا۔ چونکہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت مغلوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہی تھی لہٰذا مذکورہ ممالک کے اکثر شاہزادے اور امراء بھاگ بھاگ کر ہندوستان چلے آئے اور اس طرح ہندوستان کا اسلامی دربار جو اپنی سپاہیانہ سادگی میں ممتاز تھا یکایک شان و شکوہ اور شاہانہ عظمت و جبروت سے لبریز ہوگیا۔ چنانچہ سلطان ناصر الدین محمود ابن سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں بغداد کی تباہی کے بعد جب چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر ہندوستان آیا تو دربار دہلی کی شان و شوکت اور پناہ گزین سلاطین کی کثرت دیکھ کر بے حد مرعوب واپس گیا۔ بغداد میں چنگیز خاں کی وفات کے بعد تک بھی خلیفہ موجود اور عباسیوں کا تخت خلافت قائم تھا ادھر الموت میں فدائیوں یا باطنیوں کی سلطنت جو حسن بن صباح کی قائم کردہ تھی باقی تھی۔ شاہ الموت نے مغلوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں اپنی موت دیکھ کر ۶۳۶ھ میں یورپ کے عیسائیوں کو مغلوں کے مقابلہ میں حملہ آوری کی ترغیب اور اپنا سفیر بھیج کر ممالک اسلامیہ کو جو صلیبی حملوں میں فتح نہ ہوئے تھے فتح کر لینے کی دعوت دی لیکن عیسائیوں نے گوشت خرد ندان سگ کہہ کر خاموشی اختیار کی اور باطنیوں کی یہ سفارت یورپ سے ناکام واپس آئی۔

خلافت بغداد کی بربادی اور ہندوستان میں ایرانی و خراسانی مسلمانوں کی آمد

۶۵۵ھ میں مغلوں نے الموت کی باطنی یعنی شیعہ سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ بغداد کے خلیفہ کو برباد کرنے کی مغلوں کو خواہش

نہ تھی اور وہ شاید اپنی واہمہ پرستی کی وجہ سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بغداد کے خلیفہ پر بیداد کرنے سے کوئی آفت سماویہ اُن پر نازل ہو جائے گی لیکن علقمی اور نصیر طوسی دو شیعہ بغداد اور خلیفہ بغداد کی بربادی کے لئے متفق ہو گئے۔ علقمی خلیفہ کا وزیر اور نصیر طوسی مغلوں کے بادشاہ ہلاکو خاں کا مصاحب تھا۔ ان دونوں کی متفقہ سازش نے ۶۵۶ھ میں عباسی خلیفہ کو مغلوں کے ہاتھوں گرفتار و مقتول کرا کر دم لیا اور بغداد و نواح بغداد میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مقتول شہید ہوئے۔ بغداد کی اس بربادی کا حال سُن کر عیسائی ملکوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں ہندوستان میں جب یہ خبر پہونچی تو کئی سال تک اس خبر کو کسی نے صحیح نہ سمجھا۔ ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی سلطنت قایم ہونے کے باون ۵۲ سال بعد خلافت بغداد برباد ہوئی اور ترکستان سے شام کے ملک تک مغلوں کی زبردست اور ظالم و خونریز سلطنت قایم ہوگئی۔ عراق و شام وغیرہ کے مسلمان جو اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ سکتے تھے مصر کی طرف جہاں مملوکیوں کی اسلامی سلطنت قایم تھی متوجہ ہوئے اور خراسان (افغانستان) وسیستان وغیرہ ملکوں کے وہ مسلمان جو بربادی بغداد کے بعد اسلامی سلطنت کے دوبارہ قایم ہونے سے مایوس ہو چکے تھے اور وطن چھوڑ سکتے تھے ہندوستان میں آنے شروع ہوئے۔ ان نو واردوں میں جاہل سپاہی بھی تھے اور ذی علم پڑھے لکھے لوگ بھی شامل تھے۔ مغلوں کے پچاس سالہ مظالم نے حوصلوں کو پست اور خیالات کو تنگ کر دیا تھا۔ ہندوستان میں جہاں سپاہی پیشہ مسلمانوں۔ نومسلموں اور ہندوؤں کی آبادی تھی اور فاتح و حکمراں ہونے کی حیثیت سے اس وسیع و زرخیز ملک میں مسلمانوں کو ہر قسم کی فراغت و راحت میسر تھی ان آنیوالوں نے اپنی خاندانی عظمت اور برباد شدہ دولت و حشمت کا یقین دلا کر عزتیں اور جاگیریں حاصل کیں اور فوجی و انتظامی عہدوں پر مامور ہوئے۔

ہندوستان میں صوفیائے کرام انھیں آنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ انھوں نے اپنے خراسانی پیروں اور مرشدوں کے نام کی شہرت سے فائدہ اٹھا کر یا حقیقی شوق عبادت اور خواہش گوشہ نشینی کی بناء پر زاویوں اور خانقاہوں کی طرف رخ کیا ایسے ہی لوگوں میں باطنیوں اور فدائیوں نے بھی پناہ لینی شروع کی جس طرح دوسرے ملکوں میں شیخ محی الدین بغدادیؒ۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی ۶۳۲ھ) حضرت محی الدین ابن عربیؒ

(متوفی ۶۳۵ھ)، مولانا شمس الدین محمد تبریزیؒ (متوفی ۶۴۵ھ)، شیخ المشائخ سعد الدین حمویہ (متوفی ۶۵۰ھ) مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی ۶۷۲ھ) وغیرہ صدہا صوفیائے کرام موجود تھے اسی طرح ہندوستان کی باقاعدہ اور آزاد سلطنت اسلامیہ کو پورے سو برس نہ گذرنے پائے تھے کہ اس ملک میں خواجہ معین الدین چشتیؒ (متوفی ۶۳۳ھ) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (متوفی ۶۳۴ھ) شیخ حمید الدین ناگوریؒ خلیفہ خواجہ معین الدین اجمیری سنجری (متوفی ۶۷۳ھ)، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ)، شیخ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۶۶۴ھ)، شیخ شرف الدین بو علی قلندر عراقی پانی پتیؒ (متوفی ۷۲۴ھ) شاہ نظام الدین اولیاؒ (متوفی ۷۲۵ھ)، شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ، شیخ برہان الدینؒ وغیرہ سیکڑوں صوفیائے عالی مقام موجود ہو کر لشکر سلطانی کے فوجی لوگوں اور نو مسلموں کے مرکز توجہ بن گئے ان بزرگوں کی خانقاہوں میں مجاہدات شاقہ نفس کشی اور ترک علائق کا تو زیادہ زور شور تھا مگر قرآن و حدیث کے درس کا کوئی قابل تذکرہ اہتمام نہ تھا۔ ہندوستان کے ہندو ؤں پر جو اسلامی سلطنت کے قائم ہونے سے پہلے بدھوں کی مسخ شدہ تعلیمات اور برہمنی مذہب کے تو تصنیف شاستروں کے اثر سے وحدت وجود۔ جوگ اور سادھوپن کی طرف راغب تھے ان صوفیائے کرام کی خانقاہوں کا بہت ہی اچھا اثر پڑا اور ان کے ذریعہ نو مسلموں کی تعداد میں خوب اضافہ ہوا۔ انھیں صوفیائے کرام کے لباس میں باطنی طریقہ کو بھی رواج و رسوخ حاصل ہوتا رہا چنانچہ جس طرح ۳۰۹ھ میں منصور حلاج کا واقعہ بغداد میں پیش آیا اسی طرح ۶۹۴ھ میں سید مولہ کا حادثہ دہلی میں رونما ہوا۔ بغداد میں منصور حلاج کو قاضی ابو عمر اور دیگر علماء و فقہا کے فتوے کے موافق قرمطی ہونے کے الزام میں قتل کیا گیا تھا۔ دہلی میں سید مولہ بھی خدائی اور باطنی ہونے کی وجہ سے مفتیان دہلی کے فتوے کے موافق مقتول ہوا جس طرح چند روز کے بعد بغداد والوں نے منصور حلاج کو ولی کامل اور محبوب خدا یقین کیا اسی طرح دہلی والوں نے چند روز کے بعد سید مولہ کو اولیائے کرام میں شامل کیا حالانکہ اس زمانہ میں قدائیوں نے گجرات و سندھ سے لیکر دہلی اور بدایوں تک تمام علاقے میں بہت سے ہندوؤں اور نو مسلموں کو اپنا معمول بنا رکھا تھا اور یہی لوگ تھے جنھوں نے ۶۳۵ھ میں دہلی کی جامع مسجد میں جبکہ مسلمان نماز جمعہ ادا کر رہے تھے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

آٹھویں صدی کے شروع میں اسلام کی حالت ہندوستان میں کیا تھی

غرض آٹھویں صدی ہجری کے

ابتدائی زمانہ تک ہندوستان کے اسلام کی حیثیت بڑے بڑے مرکزی شہروں میں زیادہ سے زیادہ وہی تھی جو ساتویں صدی کے شروع میں خراسان کے اسلام کی تھی کیونکہ ہندوستان کا اسلام ابھی تک خراسان ہی کے اسلام کا ایک بگڑا ہوا عکس اور سایہ تھا۔ یہاں نہ عراق وشام وحجاز کے عالمان علم دین اور مبلغین کتاب وسنت کو آنے کا موقع ملا تھا اور نہ سمرقند وبخارا کے علما کا یہاں گذر ہوا تھا سمرقند وبخارا میں شیعت کا کوئی قابل تذکرہ تراثیک نہ پہونچ سکا تھا)۔ جو مسلمان ہندوستان میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہو کر حاکمانہ زندگی بسر کر رہے تھے وہ خود علم حدیث سے ناواقف اور دینی معلومات میں بالکل ادھورے اور خام وناتمام تھے جو ہندوستانی نومسلم تھے وہ آجکل کے آگرہ ومتھرا کی طرف رہنے والے ملکانوں کی طرح مسلمان تو تھے مگر حقیقت اسلام اور تعلیمات اسلامیہ سے بے خبر تھے اس لئے کہ قرآن وحدیث کے سیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت واہمیت سے تو خراسانی وافغانی مسلمان بھی ابھی تک کماحقہٗ آشنا نہ تھے اس زمانہ کے ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک مصری عالم شمس الدین ترک کا حال جو ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے قابل توجہ ہے۔ حضرت شمس الدین ترک سنہ ۷۰۰ھ میں بہ عہد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان آئے تھے۔ ضیاء برنی کی تحریر کا حاصل مطلب یا بطور خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں جو اس طرح ہے کہ

"ایک بے نظیر محدث اور عالم جن کو شمس الدین ترک کہتے تھے مصر سے حدیث کی چار سو کتابیں لیکر ملتان آئے تھے اور ملتان سے دہلی جانے کا قصد رکھتے تھے انھوں نے جب یہ بات سنی کہ ہندوستان کا بادشاہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور شہر دہلی کے حالات سن سن کر ملتان ہی سے مصر کی طرف واپس چلے گئے۔ واپس جانے سے پہلے انھوں نے ایک خط یا رسالہ لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی کے پاس روانہ کیا اس میں لکھا تھا کہ میں مصر سے دہلی کا ارادہ کر کے چلا تھا کہ دہلی میں قیام کر کے علم حدیث کی اشاعت دہلی میں کرونگا اور محض خدا ورسول کی خوشنودی کے لئے آیا تھا کہ لوگوں کو علم حدیث کی طرف متوجہ کر کے خیانت پیشہ مولویوں اور بددیانت عالموں کی روایتوں سے نجات دلاؤں لیکن چونکہ آپ خود ہی نماز نہیں پڑھتے اور نماز جمعہ بھی ادا نہیں کرتے

لہٰذا میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں احادیث نبوی پر کوئی عمل نہیں کرتا میں حیران ہوں کہ وہ شہر جس میں حدیث نبوی کے ہوتے ہوئے دوسرے لوگوں کی روایتوں پر عمل کرتے ہیں تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور عذاب الٰہی اس پر کیوں نازل نہیں ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں سیاہ رو بدبخت مولوی فتوے اور نامعقول روایتوں کی کتابیں لکھو ہوئے مسجدوں میں بیٹھے رہتے اور روپیہ پیسہ لیکر لوگوں کو قسم قسم کے حیلے اور جھوٹی تاویلیں بتاتے رہتے ہیں مسلمانوں کے حق کو بھی باطل کرتے اور خود بھی غارت ہوتے ہیں۔" انتہیٰ کلامہ۔

سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں کتاب وسُنّت کی اشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ہندوستان میں نہ ہوا اور نرا کورہ بے علم افغانی و خراسانی باپ دادا کی مراسم اور چند دوراز کار و بے حاصل فقہی مسئلوں اور جاہلانہ فنون کی واقفیت کا نام علم دین اور رہتا۔ ڈں آتش پرستوں اور مسلمانوں کی رسموں کے مجموعہ کی حفاظت کرنے والے مراسم پرستوں کا نام علمائے دین رہا۔ اگر اتفاقاً کوئی خدا کا نیک بندہ فہم و فراست اور کتاب وسنت کی طرف توجہ دلاتا تو وہ علمائے سوء اور بد مذہب لوگوں میں شمار ہو کر انگشت نما ہوتا۔ اور جاہل بادشاہوں کی طاقت اُس کے کچل ڈالتے اور آباء پرست مولویوں کا اثر اُس کے تبلیغ کرنے پر مستعد نظر آتا۔ ہاں یہ ضرور رہا کہ سلطان علاء الدین کے زمانہ میں راس کماری تک تمام برِ اعظم ہند پر اسلامی حکومت قایم ہوگئی اور سلطان علاء الدین کے محکمۂ جاسوسی کی بدولت فدائیوں یا باطنیوں کو بھی اپنی شرارتیں پھیلانے کا موقع باقی رہا۔ سلطان فیروز تغلق آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں پیدا ہوا اور ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اُس نے اپنے رسالہ فتوحات فیروز شاہی میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے ضروری اقتباس کو اسی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں ان الفاظ کے ترجمہ کی اس لئے جراءت نہیں ہوتی کہ بعض الفاظ فحش اور تہذیب کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ان الفاظ سے اُس زمانہ کے ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستان کی عام اسلامی حالت کا اندازہ کرنے میں ضرور امداد مل سکتی ہے۔

"قومے بلباس دہریہ و ترک و تجرید مردمان را گمراہ میکردند و مریدی ساختند و

کلمات کفر می گفتند طائفہ ملحدان و اباحتیان جمع شدہ بودند و خلق را بالحاد و باحت دعوت میکردند و در شبے بمقامے معین جمع می شدند از مردمان محرم و غیر محرم و طعام و شراب درمیان می آوردند و می گفتند ایں عبادت است و زنان و مادران و خواہران یکدیگر کہ دراں شب جمع می آوردند جامہ ہر کہ بر دست کسے از ایشاں می افتادے با او زنا کردے پیراں ایشاں شیعہ بودند شیعی مذہبان کہ ایشاں را روافض میگویند۔ بسبب رفض و شیعہ مردان را دعوت میکردند و رسالہا و کتابہا در یں مذہب پرداختہ و تعلیم و تدریس پیشہ ساختہ بودند و جناب خلفائے راشدین و ام المومنین عائشہ صدیقہ و جمیع صوفیائے کبار رضی اللہ عنہم را سب صریح و شتم قبیح می گفتند و لواطت میکردند قرآن مجید را ملحقات عثمانی میخواندند۔ رسم و عادتے کہ در دین اسلام جائز نیست در شہر مسلمانان جبلت شدہ بود کہ عورات در ایام متبرکہ جماعت جماعت پالکی سوار و گردوں سوار و ڈولہ سوار و اسپ سوار و دستور سوار فوج فوج و جوق جوق پیادہ از شہر بیرون می آمدند و بمزارہا می رفتند (مقتبس از فتوحات فیروز شاہی)

سلطان محمد تغلق اور اشاعت کتاب وسنت

آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول تک ہندوستان میں کتاب وسنت کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی اہتمام نظر نہیں آتا۔ سلطان محمد تغلق نے تخت نشین ہو کر کتاب وسنت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام و انتظام اپنے ہاتھ میں لیا مراسم پرست قاضیوں آباد پرست مفتیوں اور ہوا پرست اماموں کو موقوف کر کے ان کی جگہ مامور کرنے کے لئے کتاب وسنت سے واقف اور کتاب و سُنّت پر عمل کرنے والے عالموں کی تلاش و جستجو شروع ہوئی اور جہانتک قابل آدمی مل سکے مذکورہ عہدوں پر مامور کئے سلطان محمد تغلق کو سمجھدار اور کتاب وسنت سے واقف لوگوں کی کس قدر تلاش تھی اور ایسے لوگوں کا ہندوستان میں کس قدر کال تھا اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اُس کو جب یہ معلوم ہوا کہ خواجہ نصیر الدین اودھی المعروف بہ چراغ دہلی کتاب وسُنّت کے عالم اور احادیث نبوی پر عمل کرنے کے شائق ہیں تو سلطان نے ان کو مجبور کیا کہ وہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ اور زاویۂ تنہائی کو چھوڑ کر سلطان کی مصاحبت اختیار کریں اور اپنے علم حدیث سے دربار شاہی

کو مستفیض ہونے کا موقع دیں۔ خواجہ محمد ذرح کی طرف سے انکار اور سلطان کی طرف سے اصرار ہوا یہاں تک کہ اس انکار و اصرار نے ترقی کر کے دونوں میں کشیدگی اور ناخوشی پیدا کر دی۔ مشہور مغربی سیاح ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا اور سلطان محمد تغلق سے ملا تو سلطان نے باصرار اس کو شہر دھلی کا قاضی مقرر کیا اور وہ کئی سال تک اس عہدہ پر مامور رہا۔ آخر چینی سفارت میں شامل ہونے کا حیلہ تلاش کر کے دھلی سے رخصت ہوا۔ عین الملک صوبہ دار اودھ ایک ذی علم اور روشن خیال شخص تھا سلطان محمد تغلق اس کے علم و فضل کی وجہ سے اس کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ ایک مرتبہ عین الملک کے بھائیوں نے غلط فہمی پیدا کر کے سلطان کے خلاف بغاوت پیدا کر دی اور عین الملک سلطانی فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ عین الملک میدان جنگ میں گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں پابزنجیر پیش کیا گیا۔ سلطان نے اس کو دیکھتے ہی آزاد کیا اور اس کی تمام خطائیں سے درگذر فرما کر پہلے سے زیادہ اس کے مرتبہ کو بڑھایا اور اپنی برابر عین الملک کو بٹھایا نیز اس بات کو صاف الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ اپنے علم اور روشن خیالی کی وجہ سے عین الملک ان تمام مہربانیوں کا مستحق ہے۔

کتاب و سنت کے خلاف بدعتی مسلمانوں کا جوش و خروش اس باخدا اور روشن خیال اور متبع کتاب و سنت سلطان نے جب شرکیہ و بدعیہ مراسم کے خلاف کوششیں کیں تو تمام عالم نما جاہل اور مسلم نما بددین لوگ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور اس سب سے بہتر سلطان کو بدنام کرنے اور اس کے تمام بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے کے لئے مراسم پرست صوبہ دار باپ دادا پرست فوجی سردار اور نالائق ملنتیوں نے متفق ہو کر اور بہت سے خانقاہ نشینوں کو بھی اپنی سازش میں شریک کر کے سندھ کے ریگستان میں اس کا اور اس کی اولاد کا خاتمہ کیا اور اس کے روشن خیال وزیر کو دھلی کے قریب بیدردی سے قتل کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ اور اسی مجرمانہ سازش کا نتیجہ ہوا کہ پورے برعظم ہند کی عظیم الشان اسلامی شہنشاہی کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ بنگال کا صوبہ خودمختار ہو گیا۔ دکن میں بہمنی سلطنت جدا قائم ہوئی اور بہمنی سلطنت کے جنوب یعنی دکن کے جنوبی تنگ حصہ میں ایک ہندو خودمختار ریاست بھی پیدا ہو گئی۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ؎ کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

سلطان محمد تغلق کے بعد اگرچہ کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت کا نظام درہم برہم ہو گیا

لیکن سلطان ممدوح نے جو تحریک شروع کی تھی وہ خود بخود اندر ہی اندر اپنا اثر کرتی رہی۔
سلطان محمد تغلق کے تفصیلی حالات اور شرک و بدعت کے طوفانوں کی شرح کیفیت جو ہندوستان اور ایران و خراسان میں انشاء سے ہوئے تھے میں اپنی کتاب آئینہ حقیقت جلد دوم میں لکھ چکا ہوں جو قابل ملاحظہ ہے۔ غرض سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ہندوستان کی اسلامی سلطنت کمزور ہوتے ہوتے آٹھویں صدی کے خاتمہ پر بالکل پارہ پارہ ہوگئی اور ۸۰۱ھ میں تیمور نے جو چنگیزی مغلوں کی ایران پر حکومت کرنے والی شاخ کی مانند شیعت کی جانب زیادہ مائل تھا۔ ہندوستان پر حملہ کر کے خاندان تغلق کا خاتمہ کر دیا اور ہندوستان کو خانہ جنگی و بدامنی کی مصیبت میں مبتلا چھوڑ کر فوراً واپس چلا گیا اور سلطان بایزید یلدرم عثمانی کی ان سرگرمیوں کا جو وہ یورپ کی عیسائی سلطنتوں کے زیر کرنے اور صلیبی حملوں کا بدلہ لینے کے لئے کام میں لا رہا تھا خاتمہ کر دیا۔

خانۂ کعبہ میں چار مُصلّوں کا قایم ہونا یہی وہ زمانہ تھا کہ ۸۰۱ھ میں مصر کے بادشاہ فرح بن برقوق چرکس نے خانہ کعبہ میں بجائے سات یا زیادہ مُصلّوں کے صرف چار مُصلّے باقی رکھے اس زمانہ تک خانہ کعبہ کے سات یا زیادہ مُصلّوں کو کوئی قابل تذکرہ اہمیت حاصل نہ تھی ہر شخص جس مُصلّے پر چاہتا نماز ادا کرتا اور ایک ہی امام کے پیچھے ایک ہی جماعت میں سب نماز ادا کرتے فرح بن برقوق نے چار مُصلّے اور ہر مُصلّے کے لئے الگ الگ امام مقرر کر کے چار الگ الگ جماعتوں کا سلسلہ جاری کیا اُس زمانہ کے مسلمانوں اور ہر اسلامی ملک کے مسلم علماء نے اس کی سخت مخالفت کی مگر چونکہ حجاز اور مکہ معظمہ پر چراکسہ کی حکومت تھی لہذا یہ بات رفتہ رفتہ سب کو گوارا ہوگئی۔ اس سے قریباً ڈھائی سو سال پہلے یعنی ۵۶۵ھ میں مصر کے بادشاہ ملک الظاہر بیبرس نے مصر میں حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی چار قاضی مقرر کر کے چار فقہی مذاہب کو مخصوص و متعین کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی فقہی مذاہب کی شہرت و معرفت جاتی رہی ورنہ اس سے پہلے اور بھی متعدد فقہی مذاہب مشہور و مروج تھے۔

آٹھویں صدی کے خاتمہ پر شمالی ہند و گجرات کی حالت آٹھویں صدی ہجری کے خاتمہ پر شمالی ہند میں تو تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن جنوبی ہند میں سلطان محمود شاہ بہمنی بن علاء الدین حسن گانگوہی نے کتاب و سنت کی اشاعت میں بہت کوشش کی جو نویں صدی کے وسط تک کم و بیش

ملک دکن کی روشنی کا موجب رہی۔ نویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر بنگالہ۔ جونپور، دہلی مالوہ۔ خاندیس گجرات کشمیر، سندھ۔ پنجاب دکن وغیرہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قایم اور سب آپس کے لڑائی جھگڑوں میں مسلسل مصروف رہیں۔ اسی زمانہ میں سید بدیع الدین مکن پوری کے ذریعہ تصوّف کے سلسلۂ مداریہ کی ابتدا ہوئی۔ تصوّف کے سلسلۂ نقشبندیہ نے بھی ہندوستان میں رسوخ و رواج پانا شروع کیا۔ باقی سلسلے پہلے سے موجود تھے۔ اس نویں صدی میں جبکہ کشت و خون کے ہنگاموں نے سارے بر اعظم ہندوستان کو میدان جنگ بنا رکھا تھا۔ عراق۔ عرب۔ خراسان۔ ایران اور مصر سے بعض علماء دکن اور گجرات کے درباروں میں آئے اور ان میں سے بعض جونپور بھی پہنچے لیکن لڑائیوں اور خانہ جنگیوں کی کثرت نے کتاب و سنّت کی کوئی قابل تذکرہ اور نتیجہ خیز خدمت نہ کرنے دی البتہ دکن میں وزیر السلطنت خواجہ محمود گاواں کی مساعی جمیلہ سے علم دین کا چرچا ہوا اور بعض دینی مدارس بھی جاری ہوئے۔ گجرات میں سلطان محمود بیگرہ کی دین پروری اور قدر دانی علم نے علماء ربّانی کے لئے احکام دین کی تبلیغ و اشاعت کا موقع بہم پہونچایا اور مولانا وجیہ الدین مالکی کو جو مصر و شام ہوتے ہوئے گجرات آئے تھے ملک المحدثین کا خطاب دیکر آخر عمر تک گجرات ہی میں قیام کرنے پر مجبور کیا (ان کے بعد گجرات میں وجیہ الدین نام کے ایک دوسرے بزرگ بھی گذرے ہیں جو ۹۹۸ھ میں فوت ہوئے تھے)

دسویں صدی ہجری کی ابتدا

نویں صدی ہجری کے آخر اور دسویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ میں جس طرح دنیا کے اور ملکوں میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوئے اسی طرح ہندوستان میں بھی اہم تغیرات کا ظہور ہوا۔ عیسائیوں نے اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان گم کیا۔ عثمانیوں نے مصر و شام و حجاز پر قبضہ کر کے شاہان مصر اور خلفائے عباسیہ کے برائے نام سلسلہ کو مٹایا۔ کولمبس نے امریکہ اور واسکوڈی گاما نے ہندوستان آنے کا بحری راستہ معلوم کیا۔ مارٹن لوتھر باشندہ جرمنی نے رومن کیتھولک عیسائیوں کے خلاف اور پوپ کا مذہبی اقتدار مٹانے کے لئے زبردست اور نتیجہ خیز کوشش شروع کی۔ تیموریوں کی حکومت خراسان و ایران سے مٹی۔ ایران میں صفویوں کی ایک زبردست شیعہ سلطنت قایم ہوئی۔ عثمانیوں کی سلطنت ایشیا، و افریقہ و یورپ تینوں براعظموں میں وسیع ہوکر عروج کو پہونچی۔ ہندوستان کی بہمنی سلطنت

میں زوال و انحطاط پیدا ہوا۔ اور بہت جلد پارہ پارہ ہوگئی۔ شمالی ہند میں لودھیوں نے اپنی
زبردست سلطنت قایم کی۔

کبیر و نانک کے جدید فرقے اور مسلمان | بنارس میں کبیر داس نے اور پنجاب میں بابا نانک
نے نئے مذہب اور نئے فرقے قایم کرکے اس بات کی کوشش کی کہ ہند و مسلمان دونوں کو
ایک مذہب اور ایک مسلک پر مجتمع و متفق کر دیا جائے۔ مشرقی ہند میں کبیر کا اور مغربی ہند میں نانک
کا جدید مذہب جاری کرنا اور ہند۔ و مسلمان دونوں کا ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے جدید مذہبوں
کو اختیار کر لینا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کتاب و سنت کا کوئی معقول چرچا نہ ہونے کے
سبب بے علم صوفیوں اور جاہل پیروں کے ہاتھوں ہندوستان میں عام طور پر مسلمانوں کی ایسی
ناگفتہ بہ حالت ہوگئی تھی کہ ان کو مشکل ہی سے مسلمان کہا جاسکتا تھا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ
ایک شخص جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے واقف ہو اور کبیر کے دوہروں کو عقیدہ و
اعمال کی بنیاد قرار دے اور گرو گرنتھ کے اشلوکوں پر آیات قرآنی کی طرح ایمان لائے اور
جب کبیر داس اور نانک صاحب فوت ہوں تو مسلمان اور ہندوں میں ان کی لاش کے دفن کرنے
یا جلائے جانے پر تلواریں کھنچ جائیں۔ سلطان بہلول لودی تو ایک سپاہی آدمی تھا اس کو علم و فضل
سے کوئی واسطہ نہ تھا لیکن اس کا بیٹا سکندر لودی پڑھا لکھا اور خاصہ تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ فارسی
زبان میں شعر بھی کہہ سکتا تھا۔ لیکن گذشتہ سیکڑوں سال کی مسلسل خانہ جنگیوں نے شمشیر زن اور
سپاہی پیشہ لوگوں کی قدر اس قدر بڑھا دی تھی کہ فوجی نوکریوں کے مقابلہ میں دفتروں کے اندر بیٹھ کر
لکھنے پڑھنے کا کام کرنے کو مسلمان لوگ عام طور پر عیب اور بے عزتی تصور کرتے اور علم دین تو
کیا معمولی نوشت و خواند کی طرف بھی متوجہ نہ ہوتے تھے چنانچہ سلطان سکندر لودی کو مجبوراً ہندوؤں
کی قوم کایستھ کو فارسی زبان کی تعلیم دلا کر دفتروں کے عہدے ان کے سپرد کرنے پڑے ایسی حالت
میں ظاہر ہے کہ جاہل پیروں اور معمولی سی شدبد رکھنے والے ملاؤں کے ہاتھ میں ان جنگی لوگوں
کی مذہبی باگ ہوگی اور انھیں کے فتوے اور انھیں کی ایجاد کردہ رسمیں ان لوگوں کے لئے آیت و
حدیث کا مرتبہ رکھتی ہونگی۔ سلطان سکندر کے زمانہ میں علمائے دین کس قدر نایاب تھے
اس کا اندازہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ جب شیخ جمالی کنبوہ حجاز و عراق و خراسان کا طویل

سفر ختم کر کے دہلی آ رہے تو سلطان سکندر رسنبھل میں مقیم تھا سلطان نے بار بار ان کے بلانے کو آدمی بھیجے اُن کے آنے میں دیر ہوئی تو اُن کے پیرا در حضرت شیخ سماءُ الدینؒ کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ میری سفارش کیجئے اور شیخ جمالی کو میرے پاس آنے پر آمادہ و رضامند کر دیجئے پھر ایک مثنوی خود تصنیف کر کے شیخ جمالی کے پاس بھیجی جس میں شوق ملاقات کا اظہار کیا گیا تھا۔ شیخ جمالی آئے تو سلطان نے ان کو پھر اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ اسی طرح مولانا عبداللہ دہلوی شارح میزان منطق اور مولانا عبداللہ تلنبی (ملتانی) اور سید رفیع الدین صفوی شیرازی شافعی کی بیحد عزت و تکریم بجا لاتا تھا۔

سید محمد جونپوری اور شیخ علائی کے ذریعہ کتاب و سنت کی اشاعت

آخر اس زمانہ کے طوفان جہالت اور شرک و بدعت کی ظلمت و ضلالت کو دیکھ کر جونپور سے سید محمد صاحب جو مہدی جونپوری کے نام سے مشہور ہیں محض کتاب و سُنّت کی اشاعت پر کمربستہ ہوئے اُن کے دعویٰ مہدویت کے متعلق آجکل صحیح کیفیت کا معلوم ہونا بیحد دشوار ہے کہ اس کی کیا حقیقت و اصلیت تھی اور ان کے کیا الفاظ تھے اور ان کا کیا مفہوم تھا لیکن اس بات کی متفقہ شہادتیں اُن کے مخالفین سے بھی بالتصریح منقول ہیں کہ وہ خود بھی قرآن و حدیث کے بیحد پابند اور ان کی جماعت کے تمام آدمی کتاب و سُنّت کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ تھے۔ انھوں نے جونپور سے لیکر راجپوتانہ سندھ۔ گجرات اور دکن تک کتاب و سنّت کی تبلیغ و اشاعت کا کام کیا اور بڑے بڑے سرداروں فرمانرواؤں اور سپہ سالاروں کو بھی کتاب و سُنّت کا پابند بنا دیا۔ آخر وہ دسویں صدی کے ابتدائی زمانہ یعنی ۹۱۰ھ میں ملک افغانستان پہونچے اور قندھار ہوتے ہوئے بمقام فراہ پہونچ کر فوت ہوئے۔ ان کے شاگردوں اور عقیدتمندوں میں شیخ خضر ناگوری۔ سید محمود ابن سید محمد مذکور۔ شیخ عبداللہ نیازی نے اس سلسلۂ اشاعت کتاب و سنت کو جاری رکھا اور آخر میں شیخ علائی بیانوی نے اس خدمت کو سب سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ انجام دے کر اسی کام میں اپنی زندگی کو تمام کر دیا۔ شیخ علائی کے متعلق جب اس زمانہ کے مولویوں اور ملاؤں سے سلیم شاہ ابن شیر شاہ نے فتوے طلب کئے

توجس قدر بدعتی مراسم پرست اور دنیا طلب مولوی تھے سب نے شیخ علائی کے کفر اور قتل کا فتویٰ دیا لیکن جو ذی علم با خدا اور سمجھدار حضرات تھے انھوں نے شیخ کے اسلام کی تصدیق اور شیخ کے کام کی تائید و توثیق فرمائی۔ چونکہ اس زمانہ میں مولوی نما جاہلوں۔ بدعتی مُلّاؤں اور زر پرست جبہ پوشوں کی کثرت اور علمائے ربانی کا قحط تھا لہٰذا فتویٰ گردوں کی کثرتِ تعداد اور کتاب و سُنّت سے عناد رکھنے والے مراسم پرستوں کی کوشش نے شیخ علائی کی جان لے کر دم لیا۔ اس کے چند سال بعد خانہ جنگی کی بدولت پٹھانوں کی سلطنت کا تختہ الٹ گیا اور ہمایوں نے جو ایران سے شیعوں کا ممنونِ منت بن کر اور بہت سے شیعہ سردار ہمراہ لے کر واپس آیا تھا ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد قایم کی۔

شیعوں اور سنیوں کی کشمکش ہمایوں اگرچہ تیموری نسل میں تھا اور تیمور شیعیت کی جانب مائل تھا لیکن ہمایوں کے باپ۔ دادا۔ پردادا نے ترکستان کی ریاست فرغانہ میں پرورش پائی تھی جہاں شیعیت کو کسی زمانہ میں بھی دخل حاصل نہیں ہوا اور جس طرح شروع ہی سے ایران میں شیعہ خیالات اور شیعی مذاہب کا سلسل چرچا رہا اسی طرح ترکستان شروع ہی سے سُنّی مذہب کا گہوارہ رہا تھا لہٰذا ہمایوں کا باپ بابر اور اس کے ہمراہی ترکستانی سردار سُنّی مذہب رکھتے تھے۔ اب ہمایوں کے ہمراہی سرداروں میں بابری زمانہ کے ترکستانی سردار بھی تھے اور نئے ایرانی دوست بھی۔ ترکستانی سب سُنّی تھے اور ایرانی سب شیعہ۔ اس طرح ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر کی خورد سالی کے سبب سلطنت جب ان سرداروں کے اختیار میں آئی تو بیرم خاں کی وجہ سے شیعوں کا زور ہو گیا۔ ترکستانیوں یعنی سُنّی سرداروں نے شیعوں کے خلاف ہاتھ پاؤں مارے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بیرم خاں علی قلی خاں بہادر خاں وغیرہ مارے گئے اور شمس الدین محمد خاں اتگہ اور ماہم انگہ کا فریق برسر اقتدار آ گیا۔ لیکن ان سنیوں میں سب سے بڑے عالم العلماء مُلّا پیر محمد خاں تھے جو عہد افغانیہ کے بدعتی ملاؤں کا نمنی اور معمولی شُد بُد رکھنے والے آدمی تھے۔ اکبر نے ہوش سنبھال کر جب سلطنت اپنے ہاتھ میں لی تو مذہب کی جانب زیادہ مائل ہوا۔

اکبر کے زمانہ میں اسلام ہندوستان میں تمام مولویوں کے سرتاج اور عہد افغانیہ کے

شیخ الاسلام مُلّا عبداللہ سلطان پوری تھے یا شیخ عبدالنبی گنگوہی (از اولاد امام ابوحنیفہ) چنانچہ شیخ عبدالنبی کو اکبر نے ہندوستان کا صدر الصدور بنا کر مُلّا عبداللہ سلطان پوری کو مخدوم الملک کا خطاب دیکر شیخ الاسلامی کا عہدہ سپرد کیا۔ آئندہ چلکر جب ان دونوں کا مُلّا مبارک ابن شیخ خضر ناگوری کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی سے واسطہ پڑا تو بہت جلد ان کا بھرم کھل گیا اور ۹۸۶ھ میں دونوں نے اپنے اپنے عہدوں سے معزول و برطرف ہونے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دیئے۔ اکبر جو خود بھی جاہل اور نوجوان پادشاہ تھا لامذہبی کی لعنت میں مبتلا ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانے لگا اور اُس کے دنیا پرست مصاحبوں نے اُس کی تائید کی۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی بشمول اُن کے اور بھی چند حضرات ایسے تھے جو اکبر اور اُس کے مصاحبوں کی نالائقی کا اظہار کرنے سے باز نہیں رہتے تھے اور یہ کتاب و سُنّت کی اُسی اشاعت و تعلیم کا نتیجہ تھا جو سیّد محمد جونپوری اور شیخ علائی کے ذریعہ لوگوں کو دی جاچکی تھی۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے خود شیخ علائی کو دیکھا تھا۔ ان کے باپ سیّد محمد جونپوری اور شیخ علائی کے معتقد تھے۔ مُلّا صاحب کے اُستاد مُلّا مبارک بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے اور تنگ خیالی و مراسم پرستی کے دشمن تھے اور یہی وجہ تھی کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور مذکور دونوں مُلّا مبارک کے جانی دشمن تھے۔ آخر اکبر کی لامذہبی مسلمانوں کی عام جہالت امرائے دربار کی جاہ طلبی و شاہ پرستی نے ایک نیا مذہب ۹۸۵ھ میں جاری کرایا جس کا نام دینِ الٰہی رکھا گیا اور اکبر اس جدید مذہب کا پیشوا قرار پایا "کفر شایع شد" اس کی تاریخ ہوئی۔ گوا دمن۔ دیو غیرہ کے عیسائیوں کی معرفت توریت و انجیل وغیرہ عیسائیوں کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائی گئیں اور ہندی و سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کا کام تو پہلے ہی سے زور و شور کے ساتھ جاری تھا۔

دربار شاہی کی لامذہبی اور الحادیہ احکام کا نفاذ ہندوستان نویں صدی ہجری میں طاقتور راجہ ملک کے اکثر قطعات پر قابض و فرمانروا ہو چکے تھے اب ان کے ساتھ مسلمانوں کی رشتہ داریاں بھی شروع ہوئیں اور مغلیہ سلطنت میں ان کو وزارت عظمیٰ، سپہ سالاری اور صوبوں کی حکومتیں مل گئیں۔ ایران کے شیعہ۔ ہندوستان کے ہندو اور ملحد و بیدین نام کے مسلمان۔ ان تین قسم کے آدمیوں سے دربارِ شاہی آباد تھا۔ ان لوگوں کے سوا کسی سچے پکے مسلمان کی دربار شاہی میں مطلق گنجائش نہ تھی یہی لوگ شہروں اور صوبوں کی حکومت اور فوجوں کی سپہ سالاری پر مامور تھے۔

ایسی حالت میں اسلام کی شمالی ہندوستان میں جو حالت ہوگی اُس کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ ماہ آبان اور دوسرے مخصوص ایام تھے جن میں کوئی جانور قطعی ذبح نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قصابوں کو حکم شاہی کے موافق اچھوت قرار دیا گیا تھا ان کے ساتھ اگر کوئی دوسرا شخص کھانا کھا لیتا تو اُس کو سزا دی جاتی تھی میر فتح اللہ شیرازی جو شیعہ تھے ہندوستان کے صدر الصدور مقرر ہوئے۔ نور اللہ شوستری، حکیم ہمام، حکیم ابوالفتح وغیرہ ایرانی امرار کا اثر و اقتدار عروج کو پہونچا۔ ۹۹۹ھ میں گائے بھینس اور اونٹ کو بھی شاہی حکم کے موافق حرام قرار دیا گیا۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح بھی کتاب و سُنّت کی حمایت اور اس طوفان الحاد و بیدینی کے خلاف مصروف عمل ہو چکے تھے مگر ان بزرگوں کا مقابلہ ایسے شیطانی لشکر سے تھا جو بادشاہ وقت کی تائید و حمایت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

دکن میں شیعت کا زور شور اور شاہ طاہر شیعی مناد ادھر شمالی ہند کی یہ حالت تھی اُدھر دکن میں جہاں نسبتاً دین اسلام اور کتاب و سُنّت کا زیادہ چرچا تھا دسویں صدی ہجری کا ربع اول ختم ہوتے ہی یہ مصیبت نازل ہوئی کہ شاہ طاہر اسمٰعیلی باطنی نے آکر دکن کے سلاطین کو گمراہ اور شریعت اسلام کو خراب کرنا شروع کر دیا۔ یہ شاہ طاہر شاہ جعفر قزوینی کا بھائی اور ملاحدہ الموت کے عقیدہ کا آدمی تھا۔ اُس نے قزوین میں، اپنے پیری مریدی کے مخصوص طریقہ پر عامل ہو کر وہاں ملاحدہ کی ایک زبردست جماعت فراہم کر لی تھی۔ اس کا حال جب ایران کی صفوی سلطنت کو معلوم ہوا تو اُس کی تحقیقات شروع ہوئی۔ شاہ طاہر اپنی جماعت کو منتشر کر کے کاشان چلا گیا اور وہاں ایک مدرسہ میں بحیثیت مدرس کام کرنے لگا آخر کاشان میں بھی وہ اپنے خاص کام سے باز نہ رہا۔ صفوی دربار سے اُس کے قتل کا حکم جاری ہوا۔ شاہ طاہر کی جماعت کے آدمی دربار شاہی میں بھی موجود تھے اُنھوں نے عین وقت پر شاہ طاہر کو آگاہ کر دیا اور وہ ۹۲۶ھ میں وہاں سے فرار ہو کر ہندوستان آیا۔ گوا میں آیا۔ گوا سے بیجاپور پہونچا۔ بیجاپور کے بادشاہ کو شیعہ بنا لینے میں کامیاب ہوا لیکن اُس نے دکن میں آکر اثنا عشری شیعیت کی دعوت دی جو ایران کا شاہی مذہب تھا۔ اسمٰعیلی اور باطنی شیعیت کا اُس نے دکن میں مطلق تذکرہ نہیں کیا۔ شاہ طاہر بہت ذہین اور کثیر المطالعہ شخص تھا۔ اُس نے بیجاپور کی عادل شاہیہ سلطنت کو سب سے پہلے شیعہ بنایا۔ ۹۴۱ھ تک بیجاپور میں شیعوں کا خوب زور شور رہا لیکن ۹۴۱ھ میں جب

ابراہیم عادل شاہ تخت نشین ہوا تو اُس نے تخت نشین ہوتے ہی شیعہ مذہب ترک کر کے سُنّی طریقہ اختیار کیا اور ۹۶۵ھ تک یعنی جب تک زندہ رہا شیعوں کی مخالفت پر کمربستہ رہا۔ شاہ طاہر بھی ۹۴۱ھ میں بیجاپور سے احمدنگر کی جانب چلا گیا۔ احمدنگر کا شاہی خاندان سید محمد جونپوری کے مہدوی مسلک کا پیرو اور کتاب و سنت پر عامل تھا۔ شاہ طاہر نے دربار شاہی میں رسوخ حاصل کر کے بہت جلد اپنا اثر قایم کر لیا اور تین سال کی مسلسل کوشش کے بعد ۹۴۴ھ میں برہان نظام شاہ فرمانروائے احمدنگر کو شیعہ بنا لینے میں کامیاب ہوا۔ برہان نظام شاہ نے شیعہ مذہب اختیار کر کے خلفائے راشدین کے ناموں کو خطبہ سے خارج کر کے بارہ اماموں کے نام داخل کئے۔ تبرّا کرنے والوں کے لئے شاہی خزانے سے وظیفے مقرر ہوئے۔ مہدوی طریقہ پر قایم رہنے والوں کو قتل یا جلاوطن کیا گیا اور بہت جلد حدود ریاست احمدنگر میں شیعہ مذہب پھیل گیا۔ یہ خبر جب طہماسپ صفوی کو پہونچی تو اُس نے ۹۵۱ھ میں ایران سے نہایت قیمتی تحفے اپنے سفیروں کے ذریعہ برہان نظام شاہ کے پاس الگ اور شاہ طاہر کے پاس الگ روانہ کئے اور نظام شاہی سلطنت کے نہایت مخلصانہ تعلقات ایرانی سلطنت کے ساتھ قایم ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمایوں ایران میں طہماسپ صفوی کا مہمان تھا اور غالباً اسی لئے شیر شاہ کا ارادہ تھا کہ دکن کی اس شیعہ ریاست کو فتح کرنے کے بعد ایرانیوں کے خلاف سلطان روم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ شاہ طہماسپ صفوی نے چند مہینے کے بعد ایک سفارت گجرات کے دربار میں بھی بھیجی تھی۔ آخر شاہ طاہر ۹۵۲ھ یا ۹۵۶ھ میں بمقام احمدنگر فوت ہوا۔ اُس کے بعد ۹۶۵ھ میں بیجاپور کی سلطنت عادل شاہیہ بھی ابراہیم عادل کی وفات کے بعد پھر شیعہ ہو گئی احمدنگر اور بیجاپور کی ریاستوں کا اثر گولکنڈہ کی ریاست قطب شاہیہ اور دوسرے رؤسائے دکن نے بھی قبول کیا اور قریباً تمام اسلامی دکن میں شیعہ مذہب رواج پا گیا دسویں صدی ہجری کے خاتمہ پر دکن کی یہ حالت تھی اُدھر شمالی ہند کی وہ حالت تھی کہ شیعوں اور ہندؤں کا زور تھا اور الحاد و بیدینی کے شائع کرنے میں حکومت کی طرف سے کوشش ہو رہی تھی اسی حالت میں گیارہویں صدی ہجری شروع ہوئی۔

مجدد صاحبؒ اور دوسرے علماء حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اور گجرات کشمیر۔ سیالکوٹ۔ سہارنپور۔ قنوج۔ جونپور۔ بہار۔ دہلی۔ آگرہ وغیرہ کے بعض دوسرے علمائے ربانی

کتاب و سنت کی خدمت میں مصروف تھے لیکن حضرت شیخ احمد صاحب مجدد الف ثانیؒ نے گیارہویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ میں سب سے زیادہ کتاب و سنت کی اشاعت کا کام انجام دیا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے اکثر حصوں میں دین حق کی مشعلیں روشن ہو کر جابجا تاریکی کے پردوں میں رخنے پیدا ہوئے۔ نورجہاں اور اُس کے خاندان والوں کی حمایت میں شیعیت نے مجدد صاحب کی بابرکت تحریک کا مقابلہ کیا اور سلطنت کی طاقت نے مجدد صاحب کو گوالیار کے قلعہ میں محبوس کیا لیکن مجدد صاحب کی تحریک سید محمد صاحب جونپوری کی تحریک کے مانند خود بخود اپنے لئے راستے نکالتی رہی۔ مجدد صاحب اور شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی اولاد اور اُن کے شاگردوں نے اپنے آپ کو عرصہ دراز تک اس کام میں مصروف رکھا۔

دربار مغلیہ کا مضر اسلام اثر جہانگیر اور شاہ جہاں کا زمانہ عیش و عشرت اور سامان غفلت کی افراط کا زمانہ تھا۔ مسلمان امیروں اور صاحب ثروت لوگوں کے گھروں میں احکام شرع اور تورۂ چنگیزی مساوی حیثیت سے برتے جاتے تھے جن میں ہندوانی رسموں کی بھی بہت کچھ آمیزش ہو چکی تھی۔ صوفیوں کی گدیاں اور خانقاہیں بھی ماحول کے تمام اثرات قبول کر کے ایک خاص نئے قالب میں ڈھل چکی تھیں مگر ہر حصۂ ملک میں دنیوی اعتبار سے مفلس اور دینی اعتبار سے مالا مال لوگ بھی موجود تھے جو کتاب و سنت پر عامل اور خدا و رسول کی طرف متوجہ تھے۔ اعلیٰ طبقہ کی حالت کا صحیح اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ شاہجہاں کے بڑے بیٹے دارا شکوہ ولیعہد سلطنت نے مجمع البحرین نام کی کتاب لکھی اور اس میں قرآن مجید اور اُپنشدوں کو مساوی درجہ کی چیز ثابت کرنا چاہا بلکہ قرآن مجید کو اپنشدوں کا انتخاب بتایا۔ چنگیزیوں اور تیموریوں کی حکومت کا یہ اثر تھا کہ مسلمان گھروں میں آئین مغلیہ یعنی تورۂ چنگیزی کو حقوق و فرائض و اخلاق بلکہ بعض عبادات تک میں شریعت اسلام پر مقدم رکھا جاتا تھا یہاں تک کہ آجکل بھی اسی زمانہ کا اثر باقی ہے کہ شریف کہلانے والے گھرانوں میں اس قسم کے فقرے عام طور پر سُنے جاتے ہیں کہ

"میاں! یہ شرع تورہ کی بات ہے ہم جاہل لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں۔"

دیکھو شرع کے ساتھ تورہ کا لفظ کس طرح بطور تابع مہمل یا بطور بدل مبدل منہ استعمال ہوتا ہے۔ اگر تورۂ چنگیزی کو قانون شرع کا مرتبہ سلطنت مغلیہ نے نہ دیدیا ہوتا تو آج ہم کسی شریف اور

معزز مسلمان کی زبان سے شرع کے ساتھ تورہ کا لفظ اس طرح نہ سنتے۔ سجدۂ زمین بوس جیسے شرک اور ظلم عظیم کا ہندوستان کے کسی اسلامی دربار میں نام و نشان تک نہ تھا گیا تھا لیکن اسی مغلیہ سلطنت اور تورۂ چنگیزی کی بدولت دربار شاہی میں انسانوں کو چوپایوں کی طرح ذلیل اور مسلمانوں کو بت پرستوں کی طرح مشرک و گمراہ بنایا گیا کہ بڑے بڑے عالیجناب مسلمان سردار اور آجکل کے استخواں فروش شرفا اور آبار پرست علمار کے باپ دادا دربار مغلیہ میں روز، نہ کئی کئی مرتبہ سجدۂ زمین بوس ادا فرماتے اور ہم چشموں میں مطلق نہیں شرماتے تھے۔ اسی خلاف توحید شرکیہ رسم کا نتیجہ ہوا کہ صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں بھی سجدۂ تعظیمی نے رواج پایا اور جب کسی نے اعتراض کیا تو آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر کر کے جاہ طلب صوفیوں اور پیشہ ور مولویوں نے اس کو جائز ٹھہرایا۔

عالمگیرؒ کی مساعی جمیلہ | بہر حال گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ نے ملحد دارا شکوہ کو لحد کے تختہ تک پہونچا کر تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور اس صدی کے آخری حصہ میں نہ صرف شمالی ہند کے طوفان الحاد و بیدینی کو مٹایا بلکہ دکن کی شنیعت کا بھی جس کا تخم شاہ طاہر مذکور نے بویا تھا استیصال فرمایا۔ اگرچہ عالمگیرؒ نے کتاب و سنت کی کوئی خصوصی خدمت انجام نہیں دی لیکن یہ کیا تھوڑی بات تھی کہ اس نے تورۂ چنگیزی کی اکثر مراسم کو مٹایا اور فتاوائے عالمگیری کے نام سے فقہ حنفی کی ایک ضخیم کتاب بہت سے مولویوں کو جمع کر کے تصنیف و تالیف کرائی جو آجتک مولویوں کے ہزار ہا فتووں کا ماخذ ہے عالمگیرؒ کی کوششوں سے نہ صرف چنگیزی آئین و قوانین منسوخ ہوئے بلکہ ہندوانی اثر بھی بہت کچھ کم ہو کر اشاعت اسلام کے لئے مناسب فضا پیدا ہوئی لیکن عالمگیرؒ کی وفات کے بعد ہندوستان میں پھر طائف الملوکی برپا ہوئی اور ہر طرف سے تلواروں کی چمک نظر آنے لگی تڑپتی ہوئی لاشوں سے خون کے فوارے، غارت شدہ بستیوں سے دھوئیں کے بادل اور مظلوموں کے نالہ و فغاں ملند ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ | بارہویں صدی ہجری کے شروع میں قاضی حبیب اللہ ابن عبد الشکور بہاری قاضی صوبہ بہار المخاطب بہ فاضل خاں۔ میر سید مبارک محدث بلگرامی۔ خواجہ محمد نقشبند نبیرۂ مجدد صاحب الف ثانی۔ شاہ محمد فاخر الہ آبادیؒ۔ شیخ احمد ایمٹھوی المعروف بہ

ملا جیونؒ۔ شیخ ابوالفیض عبدالرحیم صاحب دہلویؒ۔ میر عبدالجلیل ابن سید احمد بلگرامیؒ۔ میرزا جانجاناں مظہر دہلویؒ۔ ملا نظام الدین ابن ملا قطب الدین لکھنویؒ۔ شیخ محمد افضل سرہندیؒ۔ شیخ نورالدین گجراتیؒ وغیرہ بہت سے علمائے ربانی ہندوستان کے مختلف حصوں میں موجود تھے لیکن اس افراتفری اور بے اطمینانی کے زمانہ میں کتاب وسنّت کی اشاعت کا جو کام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدثؒ دہلوی نے کیا وہ کسی دوسرے سے ممکن نہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب ممدوحؒ نے ہندوستان میں سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ لکھا اس ترجمہ کے شائع ہوتے ہی ہر طرف سے مخالفت کا شور برپا ہوا۔ اور مولویوں نے شاہ صاحب کی تکفیر تک نوبت پہونچائی۔ شاہ صاحب نے اس جوش مخالفت میں حج کا ارادہ کیا اور دو سال تک ہندوستان سے غیر حاضر رہے مکہ معظمہ میں قیام فرما کر حج ادا کئے اس کے بعد ہندوستان واپس آئے تو مخالفت کا جوش فرو ہو چکا تھا۔ واپس آکر شاہ صاحب کو کتاب وسنت کی اشاعت وتبلیغ کا آزادا اور وسیع موقع ملا یہی وہ زمانہ تھا کہ نادر شاہ ایرانی نے ایران میں جعفری مذہب ایجاد کیا جس کو شیعہ مذہب کی ایک اصلاح شدہ حالت کہنا چاہئے۔ اسی زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب نے نجد میں شرک وبدعت کے استیصال اور کتاب وسُنّت کی اشاعت کے لئے زبردست تحریک شروع کی اور بعض سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کو محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کے خاندان والوں کی مخالفت کرنی پڑی ہے۔ ہندوستان میں آصف جاہ صوبہ دار دکن صفدر جنگ صوبہ دار اودھ۔ نواب بنگش والی فرخ آباد۔ افغانان روہیلکھنڈ۔ صوبہ دار پنجاب سب خود مختار ہو چکے تھے۔ سندھ۔ ملتان۔ گجرات۔ مالوہ۔ بنگال۔ کشمیر وغیرہ کی بھی یہی حالت تھی۔ مرہٹوں نے بھی اودھم مچا رکھی تھی۔ راجپوتانہ بھی آزاد ہو چکا تھا۔ انگریز بھی بنگال ومدراس وبمبئی میں اپنی طاقت بڑھانے اور ملک پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ میسور میں سلطان حیدر علی بھی اپنی سلطنت قائم کرنے کے لئے سامان فراہم کر رہے تھے۔

اودھ اور روہیلکھنڈ کی جنگ دراصل شیعہ سُنّی کی جنگ تھی روہیلکھنڈ کے پٹھانوں کو دہلی سے خاص تعلق اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے خصوصی عقیدت تھی جس کے اسباب بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ لہٰذا روہیلکھنڈ میں کتاب وسُنّت کی اشاعت اور اس پر عملدرآمد کا زیادہ موقع ملا۔ صفدر جنگ حاکم اودھ چونکہ شیعہ اور ہندوستان بھر کے شیعوں کا پیشوائے اعظم

کہا جا سکتا تھا لہٰذا اودھ اور روہیلکھنڈ کی جس قدر لڑائیاں ہوئیں اُن کا اصل سبب یہی مذہبی اختلاف تھا۔ اس مذہبی اختلاف بلکہ مخالفت نے بڑا طول کھینچا۔ نجیب الدولہ فرمانروائے نجیب آباد اور حافظ رحمت خاں فرمانروائے بریلی متبع کتاب وسنّت اور شیعیت سے سخت متنفر تھے نجیب الدولہ نے دارانگر میں برلب دریائے گنگ ایک عالیشان مدرسہ تعمیر اور جاری کرکے دینی تعلیم کو روہیلکھنڈ میں خوب رواج دیا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں حاکم بریلی نے شیعہ مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی۔ صفدر جنگ نے اپنے سُنّی ہمسایوں سے انتقام لینے اور روہیلکھنڈ وفرخ آباد کو برباد کرانے کے لئے مرہٹوں کو شمالی ہند میں فوجیں لانے کی ترغیب دی اور روہیلکھنڈ کے سُنّی پٹھانوں نے مرہٹوں کے مقابلہ میں اپنی پوری طاقتیں صرف کیں۔ آخر دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ ہوا۔ احمد شاہ دُرّانی کی آمد اور پانی پت کی تیسری عظیم الشان جنگ نے مرہٹوں کا زور توڑا اور چند روز کے لئے اودھ کے شیعوں اور صفدر جنگ کے جانشین شجاع الدولہ کو مرعوب وخاموش ہونا پڑا لیکن پھر فوراً ہی مذہبی عصبیت بلکہ تعصب جوش میں آیا۔ مرزا نجف خاں تربیت کردہ شجاع الدولہ نے دہلی میں بادشاہ پر اپنا اثر قایم کیا۔ شجاع الدولہ نے انگریزی فوجوں کو اپنی مدد کے لئے بُلایا۔ نجف خاں اوّل شاہی فوجیں لیکر دہلی سے نجیب آباد کی طرف روانہ ہوا اور چند روز کے بعد شجاع الدولہ انگریزی لشکر کے ساتھ بریلی کی طرف بڑھا۔ تمام روہیلکھنڈ کو روند ڈالا اور ان پٹھانوں کی بربادی کے ساتھ ہی دہلی کی سلطنت اسلامیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ بارھویں صدی ہجری کے آخر میں روہیلکھنڈ کے پٹھان انگریزوں اور اودھ کے شیعوں کی متفقہ کوشش سے برباد ہوئے اور اس کے بعد ہی تیرھویں صدی کے ابتدائی حصّہ میں سلطان حیدرعلی کی قایم کی ہوئی زبردست سلطنت نظام حیدرآباد اور انگریزوں نے ملکر برباد کی اور ٹیپو سلطان ابن حیدرعلی کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ (البقرہ۔ رکوع ۱۹) اور انگریزوں نے دہلی پر اپنا قبضہ قایم کیا۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی اسی قسم کے حالات پیش آئے اور پنجاب کے سوا باقی تمام ہندوستان میں انگریزوں کی سیادت قایم ہوگئی۔

تیرھویں صدی کے مجاہدینِ اسلام | اس تیرھویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے قرآن مجید کے لفظی

اور بامحاورہ دونوں قسم کے ترجمے اردو زبان میں کئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی نے درس حدیث کا سلسلہ جاری کر کے تمام ہندوستان کو سیراب کیا۔ آج ہندوستان میں جہاں کہیں حدیث کے درس کا سلسلہ جاری نظر آتا ہے وہ حضرت شاہ صاحب ممدوح ہی کے فیض کا نتیجہ ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اور حضرت مولانا عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے تیرھویں صدی ہجری کے ابتداء میں دین اسلام کی بہت خدمت کی۔ اسی زمانے میں سکھوں نے پنجاب کی مسلم آبادی کے لئے ارکان اسلام کا بجالانا غیر ممکن اور اُن کا مسلمان رہنا دشوار بنا دیا لہٰذا حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ حضرت مولانا عبدالحیٰ صاحب اور ان بزرگوں کے دوستوں نے ہندوستان سے افغانستان کے سرحدی علاقہ میں ہجرت کی اور وہاں سے سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ صاحبؒ اور سید صاحبؒ شہید ہوئے ان کی جماعت اور ان کے متبعین کا سلسلہ تو آجتک سرحدی علاقہ میں موجود پایا جاتا ہے لیکن سکھوں کی حکومت وسلطنت عرصہ دراز ہوا کہ ختم ہو چکی ہے۔

تبصرہ اس تمام داستان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ ملحدوں۔ بے دینوں۔ بدعتیوں مشرکوں اور خود مسلمانوں کے برپا کئے ہوئے فتنوں سے مسلمان امین و مطمئن بیٹھے ہوں اور شریروں نے اپنی شرارت اور شیطانوں نے اپنی شیطنت اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں پوری طاقت کے ساتھ صرف نہ کی ہو اور کفر و اسلام یا ظلمت و نور کی یہ جنگ کبھی ملتوی ہوئی ہو۔ خاص بات جو قابل التفات اور خصوصی توجہ کی مستحق ہے یہ ہے کہ کفر و ظلمت اور شیطانی طاقتوں نے ہر ملک اور ہر زمانے میں نئے نئے چہرے بدل کر اور نئی نئی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو ہو کر اسلام کے مقابلہ میں صف آرائی کی اور اپنی پوری طاقت سے کام لیا اور بہ ظاہر دین حق کمزور اور مغلوب ہو کر کوئی دم کا مہمان نظر آیا لیکن پھر سنبھل کر اسی شان اور اسی آن بان سے مقابلہ پر مستعد دیکھا گیا مسلمانوں کی بڑی تعداد ہمیشہ فریب کھائی اور طاغوتی طاقتوں کے بہکانے سے بہکتی اور راہ راست سے بھٹکتی رہی لیکن ایک چھوٹی تعداد ہمیشہ قرآن وحدیث یعنی کتاب وسنت کو تھامے ہوئے صراط مستقیم پر قائم رہی۔ شیطانی اور طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں ہمیشہ ایک ہی ہتھیار اور ایک ہی سامان نے کام دیا اور وہ کتاب وسنت کے سوا دوسری چیز نہ تھی۔ عیسوی۔ موسوی۔ زردشتی۔ بودھ۔ برہمنی وغیرہ مذاہب کی

تاریخ پر غور کرو اور سوچو کہ ان مذاہب پر جب کبھی کوئی افتاد پڑی اور ان مذاہب کے ماننے والوں میں کسی بدعت نے رواج پایا تو پھر وہ لوگ اُس بدعت سے جُدا ہو کر اپنے اصل مذہب کی طرف ہرگز واپس نہ آسکے اور دمبدم اپنے اصل مذہب اور اصل عقائد سے دور و مہجور ہوتے گئے اور مذہبی عقائد سے اسقدر مسخ و متغیر ہو گئے کہ آج اُن مذاہب کی حقیقت و اصلیت کا معلوم کرنا سراسر محال اور غیر ممکن ہو گیا ہے لیکن اسلام اپنی اس خصوصیت میں بالکل منفرد اور یکہ و تنہا ہے کہ اُس پر ہزاروں ایسے طوفان آئے کہ اُن میں کا صرف ایک ہی طوفان کسی دوسرے مذہب کو فنا اور مسخ کر دینے کے لئے کافی تھا لیکن اسلام کا ایک خط و خال اور ایک بال بھی متغیر نہیں ہوا وہ اپنی پوری اور مکمل حالت میں ہمیشہ موجود اور جلوہ گر رہا ہے اور آج بھی اُسی پورے اور مکمل اسلام تک ہر شخص کی رسائی ہو سکتی ہے جو آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانہ کا اسلام تھا۔ اور اسی لئے یہ نتیجہ استقرائیہ خود بخود بر آمد ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح بڑے بڑے فتنے اور طوفان برپا ہوتے رہیں گے لیکن اسلام کو وہ ہرگز ہرگز متغیر نہ کر سکیں گے اور اسی تصور کے ساتھ آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (الحجر۔ رکوع ۱) کی صداقت ذہن نشین ہو سکتی اور اُس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آسکتا ہے جس میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک صراط مستقیم پر قائم رہے گا۔ نیز ہر ایک اُس شخص کے لئے جو فلاح دارین کا خواہاں رضائے الٰہی کا طالب اور مقصد زندگی کو حاصل کرنا چاہتا ہے ہر وقت موقع حاصل ہے کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے اور اپنی عقل و فہم کی تگ و تاز اور بلند پروازیوں کے لئے نہایت وسیع میدان اور نہایت بلند و بسیط فضا پا کر تسکین خاطر اور اطمینان کامل پائے۔ اسی ہمارے موجودہ زمانہ میں جو جو فتنے اور طوفان شیطانی طاقتوں نے برپا کر رکھے ہیں اُنکی حقیقت و اصلیت سے واقف ہونا بے حد ضروری اور ہمارے فرائض میں داخل ہے کیونکہ بیماری کی تشخیص کے بعد ہی مریض کے لئے پرہیز۔ نسخے کے اجزا اور اجزا کے اوزان متعین کئے جا سکتے یعنی کتاب و سنت کی طرف متوجہ ہونے کی ترکیب بتائی جا سکتی ہے۔

باب پنجم

چند بے ترتیب مگر ضروری باتیں

مسلمانوں کی بداعمالیوں اور آجکل کے فتنوں کی تعداد حدشمار سے بیرون وافزوں ہے۔ سب کا استیعاب و استقرا ممکن اور نہ اس محنت شاقہ کی ضرورت۔ اس جگہ محض مثال کے طور پر بعض باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

تقلید جامد اگر ہم اپنے ماں باپ اور اساتذہ کی تقلید نہ کرتے تو آج انسانیت کی نہایت ابتدائی ضرورتوں سے بھی محروم ہوتے۔ ہم میں ہوش وحواس کے پیدا ہونے سے پہلے تقلید یعنی دوسروں کے نمونہ پر کام کرنے اور نقل اُتارنے کا مادہ موجود تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اپنی مادری زبان بھی نہ سیکھ سکتے۔ اگر استاد کے ہر ارشاد کی بلادلیل تعمیل نہ کرتے تو الف۔ ب یعنی حروف ہجا سے بھی واقف نہ ہوتے کتابوں کا پڑھنا اور لکھنا تو بڑی بات تھی۔ ہمارا کھانا پینا، پہننا، چلنا، پھرنا، روزی کمانا اور تمام ضروریات زندگی کا فراہم کرنا اسی تقلید سے وابستہ ہے۔ مکتب یا مدرسہ میں استاد کی تقلید ہماری دماغی و اخلاقی نشوونما کا موجب بنتی ہے۔ ہر ایک علم اور ہر ایک فن کی اصطلاحات ومبادیات اگر تقلیدی طور پر بلاچون وچرا یاد نہ کیجائیں تو کوئی علم وفن حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ لغات ومحاورات کے معانی ومطالب اگر مقلد بنکر نہ سیکھیں تو عربی و فارسی وغیرہ کی زبان میں زباں داں نہیں بن سکتے سانپ اور سنکھیے کا موجب ہلاکت اور بہت سی دواؤں کا موجب شفائے امراض ہونا بھی ہمکو تقلیدی طور پر معلوم ہوا۔ میدان جنگ میں لڑنے والی فوج اگر اپنے سپہ سالار کے ہر ایک حکم کی بلاچون وچرا تعمیل نہ کرے تو کبھی فتحمند نہیں ہوسکتی اور ذمہ دار حاکموں کے ماتحت اہلکار اگر احکام کی بلا دلیل تعمیل نہ کریں تو ملک کا انتظام وامن وامان ہرگز قایم نہیں رہ سکتا۔ غرض ہماری تمام جسمانی، روحانی دماغی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی ترقیات وکمالات کی بنیاد تقلید اور بلاچون وچرا تقلید پر رکھی گئی ہے۔ یہاں تک کہ خداتعالیٰ کی رضامندی بھی اسی اتباع و تقلید کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورہ حشر رکوع ۱) پس معلوم ہوا کہ کم جاننے والوں کے لئے اپنے آپ سے زیادہ جاننے والوں کی تقلید کرنا اور اس ذریعہ سے ترقی کے منازل کا طے ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور یہی تقلید تمام انسانی ترقیات کا موجب ہوئی ہے لیکن اگر وہ مقتدا جسکی تقلید کی جاتی ہے خود غلطی پر ہو یا دانستہ ہمارے سامنے اپنا غلط نمونہ پیش کرے تو

اسی تقلید کی بدولت ہم گمراہ اور غلطی میں مبتلا ہو سکتے اور بجائے اس کے کہ کامیاب و منفعت اندوز ہوں الٹا کافی خسران کا منہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ گنواروں کے بچے شہریوں کی صاف و شستہ زبان سیکھنے سے محروم رہتے وحشیوں اور جنگلی لوگوں کی اولاد مہذب اور شایستہ لوگوں کے اخلاق و معاشرت سے بے بہرہ رہتی ہے۔ بری صحبت میں بیٹھنے والے بری باتیں سیکھتے اور اچھی صحبتوں میں رہنے والے نیک بنجاتے ہیں اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے کُونُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ہ کا حکم دیا ہے۔ پس جبکہ تقلید میں مذکورہ خطرہ و نقصان بھی موجود ہے تو اسکی حدود کا تعین لازمی ہوا۔ غور و تامل سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان کے قویٰ جب تک کمزور رہتے ہیں اور وہ حد بلوغ کو نہیں پہونچتا اور اسمیں کارآمد عقل اور سمجھ پیدا نہیں ہوتی اسوقت تک وہ اضطراری طور پر مقلد ہوتا اور اس اضطراری تقلید سے ہر قسم کا منافع حاصل کرتا ہے۔ لیکن جب اس میں عقل و فراست پیدا ہوجاتی ہے تو اسکی تقلید کا مرتبہ اختیاری ہوجاتا ہے اور عقل کو کام میں لائے بغیر اگر وہ کسی کی تقلید کرتا ہے تو نقصان اٹھاتا ہے وہ تمام امور جو انسان کے لئے نفع و نقصان اور ترک و تسلیم میں کوئی اہمیت رکھتے ہیں اُسکے بالغ اور سمجھدار ہونے کے بعد ہی اُس کے راستے میں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عقل اور سمجھ کے موجود ہوئے بغیر یعنی بالغ ہونے سے پہلے یا دیوانہ ہوجانے کے بعد انسان احکام شرع کی تعمیل سے آزاد ہوتا ہے عقل و فہم کے ساتھ اختیار و ارادہ معتبر اور اختیار و ارادہ کے معتبر ہونے کے ساتھ ہی حدود و شرعیہ کی پابندی لازم ہوجاتی ہے۔ اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ ناسمجھ بچے اضطراری طور پر جس تقلید کیلئے مجبور ہیں اُس کو تقلید جامد کہتے ہیں اور وہ بے عقل اور ناسمجھ لوگوں کے لئے کارآمد اور مفید ہے اور وہ حدود شرع سے باہر کی چیز ہے عقل اور فہم و فراست کو کام میں لاکر نفع رساں اور ضروری چیزوں کے سیکھنے اور کسی کی پیروی کرنے کو حصول ہدایت اور اتباع و اطاعت کہتے ہیں اور یہ حدود شرع سے عموماً باہر نہیں ہوتی شریعت اسلام میں تقلید کی حیثیت و حقیقت کیا ہے؟ موجودہ اصطلاحی تقلید جو فقہی مذاہب اربعہ اور ائمہ اربعہ کے ساتھ مخصوص و محدود ہے آیا واجب ہے یا کیا؟۔ اجتہاد اور مجتہد کی تعریف و حدود کیا ہیں؟ قیاس اور رائے میں کیا فرق ہے؟ اور اُن کو کام میں لانے کی کہاں تک اجازت ہے؟ حیلۂ شرعی اور بدعت حسنہ کی حقیقت کیا ہے؟ ان تمام سوالات کے جواب میں میں ایک الگ مستقل کتاب لکھنے کا عزم رکھتا ہوں لہٰذا اس کتاب میں تقلید کی مذہبی بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں اس جگہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جسطرح دنیوی تقلید جامد عاقل بالغ انسانوں کے گلے کا ہار بنکر انواع و اقسام کے مصائب کا موجب بنتی ہے اسیطرح دینی و مذہبی تقلید جامد بھی باعث اذیت اور موجب نقصان ہوجاتی ہے۔ ذیل میں دنیوی تقلید جامد کی چند مثالیں درج کرتا ہوں جو یقیناً فہم مطلب میں معین اور دلچسپی سے خالی نہونگی۔

(۱) میں نے ایک بزرگ سے جنھوں نے درد سر وغیرہ کی شکایت کی تھی عرض کیا کہ موسم سرما میں آپ جرابیں ضرور استعمال کریں تاکہ پاؤں گرم رہیں اور آپ کو درد سر کی شکایت نہ ہو انھوں نے اس سے انکار کیا میں نے طبی اعتبار سے نہایت واضح دلائل کے ساتھ اُن کو سمجھایا کہ اس موسم سرما میں پاؤں کے سرد رہنے کا دماغ پر کیا اثر ہوتا ہے مگر وہ جرابیں پہننے پر رضامند نہ ہوئے۔ میں نے کہا اچھا آپ کشمیرے کا گرم پاجامہ

پہنیں تاکہ پاؤں کا اکثر حصہ گرم رہ سکے انھوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادا نے کبھی جرابیں نہیں پہنیں اور نہ کبھی پاجامہ کا کبھی استعمال نہیں کیا لہذا ہم اپنی خاندانی روایات کے خلاف کوئی لباس ہرگز اختیار نہ کرینگے اور ہماری شرافت و وضعداری تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی کسیطرح اجازت نہیں دیتی میں نے عرض کیا کہ آپ کے دادا صاحب کے زمانے میں یہ لٹھا کہاں تھا جس کا آپ پاجامہ پہن رہے ہیں اور چھینٹ کہاں تھی جس کا روئی دار اچکن زیب بدن کئے ہوئے ہیں۔ یہ سنکر وہ ناراض ہو گئے اور ان کے رضامند کرنے میں مجھے بڑی دقت پیش آئی۔

(۲) ایک دوست پر ستمبر مہینے کے موسمی بخار کا اثر ہوا میں نے از راہ ہمدردی عرض کیا کہ آپ دونوں وقت کھانا کھانے کے بعد پانچ گرین کونین یا اسکی گولی استعمال فرمالیا کریں انھوں نے کہا کہ کونین کو تو بڑی گرم آتش بتاتے ہیں میں نے کہا کہ آپ اوّل اسکو ہاتھ پر لگا کر دیکھ لیں اگر آپ کا ہاتھ نہ جلے اور گرم معلوم نہ ہو تو کھائیں کہا میرا مدعا ظاہری گرمی سے نہیں ہے بلکہ اسکی تاثیر گرم ہے میں نے کہا اسکی تاثیر ملیریا بخار کے مادہ کو زائل کرنے کی ہے گرم اور سرد تاثیر بے حقیقت باتیں ہیں۔ کہا میں نے آجتک کوئی انگریزی دوا نہیں کھائی کیونکہ ساری انگریزی دوائیں گرم آتش ہوتی ہیں اور انسان کو پھونک دیتی ہیں میں نے کہا انگریزی دواؤں کا اس لئے کہ وہ انگریزی یعنی غیر ملکی ہیں استعمال نہ کرنا تو قابل قدر ہو سکتا ہے لیکن سب کا گرم آتش ہونا اور انسان کو پھونک دینا صحیح نہیں اور آپکے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل بھی نہیں کہا سارے محلہ میں یہاں سے وہاں تک دریافت کر دیکھو ہر شخص میرے قول کی تصدیق کریگا اور ہمارے بڑے بوڑھے اور پرانے طبیب احمق تو نہ تھے کہ وہ عطاروں کی دوکان کے جوشاندے اور شربت وغیرہ ہی استعمال کرتے رہے میں نے کہا کہ بڑے بوڑھے اور پرانے طبیب تو احمق نہ تھے مگر آپ کی حماقت اگر یقینی نہیں تو تحقیق طلب ضرور ہے وہ اتنی ہی بات پر مجھ سے روٹھ گئے۔

(۳) دوستوں کی ایک بے تکلف مجلس میں اتفاقاً میری زبان سے یہ شعر نکلا ؎

تبسم می چکد بے اختیار از غنچہ نارش لب میگون ساقی چشم مخمور است بیداری

ایک دوست نے فوراً اعتراض کیا کہ یہ تشبیہ بالکل غلط اور نادرست ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ کہا اگر صحیح ہو تو استادوں کے اور اشعار ثبوت میں پیش کرو میں نے کہا مجھے کوئی ایسا شعر یاد نہیں لیکن اگر استادوں کے ایسے اشعار ملجائیں تو سب سے قدیم اور سب سے پہلے استاد کے لئے صحت کی دلیل کیا ہوگی؟ اسکا جواب اُن کے پاس کچھ نہ تھا۔

(۴) میں نے ایک بزرگ کو خط لکھا اُس میں بجائے آداب و تسلیمات کے السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ لکھا انھوں اسکو گستاخی شمار کیا اور لوگوں سے شکایت کی کہ چھوٹے ہمیشہ بڑوں کو آداب و تسلیمات لکھا کرتے ہیں اور قدیم سے یہی دستور چلا آتا ہے آجکل کے چھوٹے برابر والوں کی طرح بڑوں کو السلام علیکم و رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ سنا ہے کہ انکو کسی قصائی نے جو نماز روزہ کا پابند اور اپنی برادری کا چودھری بھی تھا السلام علیکم کہا انھوں نے اسکو اپنی توہین سمجھا اور قصائی کو گالیاں دیکر مارنے کے لئے اٹھے لوگوں نے بمشکل قصائی کو بچایا اور ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اسقدر ناراضی کی کیا بات تھی انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ جھک جھک کر "میاں سلام" کہا کرتے تھے اب یہ برابر والوں کی طرح "السلام علیکم" کہنے لگے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(۵) میرے ایک دوست اپنا مکان تعمیر کرا رہے تھے اور جو حصہ زیرِ تعمیر تھا اُس میں پختہ اینٹیں چونے کے ذریعہ لگائی جا رہی تھیں چونے والی تعمیر میں اینٹوں کا اول پانی میں کچھ عرصہ تک بھیگا رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ اینٹ اور چونے میں تعلق پائدار و استوار ہو جائے میں اتفاقاً دہاں چلا گیا اور دیکھا کہ ایک تغار یعنی چھوٹا سا عارضی حوض صحن میں بنا ہوا ہے اُس کے چاروں طرف ایک ایک اینٹ کھڑی کرکے چونے سے جوڑی گئی ہے اور اسمیں پانی بھر کر اینٹیں بھیگنے کے لئے ڈال دی گئی ہیں لیکن تغار کا پانی کسی سوراخ کے ذریعہ جلد باہر نکل جاتا یا زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ سقا جس کنوے سے مشکیں بھر بھر کر لاتا اور اُسمیں ڈالتا ہے وہ کنواں ذرا فاصلہ پر ہے لہذا سقہ ہر مرتبہ جب پانی کی مشک لاتا ہے تو اُس تغار میں کسی سوراخ کو تلاش کرتا ہے تاکہ اُسے بند کرے اور پانی اس طرح ضائع ہونے سے بچے۔ میں نے یہ تماشا دیکھا اور اپنے دوست سے کہا کہ جسقدر اینٹیں آپ کے اس عارضی حوض میں آسکتی ہیں اُس سے زیادہ تعداد اُس لوہے کے عظیم الشان کڑھاؤ (بڑی کڑھائی) میں آسکتی ہیں جو اسوقت بیکار پاخانے کی دیوار سے لگا ہوا کھڑا ہے آپ اس کڑھاؤ کو پانچ چھ آدمیوں سے سیدھا کرا کر اس حوض کے پاس یا اس کے اندر رکھوا دیں اور اینٹیں اسی میں بھگوئیں اس طرح پانی زیادہ خرچ نہ ہوگا اور آپ کا مقصد زیادہ خوبی سے حاصل ہو سکیگا۔ اُنھوں نے فرمایا ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن قدیمی دستور یوں ہی چلا آتا ہے کہ اینٹیں تغار ہی میں بھگوئی جائیں میں سنکر خاموش ہو رہا اور کوئی دوسرا ذکر چھیڑ دیا۔)

(۶) جس زمانے میں رسالہ عبرت جاری تھا تبادلہ میں بعض زرعتی رسالے بھی آیا کرتے تھے اور مجھکو کبھی کبھی اُن کے پڑھنے کا موقع بھی ملجاتا تھا۔ پنجاب کے بعض اضلاع میں زمین جوتنے کے لئے نئی قسم کے ہل ایجاد ہوئے ہیں جن کے ذریعہ تھوڑی محنت میں زیادہ زمین تیار ہو جاتی ہے۔ اُن ہلوں اور اُن کے پرزوں کی الگ تصویریں بھی ایک رسالہ میں موجود تھیں۔ میں نے از راہ ہمدردی ایک صاحب کو جو کاشتکاری کرتے تھے ہلوں کی مذکورہ تصویریں دکھائیں اُنکے استعمال کرنے کے طریقے پڑھکر سنائے۔ ہلوں کی قیمت اور اُن کے ملنے کا پتہ بھی بتایا اور کہا کہ تم اس نئے ہل کو استعمال کرکے فائدہ اُٹھاؤ۔ اُنھوں نے سب باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا اور اس طرح فائدہ ہونے کی توقع بھی ظاہر کی لیکن اپنی مجبوری بڑی حسرت کے لہجہ میں اس طرح ظاہر کی کہ ہمارے خاندان میں کئی پشتوں سے کھیتی کا پیشہ چلا آتا ہے۔ ہمارے باپ دادا نے جس قسم کے ہلوں سے کام لیا ہے ہم اُس کے خلاف دوسری قسم کے ہل کیسے استعمال کر سکتے ہیں اور اگر استعمال کرینگے تو دوسرے ہمسایہ کاشتکار بھی معترض ہونگے اور ہمارا مذاق اُڑائینگے۔

اس قسم کی سیکڑوں ہزاروں مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں اور یہ سب تقلید جامد کے کرشمے ہیں جنھوں نے لوگوں کو عقل ہوتے ہوئے بے عقل اور بینائی ہوتے ہوئے نابینا بنا رکھا ہے۔ اب سوچنے اور غور کرنے کی قابل بات یہ ہے کہ کیا ایسے ہی لوگوں کو خدا تعالیٰ خلافت حکومت اور سلطنت و بادشاہت عطا کردیا کرتا ہے اور کیا صحابہ کرامؓ نے اسی قسم کی دماغی نشوونما اور تربیت پائی تھی اور کیا اس طوفان کو کم کرنے کے لئے سعی و کوشش کی ضرورت نہیں؟ اور کیا مسلمان بنانا سب سے مقدم اور اہم کام نہیں؟۔

اطاعت وفرمانبرداری

چونکہ کمزور اور مجبور بچے کو اپنے آپ سے زیادہ طاقت رکھنے والے بااختیار والدین یا دوسرے بزرگوں کی تقلید کرنی پڑتی ہے جو اس سے محبت بھی کرتے اور اُس کے محسن بھی ہوتے ہیں لہٰذا انسانی فطرت میں یہ بات مرتکز پائی جاتی ہے کہ ہر ایک طاقتور اور ہر ایک محسن و محب اس قابل ہے کہ اُس کی تقلید و پیروی کیجائے۔ انسانی فطرت کے اسی تقاضے کو مدنظر رکھکر خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت والدین کو ضروری قرار دیتے ہوئے بھی اپنی طاقت و قدرت اور اپنے احسانات کی طرف انسان کو توجہ دلائی اور اُس سے اپنی فرمانبرداری چاہی ہے۔ انسان جسطرح دوسروں کی طاقت و احسان سے متاثر ہوکر اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ ہو جاتا ہے اسیطرح وہ اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ طاقتور اور دوسروں کا محسن یقین کرتا ہوا اُن سے اپنی اطاعت چاہتا ہے۔ چنانچہ باپ کو بیٹے سے۔ استاد کو شاگرد سے۔ بادشاہ کو رعایا سے اور ہر حاکم کو محکوم سے اطاعت و فرمانبرداری کی توقع ہوتی ہے۔ جب کئی طاقتوروں کی طاقتوں اور کئی محسنوں کے احسانات میں مقابلہ پیش آجائے تو عقل کا فیصلہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ سب سے بڑے طاقتور اور سب سے بڑے محسن کو دوسرے طاقتوروں اور دوسرے محسنوں پر مقدم رکھا جائے اور تضاد واقع ہو تو بلا تامل بڑے کی فرمانبرداری اختیار کرکے چھوٹے کی اطاعت سے انکار کر دیا جائے۔ لیکن جب بڑے اور چھوٹے میں امتیاز نہ کیا جائے گا تو انسان لازماً صراط مستقیم اور مقتضائے عقل سلیم سے جدا ہو جائیگا شریعت اسلام انسان کو بتاتی اور سمجھاتی ہے کہ خدا کی برابر کوئی طاقتوں کا مالک نہیں اور خدا کی مانند کوئی محسن نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر مقدم رکھو اور خدا تعالیٰ ہی کے حکم کی موافق اس کے رسول کی اطاعت اور اُسی کے حکم کی موافق ماں باپ اور اولوالامر کی فرمانبرداری کرو یہی عقل کا تقاضا اور یہی نورِ فراست کا مقتضا ہے۔ لیکن انسان جب عقل اور شریعت کی روشنی سے کام لینا اور فائدہ اٹھانا چھوڑ دیتا ہے تو شیطانی و نفسانی تاریکیوں میں آوارہ ہوکر خدا تعالیٰ کے صفاتِ حسنہ کاملہ کے یقین سے جدا ہوکر شرائط ایمان کو برباد کر دیتا اور ہوائے نفسانی کی موجوں میں بہنے لگتا ہے۔ زبان سے ہستی باریتعالیٰ کا اقرار اور اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتا ہے لیکن اس کا دل اس کی زبان سے اور اس کا ایمان اس کے اسلام سے موافق نہیں ہوتا۔ اپنے دنیوی فائدے کے لئے جھوٹ بولنے۔ اپنے رشتہ دار و لواحقوں کی بیجا حمایت کرنے۔ معمولی عذر پر نماز ترک کر دینے۔ سود لینے زکوٰۃ نہ دینے اور دنیا کو دین پر مقدم رکھنے میں تامل نہیں کرتا۔ ایسے شخص کی نمازیں اور روزے۔ اُس کا مسلمانوں کا سا نام۔ مسلمانوں کا سا لباس مسلمانوں کی سی صورت اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے بلکہ یہ تمام چیزیں اس لئے ہوتی ہیں کہ مسلمانوں سے اور برادری سے ڈرتا اور اپنے مجلسی حقوق قایم رکھنے کی خواہش کو پورا کرتا ہے اس کو خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے صفات حسنہ کاملہ کا یقین رکھتا ہوا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو ضروری سمجھتا تو اپنی خواہشات نفسانی کو خدا و رسول کی اطاعت کے مقابلے میں ہرگز مقدم نہ ٹھہراتا۔

اسلاف پرستی

جب انسان حقیقت ایمان و اسلام اور فرمانبرداری الٰہی سے بے پروا اور خدا ہوکر اِدھر اُدھر ٹاپک ٹوئیے مارتا اور خواہش نفس و شیطانی کے آگے آگے ہو لیتا ہے تو

اُس کے نزدیک سب سے بڑا سہارا اپنے خاندان اور قبیلہ کی عصبیت میں پناہ لینا۔ اپنے بزرگوں کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرنا اور اپنے اعمال ناپسندیدہ کو شائستہ ثابت کرنے کے لئے شرعی جواز کی صورتیں کسی نہ کسی طرح پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے سامنے جب کبھی خدا و رسول کے صاف صاف احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ کبھی اپنے دادا یا پردادا کا نام لیتا۔ کبھی اپنے دادا اُستاد اور بڑے مولوی صاحب مرحوم کا حوالہ دیتا۔ کبھی آیات و احادیث کے الفاظ کا مفہوم اپنے حسب منشا متعین کرتا۔ کبھی اپنی مانند گمراہ شدہ گزشتہ لوگوں کو اپنا بزرگ مقتدا کہکر اُن کی پیروی و تقلید کو ضروری بتاتا اور کبھی کسی بزرگ کا کوئی بلادلیل قول پیش کرکے قرآن و حدیث اور فہم و خرد سے یہ کہکر صاف صاف بغاوت اختیار کرلیتا ہے کہ ہمارے بزرگ تم سے زیادہ شریعت سے واقف اور تم سے زیادہ قرآن و حدیث کے عالم تھے۔ ایک مرتبہ اسی قسم کے ایک شخص سے میری گفتگو بعض شرکیہ و بدعیہ مراسم کے متعلق ہوئی جب وہ ہر طرح لاجواب اور مجبور ہوگیا تو اُس نے آخر میں یہی سب سے بڑی دلیل پیش کی کہ ہمارے بزرگ شریعت سے ناواقف نہ تھے اور وہ ان مراسم کو بجالاتے تھے۔ میں نے کہا کہ اپنے پوتوں اور پڑپوتوں کے لئے تم بھی ایسے ہی بزرگ قرار پاؤگے جیسے آج اپنے دادا اور پردادا کو تم اپنا قابل اقتدا بزرگ قرار دے رہے ہو حالانکہ اسوقت تمہاری بے بضاعتی اور جہالت ثابت شدہ ہے۔ پس کیوں نہ یقین کیا جائے کہ جس طرح تمہارے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے اسی طرح تمہارے باپ دادا کے پاس بھی ان بداعمالیوں کی کوئی دلیل نہ تھی۔

درحقیقت ایسے ہی لوگ شیطان کی کھیتی بلکہ اُس کی ذریت اور اعوان و اخوان ہوتے ہیں۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا بار بار ذکر کیا اور ہر ایک نبی کو اسی قسم کے دشمنوں اور منکروں سے واسطہ پڑا ہے جیسا کہ آئندہ کسی باب میں بالتفصیل اس کا ذکر آنیوالا ہے۔ باپ دادا کا نام لے لے کر اور اپنے بڑوں کی راہ و روش پر قائم رہنے کو ضروری قرار دیکر انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنا صراط مستقیم کی طرف آنے سے متنفر ہونا اور دین حق سے لوگوں کو روکنا نسل انسانی کی پرانی سنت اور شیطان لعین کا نہایت کاری حربہ ہے ایسے لوگوں کی کثرت ہو تو جاہ پسند زرپرست اور پیشہ ور مولویوں کا گروہ کیوں نہ برسر اقتدار نہ آئے اور مذکورہ دنیادار لوگوں کی رہنمائی و پیشوائی کا فخر حاصل نہ کرے۔

جاہ پسند اور بندۂ درہم و دینار مولوی ان پیشہ ور اور زر طلب دنیا کے کتوں نے آجکل مسلمانوں کی قوم کے اتحاد و اتفاق کو بالکل ملیامیٹ اور برباد کردیا ہے۔ اُمید نہیں کہ اس گروہ کے برسر اقتدار رہنے کی حالت میں ہندوستان کے مسلمان متحد و متفق ہوسکیں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔

انما اخاف علیٰ امتی الائمۃ المضلین رواہ ابوداؤد و ترمذی	میں اپنی امت کے متعلق گمراہ کرنے والے اماموں یعنی قریب دینے والے لیڈروں سے ڈرتا ہوں۔

ان مولویوں میں فیصدی بلکہ فیصدی ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جس نے قرآن مجید کو فکر و تدبر کے ساتھ ایک مرتبہ بھی اول سے آخر تک پڑھا ہو یا صحاح ستہ یا صحیحین یا مشکوٰۃ یا عمدۃ الاحکام جیسا چھوٹا سا رسالہ

بھی حدیث کا بغور مطالعہ کیا لیکن کنز - قدوری - فتاوائے قاضی خاں - فتاوائے عالمگیری وغیرہ میں عمر یا صرف کر دیتے ہیں - لطف یہ کہ فتاویٰ اور فقہ حنفی کی کتابوں میں ھدایہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس میں مسائل کے اصول استخراج پر بھی نظر ڈالی گئی اور کسی قدر احادیث کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں اور غور و تفکر کرنے والے کے لئے تھوڑا بہت سامان موجود ہے لیکن ہدایہ میں جسقدر یہ چیز موجود ہے ہمارے مولویوں کی اسی قدر اس کتاب کی طرف توجہ کم ہے - ان لوگوں نے دین کو تمسخر اور بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے - جو نفس پرست دولتمند اور جو صاحب سیم و زر چاہے اپنی تمام نفسانی و شیطانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے انواع و اقسام کے شرعی حیلے ان مولویوں سے ایجاد کرائے - شرک و بدعت کے مٹانے اور قرآن و حدیث کی طرف توجہ دلانے کا نہ اُن کو کبھی خیال آتا ہے نہ اس کام کو یہ لوگ ضروری سمجھتے ہیں اور نہ اُن کو خود قرآن و حدیث سے واقفیت - استنجا اور آبدست کے متعلقہ مسائل کی تمام موشگافیوں کو جو ان لوگوں نے اپنی ذہانت اور محنت کو کام میں لاکر فرمائی ہیں اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو شائد کئی جلدوں کی ایک ضخیم و جسیم کتاب بنجائے لیکن شرک و بدعت جس کے طوفان مسلمانوں میں اُٹھے ہوئے ہیں اور جس نے مسلمانوں کو خسر الدنیا و الاخرہ بنا رکھا ہے اُسکی طرف سے ہمارے مولوی اسقدر غافل اور بے پرواہ ہیں کہ گویا مسلمانوں میں شرکیہ و بدعیہ مراسم اور بداعمالیوں کا کہیں نام و نشان ہی نہیں - ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں یقیناً چھ کروڑ مسلمانوں کو گور پرستی میں مصروف دیکھتے اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں بلکہ پیران کلیر اور اجمیر کے عرسوں میں شریک ہو کر گور پرستی کی رونق دوبالا کرتے اور وہاں گور پرستوں کو مسرور کرنے والے وعظ فرماتے ہیں - بڑا ہی بہادر اور میدان مولویت کا تیس مار خاں بھی اپنے وعظ میں عرس پیران کلیر یا عرس اجمیر کی بیہودگیوں اور بیحیائیوں کے خلاف لب کشائی نہیں کرسکتا - بدعتِ مولود کی غزلخوانیوں اور مسلمانوں کی بے شرمیوں کے خلاف وعظ فرمانا تو بہت ہی کٹھن اور نہایت ہی مشکل بات ہے - دوران وعظ میں غزلوں اور مثنویوں کو سُریلی آواز سے گا کر اپنی تان سینی کے جوہر دکھانا اور مراسیوں کو شرما دینا مولویت کا کمال اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اور گروہ بندی پیدا کر کے تکفیر تک نوبت پہونچانے کے لئے جاسوسی کا پیشہ اختیار کر کے صرف چند روپیوں کے عوض قوم اور مذہب کو فروخت کر دیتے ہیں انھیں میں ایسے فتنہ پرداز بھی ہیں جو مسلمانوں کے بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی بڑی کوششوں کو نقش بر آب ثابت کرنے میں خصوصی مہارت اور حیرت انگیز ملکہ رکھتے ہیں - ان پیشہ وروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو ہندوؤں اور آریہ پنڈتوں سے ساز باز رکھتے اور اپنی گرم بازاری کے لئے مذہبی مباحثوں کے اکھاڑے جما لیتے اور ہندو مسلمانوں کو جوش دلا کر نذرانوں کی وصولی کے لئے راہ نکال لیتے ہیں - انھیں مولویوں کا سب سے آخری قابل تذکرہ کارنامہ یہ ہے کہ افغانستان کی اسلامی سلطنت کو ہلاکت و بربادی کے منہ میں جھونک دینے اور عالم اسلامی کو ناقابل تلافی نقصان پہونچانے میں ان کو کوئی تامل نہ ہوا - انا للہ وانا الیہ راجعون -

الحاد پناہ پیر اور شرک پرور صوفی

اس بات کا فیصلہ کرنا بیحد دشوار ہے کہ ملت اسلامیہ کے حق میں پیشہ ور مولویوں کا گروہ زیادہ موذی ہے

یاد و کاندار پیروں کی جماعت زیادہ ہلاکت آفریں ہے - ایک طرف بھیڑیوں نے جبّے اور عمامے سنبھال رکھے ہیں دوسری طرف خون آشام چیتوں اور ریچھوں نے مصلّوں اور تسبیحوں کی پناہ لے رکھی ہے اور اسلام کو سیہ فگار و زخمدار بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت و فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں - اکثر خانقاہیں بدچلنی اور بیحیائی کی درسگاہیں بنی ہوئی ہیں اور اکثر پیروں نے ناچنے گانے والی فاحشہ عورتوں اور بے دین و آوارہ نوجوانوں کی سرپرستی اپنے ذمہ لے رکھی ہے - ان کے تعویذ گنڈوں اور ان کی شیطانی چالاکیوں نے مسلمانوں کو قرآن و حدیث اور خدا و رسول سے ہزارہا فرسنگ دور ڈال دیا ہے - مسلمانوں کو مشرک بنانے اور پیر پرستی و گور پرستی کی لعنت میں گرفتار کرنے کے لئے ان نکلا بھگت پیران پارسا نے جو عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے وہ اولاد آدم کی بے عزتی کا نہایت ہی المناک مظاہرہ ہے - ان ظالموں نے اپنے نذرانوں اور چڑھاوں کو مریدوں کی نماز روزہ حج زکوٰۃ اور تمام تکلیفات شرعیہ کا کفارہ قرار دیدیا ہے - دنیا کا شریر سے شریر انسان اور چالاک سے چالاک بدمعاش جن چالاکیوں - فریبوں اور دھوکہ بازیوں کو ایجاد و استعمال کر سکتا ہے اُن سب کی مثالیں ان دوکاندار پیروں کے اعمال اور اُنکی زندگیوں میں موجود مل سکتی ہیں مسلمانوں کی آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ ان پیروں کی اطاعت و پیروی میں عملاً اور حقیقتاً اسلام سے بے تعلق اور نا آشنا ہو چکا ہے کہ اُسمیں سوائے اسمی اشتراک اور دعوائے اسلام کے اور کوئی اسلامی چیز نظر نہیں آتی -

خود پسند اور شکم پرور لیڈر

مولویوں اور پیروں نے مسلمانوں کی وہ حالت بنادی جو اوپر مذکور ہوئی تو ایسی حالت میں ایک اور گروہ جو سرکاری مدارس اور انگریزی مدارس کے تیار کردہ لوگوں پر مشتمل اور قرآن و حدیث سے بالکل بے بہرہ لیکن مسلمانوں کی نکبت و بدحالی سے بیتاب تھا آمادۂ کار ہوا اور بہت جلد مسلمانوں میں اپنا اثر و اقتدار قائم کر سکا اُسنے مسلمانوں کی دنیوی حالت سدھارنے کے لئے سیاسی جد و جہد شروع کی - ان لوگوں نے اُنھیں علوم اور اُنھیں یورپی اصول سیاست کو مشعل راہ بنایا جن کو سرکاری مدارس میں پڑھا تھا - ان لوگوں کو مصروف کار دیکھکر بعض علمائے ربانی اور سچے پکے مسلمان جو خاموش بیٹھے ہوئے اپنی بیکسی و بے بسی پر چشم پر آب تھے قرآن و حدیث کو لئے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان کو قرآن مجید کے پختہ اور ناقابل ترمیم اصول کی طرف توجہ دلائی - یہ رنگ دیکھکر پیشہ ور مولوی بھی جو ابھی تک اس سیاسی جد و جہد میں شریک ہونے کی جرأت نہ کر سکے تھے اپنی نحوستوں اور رذیل قسم کی خواہشوں کے ساتھ آشامل ہوئے - ان پیشہ وروں جن کی بڑی تعداد اسلامی مجاہدین میں در خور ہو چکی تھی مسلمانوں کی جمعیت میں اختلاف و افتراق پیدا کیا - ان میں سے بعض کی نالائقیوں بداعمالیوں - خیانتوں - حماقتوں اور بعض کی شرارتوں - ریشہ دوانیوں اور جاسوسیوں نے ایک طرف نئی روشنی کے تعلیم یافتوں اور مخلص مسلمانوں کا اعتماد برباد کیا - دوسری طرف ہمسایہ اقوام کو جن سے مسلمانوں کا صلحنامہ ہو چکا تھا شکست عہد کی سہولت بہم پہونچائی اور اس ملک میں مسلمانوں کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملائی - پاک باطن اور مخلص و باخدا لوگ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے

اپنے اپنے آشیانوں کی طرف رخصت ہو کر مسند افتخار پر ہو بیٹھے لیکن نئی روشنی والوں اور یورپی علوم کی تعلیم گاہوں کے تربیت یافتوں میں جو دونی ہمت اور بدبخت لوگ تھے وہ مذکورہ پیشہ وروں کے ہتھکنڈوں کو لے اُڑے اور انھوں نے اپنی فطری رذالت و کمینگی کے تقاضے سے پیشہ ور مولویوں کے نقش قدم پر لیڈری کا ایک پیشہ ایجاد فرما کر اس کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اس طرح مسلمانوں کی مصیبتوں میں ایک اور مصیبت کا اضافہ ہوا جس طرح یورپ کی ہر ایک چیز زیادہ چمکدار اور زیادہ جاذب نظر ہوا کرتی ہے اسی طرح ان پیشہ ور لیڈروں نے اپنے پیشہ کو ایسے اصول و قواعد پر قائم کیا کہ وہ ذرا زیادہ جاذب توجہ اور زیادہ شاندار نظر آئے۔ بہر حال آجکل مسلمانوں کے لئے پیشہ ور لیڈروں کی ایک ایسی لعنت گریبان گیر ہے جو اور دوسری لعنتوں سے کسی طرح کم نہیں اور انکی ایک جماعت اہم جو موذی جماعتوں میں کسی سے ہٹی نہیں ہیں۔ میں اپنے رسالہ اکابر قوم میں علمائے اسلام۔ فقرائے عالیمقام اور امرائے عظام کی پوست کندہ حالت درج کر چکا ہوں اور وہ رسالہ عرصہ ہوا ملک میں شائع اور مقبول ہو چکا ہے۔

مساجد کی بدامنی

عام طور دیکھا جاتا ہے کہ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ لوگوں اور امیروں میں جو لوگ نماز کے پابند ہیں وہ فرض نمازیں بھی اپنے گھروں میں پڑھتے اور مسجدوں میں نہیں جاتے پنجوقتہ نمازوں کی جماعتیں جو مسجدوں میں قائم ہوتی ہیں انمیں عموماً محلہ کے غریب اور جاہل لوگ شامل ہوتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ جامع مسجدوں کے اندر جمعہ کی نماز کے لئے بعض تعلیم یافتہ اور امرا بھی چلے جاتے ہیں مگر بعض جمعہ کی جماعت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدوں پر جاہلوں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کا قبضہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہی جاہل محدث۔ فقیہہ اور مفتی بھی بن گئے۔ مسلمانوں کا قدیمی دستور تھا کہ زیادہ آدمیوں کی مجلس میں زیادہ احتیاط برتی جائے اور ہر شخص آداب کا لحاظ رکھے کہ دوسروں کے لئے باعث اذیت نہ بنے شریعت اسلام نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ شفیق علی خلق اللہ بنانے کا اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے لئے مسجدوں میں ہر روز پانچ مرتبہ جمع ہونا چونکہ ضروری قرار دیا گیا ہے لہذا مسجدوں کے مخصوص آداب بھی تعلیم فرما دیئے۔ مسجدوں کے اندر بدبودار لباس میں جانا۔ لہسن وغیرہ بدبودار چیز کھا کر جانا مسجدوں میں ہنسنا قہقہے لگانا۔ بلند آواز سے جو بازاروں اور نشست گاہوں کی طرح دنیوی معاملات پر گفتگو کرنا۔ مسجدوں میں خرید و فروخت کرنا مسجدوں میں پہلے سے آئے ہوئے اور نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے کاندھوں پر پھلانگتے ہوئے اگلی صفوں میں جانا ممنوع قرار دیا۔ خوشبو لگا کر جانے۔ خوف و خشوع کی حالت میں مسجدوں کے اندر داخل ہونے۔ دوسروں کی رعایت ملحوظ رکھنے۔ جماعت میں اپنے دونوں طرف کے نمازیوں کے لئے اپنے بازووں اور مونڈھوں کو نرم کر دینے اور اسی قسم کی اور ضروری باتوں کی شریعت اسلام نے ترغیب دی ہے۔ اس انتظام و اہتمام نے مسلمانوں کی مسجدوں کو سب سے زیادہ پُرامن مقامات بنا دیا تھا اور دنیا کی تمام قوموں نے مسلمانوں ہی سے مجلسی آداب اور جلسوں کے ضوابط و آئین سیکھے تھے اور مسلمانوں کی مسجدوں ہی کے نمونے نے دنیا کو تہذیب و شائستگی کے بہت سے مراحل طے کرائے تھے لیکن آجکل مسلمانوں کی اکثر مسجدیں جاہل اور جہالت پناہ لوگوں کے زیر اقتدار آ کر سب سے زیادہ خطرناک مقامات بن گئی ہیں۔ تعلیمات اسلامیہ سے ہر ایک نابلد اور تہی مغز مسجد میں داخل ہو کر وہ مولوی

پر اعتراض کرنے۔ بات بات پر ٹوکنے اور اپنی مذہبی قابلیت بگھارنے کے کام کو نماز کے ادا کرنے سے بھی زیادہ
ضروری سمجھنا اور خاموشی کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھکر خاموشی سے چلے آنے کو نماز کے قضا ہوجانے سے زیادہ گراں
محسوس کرتا ہے۔ کبھی کسی کے ترکی یا شکاری کوٹ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے نماز نہیں ہوتی۔ کبھی پتلون نما پاجامہ
یا برجس سے نماز خراب ہوجاتی ہے۔ کبھی داڑھی۔ کبھی سر کے بالوں۔ کبھی جرابوں کو نشانہ اعتراض بناکر انتہائی جوش
خروش کا اظہار کیا جاتا اور ایسی مذہبی فقاہت استعمال کیجاتی ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اُس کے دیکھنے اور سننے
کی تاب نہیں لاسکتا۔ ایک مشہور تاریخی بستی کی جامع مسجد میں ایک شخص نے کئی ہفتے تک امام صاحب سے
حالت جنگ محض اس لئے قایم رکھی کہ امام صاحب نے بعض نمازیں عمامہ باندھے بغیر صرف ٹوپی اوڑھکر پڑھادی
تھیں۔ آخر نوبت یہاں تک پہونچی کہ اُس سرگرم فقیہہ کے فتوے پر عمل کرکے بعض دوسرے صاحبوں نے بھی اپنی
وہ تمام نمازیں جو امام صاحب نے بلاعمامہ پڑھائی تھیں دھرائیں۔ امام صاحب اپنے اس عقیدے پر قایم
تھے عمامہ باندھکر نماز پڑھانا اگرچہ اولیٰ و افضل ہے لیکن صرف ٹوپی اوڑھکر نماز پڑھانے سے امام مقتدی کی نماز
میں کوئی سقم یا نقص واقع نہیں ہوتا اور نماز کا دُھرانا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اب ان جاہل مفتیوں نے امام صاحب
کے اس عقیدہ کو حجت قرار دیکر جامع مسجد میں نماز پڑھنا ہی ترک کردیا اور دوسرے محلہ کی مسجد میں جاکر نماز
پڑھنا اختیار کیا اور اُس محلہ کے نمازیوں نے غالباً ان کو غازیوں کا مرتبہ عطا کیا۔ اگر جامع مسجد کے نمازیوں میں
ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو امام صاحب کو یقیناً مسجد سے بیک بینی و دوگوش نکال دیا جاتا۔ دوالین او ضالین
پر یا التحیات میں انگشت شہادت کا اشارہ کرنے یا نہ کرنے پر تو لٹھ چل جاتا۔ سر پھوٹ جانا اور چاقوؤں کا
نکل آنا معمولی بات ہے۔ نماز کے وقت بعض مسجدوں میں سب سے زیادہ شور و غل برپا ہوتا ہے چنانچہ
جاہلوں کی تو تو میں میں نے مسجدوں کی حرمت کو بازاروں کی غفلتوں سے اور امن کو فساد سے تبدیل کردیا
ہے۔ ان دریں حالات بہت سے سنجیدہ مزاج لوگوں کے لئے اگرچہ گھروں میں فرض نمازیں ادا کرنے کی ایک
معقول وجہ پیدا ہوگئی ہے لیکن مسجدوں کی اس قابل اصلاح حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا
اور بہت سی بدتمیزیوں کو علی حالہ باقی رکھنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔

جہل مرکب کا طوفان

اسی سلسلہ میں یہ تذکرہ بھی ازبس ضروری ہے کہ بہت سے عالم کہلانے
والوں نے مذکورہ جاہلوں سے بھی بدتر بیہودگیوں کا اظہار کیا ہے۔ ان
عالم نما لوگوں کی پست فطرتی نے علم کو روسیاہ اور مذہب کو بدنام کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے جسطرح
انگلستان کی آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ان یونیورسٹیوں کے
مخفف نام بھی شامل کرنے ضروری سمجھتے یا علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ اپنے ناموں کے ساتھ علیگ لکھنا پسند
کرتے ہیں اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ دارالعلوم دیوبند۔ جامعہ ازہر مصر۔ مدرسۂ سہارنپور۔ مدارس کانپور
وغیرہ عربی و اسلامی درسگاہوں کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ان درسگاہوں کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار ضروری
سمجھتے ہیں جو دلیل سعادت کی ہے کہ ان لوگوں نے جس درسگاہ سے فیض حاصل کیا اور فائدہ اُٹھایا ہے اُس
کو بلند مرتبہ سمجھتے اور اُس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔ یہ ایک شریفانہ جذبہ ہے اور اس پر ہرگز کوئی اعتراض

اپنے اپنے آشیانوں کی طرف رخصت ہوکر منقار زیر پر ہو بیٹھے لیکن نئی روشنی والوں اور یورپی علوم کی تعلیم گاہوں کے تربیت یافتوں میں جو دون ہمت اور بدبخت لوگ تھے وہ مذکورہ پیشہ وروں کے ہتھکنڈوں کو لے اڑے اور انھوں نے اپنی فطری رذالت و کمینگی کے تقاضے سے پیشہ ور مولویوں کے نقش قدم پر لیڈری کا ایک پیشہ ایجاد فرما کر اس کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اس طرح مسلمانوں کی مصیبتوں میں ایک اور مصیبت کا اضافہ ہوا جسطرح یورپ کی ہر ایک چیز زیادہ چمکدار اور زیادہ جاذب نظر ہوا کرتی ہے اسی طرح ان پیشہ ور لیڈروں نے اپنے پیشہ کو ایسے اصول و قواعد پر قائم کیا کہ وہ ذرا زیادہ جاذب توجہ اور زیادہ شاندار نظر آئے۔ بہرحال آجکل مسلمانوں کے لئے پیشہ ور لیڈروں کی ایک ایسی لعنت گریبان گیر ہے جو اور دوسری لعنتوں سے کسی طرح کم نہیں اور انکی ایک جماعت ہی جو موذی جماعتوں میں کسی سے ہیٹی نہیں۔ میں اپنے رسالہ اکابر قوم میں علمائے اسلام۔ فقرائے عالیمقام اور امرائے عظام کی پوست کندہ حالت درج کر چکا ہوں اور وہ رسالہ عرصہ ہوا ملک میں شائع اور مقبول ہو چکا ہے۔

مساجد کی بدامنی

عام طور دیکھا جاتا ہے کہ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ لوگوں اور امیروں میں جو لوگ نماز کے پابند ہیں وہ فرض نمازیں بھی اپنے گھروں میں پڑھتے اور مسجدوں میں نہیں جاتے پنجوقتہ نمازوں کی جماعتیں جو مسجدوں میں قایم ہوتی ہیں انمیں عموماً محلے کے غریب اور جاہل لوگ شامل ہوتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ جامع مسجدوں کے اندر جمعہ کی نماز کے لئے بعض تعلیم یافتہ اور امرا بھی چلے جاتے ہیں مگر بعض جمعہ کی جماعت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدوں پر جاہلوں اور ادنی طبقہ کے لوگوں کا قبضہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہی جاہل محدث۔ فقیہہ اور مفتی بھی بن گئے۔ مسلمانوں کا قدیمی دستور تھا کہ زیادہ آدمیوں کی مجلس میں زیادہ احتیاط برتی جائے اور ہر شخص اسبات کا لحاظ رکھے کہ دوسروں کے لئے باعث اذیت نہ بنے شریعت اسلام نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ شفیق علی خلق اللہ بنانے کا اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے لئے مسجدوں میں ہر روز پانچ مرتبہ جمع ہونا چونکہ ضروری قرار دیا گیا ہے لہذا مسجدوں کے مخصوص آداب بھی تعلیم فرما دیئے۔ مسجدوں کے اندر بدبودار لباس میں جانا۔ لہسن وغیرہ بدبودار چیز کھا کر جانا مسجدوں میں ہنسنا قہقہے لگانا۔ بلند آواز سے جو بازاروں اور نشست گاہوں کی طرح دنیوی معاملات پر گفتگو کرنا۔ مسجدوں میں خرید و فروخت کرنا مسجدوں میں پہلے سے آئے ہوئے اور نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے کاندھوں پر پھلانگتے ہوئے اگلی صفوں میں جانا ممنوع قرار دیا۔ خوشبو لگا کر جانے۔ خوف و خشوع کی حالت میں مسجدوں کے اندر داخل ہونے۔ دوسروں کی رعایت ملحوظ رکھنے۔ جماعت میں اپنے دونوں طرف کے نمازیوں کے لئے اپنے بازوؤں اور مونڈھوں کو نرم کر دینے اور اسی قسم کی اور ضروری باتوں کی شریعت اسلام نے ترغیب دی ہے۔ اس انتظام و اہتمام نے مسلمانوں کی مسجدوں کو سب سے زیادہ پر امن مقامات بنا دیا تھا اور دنیا کی تمام قوموں نے مسلمانوں ہی سے مجلسی آداب اور مجلسوں کے ضوابط و آئین سیکھے تھے اور مسلمانوں کی مسجدوں ہی کے نمونے نے دنیا کو تہذیب و شائستگی کے بہت سے مراحل طے کرائے تھے لیکن آجکل مسلمانوں کی اکثر مسجدیں جاہل اور جہالت پناہ لوگوں کے زیر اقتدار آکر سب سے زیادہ خطرناک مقامات بن گئی ہیں۔ تعلیمات اسلامیہ سے ہر ایک نابلد اور تہی مغز مسجد میں داخل ہو کر وہ مولوی

پر اعتراض کرنے۔ بات بات پر ٹوکنے اور اپنی مذہبی قابلیت بگھارنے کے کام کو نماز کے ادا کرنے سے بھی زیادہ ضروری سمجھنا اور خاموشی کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھکر خاموشی سے چلے آنے کو نماز کے قضا ہو جانے سے زیادہ گراں محسوس کرتا ہے۔ کبھی کسی کے ترکی یا شکاری کوٹ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے نماز نہیں ہوتی۔ کبھی نیلون نما پاجامہ یا برجس سے نماز خراب ہو جاتی ہے۔ کبھی داڑھی کبھی سر کے بالوں کبھی جرابوں کو نشانۂ اعتراض بنا کر انتہائی جوش خروش کا اظہار کیا جاتا اور اسی مذہبی نقاہت استعمال کیجاتی ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس کے دیکھنے اور سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ ایک مشہور تاریخی بستی کی جامع مسجد میں ایک شخص نے کئی ہفتے تک امام صاحب سے حالت جنگ محض اس لئے قایم رکھی کہ امام صاحب نے بعض نمازیں عمامہ باندھے بغیر صرف ٹوپی اوڑھکر پڑھا دی تھیں۔ آخر نوبت یہاں تک پہونچی کہ اس سرگرم فقیہہ کے فتوے پر عمل کر کے بعض دوسرے صاحبوں نے بھی اپنی وہ تمام نمازیں جو امام صاحب نے بلا عمامہ پڑھائی تھیں دھرائیں۔ امام صاحب اپنے اس عقیدے پر قایم تھے عمامہ باندھکر نماز پڑھانا اگرچہ اولی و افضل ہے لیکن صرف ٹوپی اوڑھکر نماز پڑھانے سے امام مقتدی کی نماز میں کوئی سقم یا نقص واقع نہیں ہوتا اور نماز کا دھرانا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اب ان جاہل مقتیوں نے امام صاحب کے اس عقیدہ کو حجت قرار دیکر جامع مسجد میں نماز پڑھنا ہی ترک کر دیا اور دوسرے محلہ کی مسجد میں جاکر نماز پڑھنا اختیار کیا اور اس محلہ کے نمازیوں نے غالباً ان کو غازیوں کا مرتبہ عطا کیا۔ اگر جامع مسجد کے نمازیوں میں ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو امام صاحب کو یقیناً مسجد سے بیک بینی و دو گوش نکال دیا جاتا۔ ولا الضالین اور ضالین پر یا التحیات میں انگشت شہادت کا اشارہ کرنے یا نہ کرنے پر تو لٹھ چل جاتا۔ سر پھوٹ جانا اور چاقوؤں کا نکل آنا معمولی بات ہے۔ نماز کے وقت بعض مسجدوں میں سب سے زیادہ شور وغل برپا ہوتا ہے چنانچہ جاہلوں کی تو تو میں میں نے مسجدوں کی حرمت کو بازاروں کی غفلتوں سے اور امن کو فساد سے تبدیل کر دیا ہے۔ ماندریں حالات بہت سے سنجیدہ مزاج لوگوں کے لئے اگرچہ گھروں میں فرض نمازیں ادا کرنے کی ایک معقول وجہ پیدا ہو گئی ہے لیکن مسجدوں کی اس قابل اصلاح حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا اور بہت سی بدتمیزیوں کو علی حالہ باقی رکھنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

جہل مرکب کا طوفان

اسی سلسلہ میں یہ تذکرہ بھی از بس ضروری ہے کہ بہت سے عالم کہلانے والوں نے مذکورہ جاہلوں سے بھی بدتر بیہودگیوں کا اظہار کیا ہے۔ ان عالم نما لوگوں کی پست فطرتی نے علم کو روسیاہ اور مذہب کو بدنام کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے جسطرح انگلستان کی اکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ان یونیورسٹیوں کے مخفف نام بھی شامل کرنے ضروری سمجھتے یا علیگڈھ کالج کے تعلیم یافتہ اپنے ناموں کے ساتھ علیگ لکھنا پسند کرتے ہیں اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ دارالعلوم دیوبند۔ جامعہ ازہر مصر۔ مدرسۂ سہارنپور۔ مدارس کانپور وغیرہ عربی و اسلامی درسگاہوں کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ان درسگاہوں کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں جو دلیل اسپات کی ہے کہ ان لوگوں نے جس درسگاہ سے فیض حاصل کیا اور فائدہ اٹھایا ہے اس کو بلند مرتبہ سمجھتے اور اس کے ساتھ حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ایک نسبتی مذہب ہے اور اس پر ہرگز کوئی اعتراض

نہیں ہوسکتا لیکن غضب اور ستم یہ ہے کہ یہ تعلیم یافتہ لوگ علم اور مذہب کو اپنی درسگاہوں اور اپنے استادوں کی جاگیر بنا رکھا قرار دیکر دوسروں سے در پے منازعت اور اپنے سوا کسی دوسرے کو علم کا وارث اور مذہب سے واقف تسلیم کرنے میں اپنی موت تصور کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ معیوب اور گھنونی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ موجودہ زمانہ کے علماء کی اس نامعقول عصبیت کا احساس مجھکو سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۱۵ء میں ہوا جبکہ میں دہلی کے بعض خرابوں کی سیر کے لئے دو دن اور ایک رات دہلی میں ایک بزرگ کے پاس مقیم ہوا اُن بزرگ سے رات بھر خوب مزے مزے کی باتیں ہوئیں جو بہترین مذاکرہ علمیہ تھا۔ میں اُنکے علم فضل وسعت نظر۔ ذہانت اور روشن خیالی کا دل سے قائل ہوگیا۔ اکثر مسائل میں جو یکے بعد دیگرے زیر بحث آئے میں ان کا ہمخیال ہوتا گیا۔ اگلے روز دہلی کے خرابوں کی سیر سے فارغ ہوکر بوقت شام جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو وہ از راہ شفقت مجھکو اسٹیشن ریلوے تک پہونچانے آئے اسوقت بھی میرے ان کے درمیان ایک مسئلہ زیر بحث تھا۔ میرے دلائل جو حقیقتاً صحیح اور مضبوط تھے انھوں نے اپنی معقول پسندی کی وجہ سے تسلیم کر لئے اور فرمایا کہ تو جو کچھ کہتا ہے بالکل درست اور صحیح ہے اور اس کی تردید ممکن نہیں لیکن ہمکو اسپر عمل کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ ہمارے اُستاد کا طرز عمل اس کے خلاف تھا اور ہم اپنے اُستاد کے خلاف کوئی عمل اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ اُن کی زبان سے یہ الفاظ سنکر مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک بجلی سی چمک گئی۔ میں آجتک اس معمے کو حل نہیں کرسکا کہ ایسا زبردست عالم۔ ایسا ذہین عقلمند اور معقول پسند شخص کسطرح تقلید جامد کی اس دلدل میں پھنس رہ سکتا ہے کہ ایک غلط اور نادرست ہونا یقین کر لینے کے بعد بھی اُس فعل کو محض اس لئے ترک نہیں کرسکتا کہ شاگرد کا فعل اُستاد کے فعل سے مختلف ہو جاتے گا دہلی کی اُس شام کا مذکورہ واقعہ مجھکو بار بار یاد آتا رہا اور میں نے آجتک سیکڑوں ایسے واقعات محسوس کئے کہ بڑے بڑے روشن خیال اور وسیع النظر کہلانے والے علماء میں بھی گروہ بندی موجود ہے۔ اپنے گروہ یا اپنے علمی خاندان کے کسی شخص کی غلطی ناقابل التفات قرار دیدیجاتی ہے لیکن کسی دوسرے شخص کی ویسی ہی غلطی پر اصلاح وقیادت کا نقارہ بجاکر شیر مردم خوار اور گرگ درندہ کا چولا فوراً بدل لیاجاتا ہے کیونکہ سہ۔

سفون چشم بد دور ہیں آپ دین کے ٭ نمونہ ہیں خلق رسول امین کے

بعض ایک ہی قسم کے عالم نما لوگوں نے اپنی جمعیتیں اور سوسائٹیاں قائم کرکے اپنے آپ کو علم و فضل کا ٹھیکہ دار قرار دے لیا ہے اور اپنے سوا کسی دوسرے عالم کو اس بات کا مستحق نہیں سمجھتے کہ وہ کوئی علمی خدمت بجا لاتے یا کسی کو کوئی پند و نصیحت کرسکے۔ غرض کہ نفس پرستی نے اسلاف پرستی سے تائید حاصل کرکے اکثر عالموں کو بھی اسیطرح شیطان کا کھلونا بنا دیا ہے جسطرح جاہلوں کو بنایا تھا۔

اسلام بہت ہی آسان اور فطری مذہب ہے

خدا تعالی نے دین اسلام کے حصۂ اعمال میں کوئی ایسی تنگی اور محنت نہیں رکھی جو انسان کے لئے ناقابل برداشت ہو۔ اسیطرح عقائد میں بھی کسی ایسی بات کے ماننے پر مجبور نہیں کیا جو

عقل انسانی کے صریح خلاف اور فطرت انسانی اسکو دونوں ہاتھوں سے دھکے دیتی ہو مثلاً اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ تثلیث و کفارہ کا اعتقاد۔ دین اسلام کو خدا تعالیٰ نے عمل کے لیے بہت ہی آسان اور عقیدہ کے لیے عین فطرت انسانی کے موافق و متوازی رکھا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ (سورۃ الحج - رکوع ۱۰)

اور خدا کی راہ میں ایسی کوشش کرو جیسا کہ کوشش کا حق ہے خدا نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی۔ یہ دین تو تمہارے باپ ابراہیم ہی کا دین ہے۔

الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا (سورۃ الانفال - رکوع ۹)

مسلمانو! اب خدا تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے دیکھا کہ تم میں کمزوری ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء - رکوع ۵)

اللہ تعالیٰ تم پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ (سورۃ النحل رکوع ۱۵)

اور جو کچھ تمہاری زبان پر آئے بے سوچے سمجھے جھوٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اس طرح اپنی بیہودہ باتوں سے خدا تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھنے لگو۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقر رکوع ۴۰)

خدا تعالیٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر کہ جس کو وہ اٹھا سکے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (سورۃ البقر - رکوع ۲۳)

خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے تم کو دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورۃ الروم - رکوع ۴)

اے رسول! دین حنیف کی طرف اپنی توجہ منعطف رکھ۔ یہ دین حنیف خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی وہ سرشت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا تعالیٰ کی بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہوا کرتا یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ - (سورۃ الاعلیٰ)

اور اے رسول ہم آسانی یعنی دین اسلام کو تیرے لیے آسان کر دیں گے پس تو لوگوں کو نصیحت کر بشرطیکہ نصیحت کرنا مفید بھی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں وہ شریعت لایا ہوں جو آسان اور روشن ہے نیز فرمایا کہ یہ دین آسان ہے اور جو کوئی اس دین میں سختی اختیار کرے گا وہ آخر کو عاجز اور درماندہ ہوگا

یعنی اعمال شاقہ سے تھک کر ضروری فرائض بھی ترک کرنے لگے گا (الدین یسر بحوالہ صحیح بخاری) صحابہ کرام رضی کی نسبت عمر بن اسحق سے منقول ہے کہ اصحاب نبیؐ میں جتنے صحابیوں کو میں نے دیکھا ہے وہ اُنکی نسبت زیادہ ہیں جو مجھ سے پہلے گذر گئے ہیں نے کوئی گروہ دین میں آسانی کرتے والا اور سختی نہ کرنے والا اُنسے زیادہ نہ دیکھا (الدین یسر بحوالہ دارمی) حضرت عمرو بن عاص رضی نے ایک مرتبہ سردی کی شدت دیکھکر جبکہ نہانے میں جان کا خوف اور بیماری کا اندیشہ تھا جنابت کے عوض تیمم کیا اور نماز ادا کرلی اور یہ آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کو اپنے اس فعل کی دلیل گردانا آنحضرت صلعم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے حضرت عمرو بن عاص کو کچھ نہ کہا۔ حضرت فاروق اعظم نے آیت اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ کی بنا پر یہ حکم لگایا کہ تیمم کا حکم عورت کو چھونے کے متعلق ہے جنابت کی نسبت نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ سنکر اُن کو بھی بُرا نہ کہا (عقد الجید)

اس موقع پر قبل اس کے کہ میں اپنی طرف سے کچھ لکھوں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ کی کتاب عقد الجید کی عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں اس کو بغور مطالعہ کرنا چاہیئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

> "اور ہر ایک شخص جو آنحضرت صلعم کے اصول احکام اور آپؐ کے فتووں کی تحقیق وتلاش کریگا تو ایک کلیہ قاعدہ اس کے ہاتھ آجائیگا۔ وہ کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ آپ نے نیکی کے تمام انواع مثلاً وضو غسل۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور حج وغیرہ کو جن پر ملتوں کا اجتماع ہی منضبط فرمادیا اور اُن کے ارکان وشروط وآداب مقرر فرمادیئے اور ان کے لئے مکروہات ومفسدات اور کمی کو پورا کرنیکی ترکیبیں وضع فرمادیں اور اس معاملہ میں جیسا کہ چاہیئے تھا حکم مکمل فرمادیا لیکن ان ارکان وغیرہ کی تعریف کے متعلق زیادہ جامع ومانع بحث نہیں فرمائی اور آپ سے جب کبھی اُن جزوی باتوں کے متعلق سوال کیا جاتا جو ان ارکان وشروط وغیرہ سے متعلق ہوتیں تو اُن باتوں کو آپ اُن الفاظ مستعملہ پر ہی محول فرمادیتے جن کو وہ لوگ اپنے دلوں میں سمجھتے تھے اور ان کو ہدایت فرمادیتے کہ جزئیات کو اسی قسم کی کلیات سے سمجھ لیا کرو اور اس سے زیادہ ہرگز نہ فرماتے مگر ہاں صرف چند مسائل میں اتفاقی اسباب کی بنا پر مثلاً قوم کے اصرار کرنے پر یا اور کسی وجہ سے کبھی کچھ تشریح بھی فرمادی مثلاً وضو میں اعضائے اربعہ کا دھونا تو فرمادیا مگر اس دھونے کی ایسی جامع ومانع تعریف نہیں فرمائی جس سے سمجھا جائے کہ اعضا کا ملنا دھونے کی حقیقت میں داخل ہے یا نہیں اور پانی بہانا اس میں داخل ہے یا نہیں اور پانی کے عام اور خاص ہونے کی کوئی تقسیم نہیں فرمائی اور نہ کنوئے اور تالاب وغیرہ کے متعلق صراحت فرمائی حالانکہ یہ تمام مسائل کثیر الوقوع ہیں اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں ان مسائل کا وقوع نہ ہوا ہوگا اور جب سائل نے آپؐ سے بیر بضاعہ اور قلتین کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے ان الفاظ سے زیادہ نہ فرمایا جنکو وہ لوگ سمجھتے تھے اور آپ جب اُن الفاظ کے عادی تھے اور یہی سبب ہے کہ سفیان ثوری رحمتہ نے کہا کہ ہمنے

پانی کے معاملہ میں وسعت و فراخی حاصل کی۔ اور جب ایک عورت نے اُس کپڑے کی نسبت سوال کیا جس پر حیض کا خون لگ جائے تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا کہ حتیہ ثم اقرصیہ ثم انضحیہ ثم صلی فیہ (کپڑے کو کُھرچ دے پھر اُسکو مل دے پھر دھو ڈال پھر اُس سے نماز پڑھ لے) یعنی جو وہ سمجھتے تھے اُس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا اور آپ نے قبلہ رو ہوکر نماز پڑھنے کا توحکم دیا لیکن قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا کوئی قاعدہ تعلیم نہیں فرمایا حالانکہ صحابہ کرامؓ سفر کرتے رہتے تھے اور قبلہ کے معاملہ میں اجتہاد کرتے تھے اور سمت قبلہ کے معلوم کرنے کا قاعدہ جاننے کی انکو سخت ضرورت تھی اس کا اصل سبب یہ تھا کہ آپؐ نے اس قسم کی تمام باتیں اُنھیں لوگوں کی رائے کے سپرد کردی تھیں اور آنحضرت صلعم کے اکثر قنوں کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ دانا منصف پر پوشیدہ نہیں اور ہم نے آپؐ کے احکام کی پیروی اور تلاش سے یہ سمجھا ہے کہ گہری باتوں کو چھوڑ دینے اور شرائط و انضباط کو زیادہ بیان نہ فرمانے میں ایک بہت بڑی مصلحت مدنظر رکھی ہے وہ یہ کہ اس قسم کے مسائل ایسے حقایق کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو حقایق باعتبار عرف مجمل طور پر مستعمل ہیں اور اُنکی جامع و مانع تعریف بلا دشواری نہیں سمجھی جاسکتی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اُنکی تعریف بیان کرتے وقت دو مشکل حقیقتوں میں فرق اور تمیز پیدا کرنے کے لئے نئے اصول اور ضوابط متعین کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے پھر اگر اُن حقائق کو منضبط و مشرح بھی کیا جائے تو اُنکی تشریح و تفسیر ممکن نہیں جب تک کہ اسی قسم کے اور مجمل حقائق کی طرف اشارہ نہ کیا جائے پھر ان مجمل حقائق کی تفسیر و تشریح لازم ہوجاتی ہے اور اس طرح تفسیر حقایق کا تسلسل کبھی ختم نہ ہوگا اور بعض حالتوں میں ختم ہوگا تو اسی طرح کہ ماموروں کی رائے کے سپرد کردیا جائے حالانکہ اس محنت کے بعد تفویض پر عمل کرنے سے تو بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی تفویض پر عمل کرلیا جائے لہذا اسی مصلحت کی وجہ سے آپؐ نے حقایق کو شروع ہی سے ماموروں کی رائے کے حوالے کردیا اور اختلافی مسائل میں کسی پر تشدد نہیں کیا درآنحالیکہ اختلاف ایسے مسئلہ میں ہو جو انکی رائے کے سپرد تھا اور اس میں اختلاف کا موقع بھی تھا۔ انتہی کلامہ۔

صحیح نسائی میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ

ان رجلا اجنب فلم یصل فاتی النبی صلی اللّٰہ علیہ والہ واصحابہ وسلم فذکر ذالک لہ فقال اصبت فاجنب رجل فتیمم وصلی فاتاہ فقال نحو ما قال للاخر یعنی اصبت

ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی پس اُس نے اس حالت میں نماز نہ پڑھی یعنی تیمم نہ کیا پھر وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ کیفیت آپ کو سنائی آپؐ نے فرمایا کہ تو نے اچھا کیا پھر ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی اُس نے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اس کو

بھی وہی جواب دیا جو پہلے شخص کو دیا تھا یعنی تو نے اچھا کیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اسلام نے دینی و مذہبی معاملات میں ہرگز اس سختی اور تشدد کی اجازت نہیں دی جس کو لوگوں نے بعد میں رواج دیا اور دین کو دشواری کا مترادف بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچایا۔ صحابۂ کرام کے زمانہ میں سیکڑوں مسائل ایسے تھے جن کے مختلف پہلوؤں پر لوگ الگ الگ عامل تھے لیکن کوئی شخص مسئلہ کی ایک صورت پر عمل کرتا ہوا دوسرے شخص کو جو اسی مسئلہ کی دوسری صورت پر عامل تھا برا نہ جانتا اور اس کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ سمجھتا بلکہ وہ لوگ شریعت کی اجازتوں اور رخصتوں سے فائدہ اٹھاتے اور حسب موقع آسان پہلو اختیار کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ لوگ دینی مسائل میں اجتہادی اختلاف کے دونوں پہلوؤں کو حق جانتے اور دین کے معاملہ میں وسعت اور آسانی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس بات کو بہت ہی معیوب سمجھتے تھے کہ کسی ایک پہلو کو اختیار کر کے اسی پر جم جائیں اور اس کے دوسرے جائز پہلو کو نا قابل عمل قرار دیں یہی وجہ تھی کہ ان کے زمانہ میں کوئی مذہبی فرقہ بندی نہ تھی نہ ان کو آجکل کے لوگوں کی طرح تقلید کے واجب ہونے کی خبر تھی نہ وہ آجکل کی پیری مریدی کے جھمیلوں اور چلہ کشی کے قاعدوں سے آگاہ تھے۔ ان کے عہد مبارک میں نہ قوالیاں تھیں نہ وجد و حال۔ انھوں نے نہ آنحضرت صلعم کا کوئی عرس جاری کیا نہ اپنی گدیاں قایم کیں۔ وہ بعد کی ایجاد شدہ اصطلاحوں سے ناواقف تھے اور نہ جدید اصطلاحوں کے ایجاد اور استعمال کی ضرورت سمجھتے تھے۔ وہ نماز اور وضو کے بیسیوں فرائض۔ واجبات۔ سنن اور مستحبات کی تعداد اور گنتی یاد نہیں رکھتے تھے۔ وہ اول کلمہ اور سوم کلمہ وغیرہ کلمات کی ترتیب وغیرہ سے بھی بے خبر تھے بلکہ انھوں نے جسطرح آنحضرت صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اسیطرح نماز پڑھتے اور جسطرح آپکو وضو کرتے دیکھا اسیطرح وضو کرتے جن چیزوں کو آنحضرت صلعم نے ضروری قرار دیا تھا انکو ضروری سمجھتے اور جن سے منع کیا تھا ان سے بچتے تھے۔ یہی ان کا اسلام تھا اور یہی کچا پکا اور اس اسلام تھا جس نے نہ ان کو سفر کرنے سے روکا نہ تجارت میں مانع ہوا نہ سپاہی بننے اور میدان جنگ میں کام کرنے سے باز رکھا نہ ملکوں کے فتح کرنے اور اقوام عالم پر حکومت فرمانروائی کرنے میں سد راہ ہوا۔ ان میں سے ہر شخص فقیہہ تھا لیکن ان کے فقہ نے اس طرح لوگوں کو لاتعداد تکلیفات کے جال میں نہیں جکڑا تھا جس طرح بعد کو فقہا نے ہزار ہا اصطلاحات ایجاد کرنے کے بعد بال کی کھال نکال نکال کر شریعت اسلام کو بڑی ہی ہیبت ناک اور نا قابل عمل چیز بنا دیا۔ اگر کوئی شخص صرف وضو یا صرف غسل یا صرف پانی کے مسائل سے واقف ہونا چاہے تو ہمارے فقہا کی مہربانی سے اس کو کئی مہینے بلکہ کئی سال اسی ایک مسئلہ کی بحث مطالعہ کرنے سے فرصت نہ ملیگی اور اس مطالعہ کے بعد بھی وہ شاید مشکل ہی سے کوئی ایک پختہ عقیدہ قایم کر سکیگا۔ تمام فقہی مسائل پر کماحقہ عبور حاصل کرنا تو انسان کی ایک پوری زندگی میں کسی طرح ممکن نہیں عمل کرنے مومن کامل بننے اور قرآن مجید میں تدبر کرنے کی مہلت نکالنے کا تو موقع کہاں!؟۔ جس دین کو خدا تعالی نے آسان بنایا جسکی نسبت آنحضرت صلعم نے "الدین یسر" فرمایا وہ دین ہمارے زمانہ میں تکالیف مالا یطاق کا مجموعہ اور "الدین عسر" کا مصداق بنا ہوا نظر آرہا ہے۔ بڑے بڑے جید اور جگادری جبہ و قبہ والے مولانا و بالفضل اولانا جب آیت یا حدیث کے مقابلہ میں عاجز آکر کسی آسانی یا رخصت کے تسلیم کر لینے پر مجبور ہونے لگتے ہیں

تو پھر یہ لاجواب اور کوہ البرز سے زیادہ پائدار اور آخری دلیل پیش فرماتے ہیں کہ "اچھا پھر تو شریعت پر عمل کرنے میں کوئی دقت و دشواری ہی باقی نہ رہی" گویا انھوں نے آسانی کو شریعت کی ضد اور دشواری کو لازمہ شریعت یقین کر رکھا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گر ہمیں مکتب است و ایں ملّا
کار طفلاں تمام خواہد شد

یسر و آسانی کی حقیقت میانہ روی ہے شتر بے مہار ہونا نہیں

خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری طور پر جو قوتیں خواہشیں اور جذبے پیدا کر دیئے ہیں اُن کے ظاہر کرنے اور زیر عمل لانے کے لئے افراط اور تفریط سے بچکر اعتدال اور حد وسط کو مدنظر رکھنا ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے اور اسی کی اسلام تعلیم دیتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (سورۃ البقرہ رکوع ۱۷) انسان شریعت کی پابندی سے آزاد ہو کر جب شتر بے مہار بنجاتا ہے تو اپنی خواہشات اور جذبات کے رُخ کو سیدھا نہیں رکھ سکتا کبھی افراط کے گڑھے میں اور کبھی تفریط کی خندق میں گر کر ہلاک ہوجاتا ہے اسی مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ انسانی جذبات اُس اسٹیم سے مشابہ ہیں جو کسی انجن کو متحرک کرتی ہے۔ یا بارود کی مانند ہیں جو آگ دکھانے سے مشتعل ہوتی اور توپوں یا بندوقوں کے استعمال کرنے میں کام آتی ہے۔ انجن کی اسٹیم کے زور کو اگر بہت سے کل پرزوں کے ذریعہ روک تھام کے ساتھ استعمال نہ کیا جائے تو انجن کو متحرک اور کار آمد نہیں بنا سکتی یا اگر وہ حد معین سے زیادہ یا کم کر دی جائے تب بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتی اسیطرح بارود کو اگر مقررہ مقدار سے کم یا زیادہ کر دیا جائے یا بندوق اور توپ کے پرزوں کو جو بارود کی قوت کو مناسب اور موزوں طریقہ پر کام میں لانے کا موجب ہیں بیکار اور ناقص کر دیا جائے تو وہ مقصد جو توپ و بندوق کے ذریعہ بارود سے حاصل کیا جاتا ہے فوت ہوجائیگا۔ حاصر اور ضابطہ پرزوں کے خراب ہوجانے سے انجن کی اسٹیم انجن کو اور بندوق کی بارود بندوق کو تباہ اور ان دونوں کے چلانے والے کو ہلاک کر دیتی ہے اسی طرح انسانی جذبات حد معین سے آگے بڑھکر انسان کی ہلاکت کا موجب بنجاتے اور حد معین سے کم یا مردہ ہو کر انسان کو اُس کے مجد و شرف سے معزول کر دیتے ہیں۔ ان انسانی جذبات سے فائدہ حاصل کرنے اور اُن کو مفید طریقہ پر استعمال کرنے کے لئے عقل یا مذہب سے کام لینا پڑتا ہے۔ عقل یا مذہب سے بے بہرہ و آزاد ہو کر انسانی جذبات انسان کی گمراہی اور ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس جگہ عقل اور مذہب دونوں کا نام اس لئے لیا گیا کہ تمام الٰہی مذاہب اور منزل من اللہ شریعتیں عقل کے اُس انتہائی مقام اور اعلیٰ درجہ کا نام ہے جس تک انسانی عقل کا اپنی کوشش سے پہونچنا آسان نہ تھا اسی لئے بعض عقلمندوں نے کہا ہے کہ تمام بڑے بڑے سمجھدار اور عقلمند لوگ جمع ہو کر غور و خوض اور عقل و دانائی کے تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے نوع انسان کے لئے کوئی دستور العمل یا نظام زندگی ترتیب دیں تو اس کے بنانے اور مرتب کرنے میں جسقدر زیادہ مقتضائے عقل کو پورا کیا گیا ہوگا اُسی قدر وہ شریعت اسلام کے زیادہ موافق و مطابق ہوگا۔ مثلاً

انسان کے اندر منجملہ اور جذبات کے ایک نہایت قوی جذبہ محبت ہے۔ یہ جذبہ محبت عموماً حسن اور

احسان سے متحرک اور مشتعل ہوتا ہے حسن اور احسان کے مفہوم پر غور کیا جائے تو جس طرح دونوں لفظوں کا مادہ ایک ہے اسی طرح دونوں کا مفہوم بھی حقیقتاً ایک ہی ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کا سب سے بڑا محسن اور رحمہ حسن ہو جس نے انسان اور اس کی تمام ضروریات کو انسان کے کسی عمل اور استحقاق کے بغیر پیدا اور موجود کر دیا۔ رسول اور نبی بھی جو نوع انسان کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور نفع رساں وجود ہوتے اور اس کو فوز و فلاح کا رستہ بتاتے ہیں دنیا میں انسان کے بہت بڑے محسن ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس فرق مراتب کو مدنظر رکھکر انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے ایک طرف تو یہ حکم دیا کہ ماں باپ کے ساتھ محبت کے تقاضوں کو پورا کرو یعنی والدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور انکی تکریم میں مطلق کوتاہی نہ کرو جیسا کہ فرمایا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۳)

اور تیرے رب نے یہ بات طے کر دی ہے کہ تم لوگ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہونچیں تو اُن کو اُف بھی نہ کہا جائے اور اُن دونوں سے تعظیم و تکریم کے ساتھ کلام کرنا چاہیئے۔

دوسری طرف حکم دیا کہ خدا اور رسول کی محبت ماں باپ۔ دادا پردادا کی محبت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ خدا و رسول کے احسانات ماں باپ کے احسانات سے بہت زیادہ ہیں اگر ماں باپ اور خدا و رسول کی خواہشیں متضاد واقع ہو جائیں تو اس حالت میں خدا و رسول کے حکم کی فرمانبرداری میں ماں باپ کے حکم کو رد کر دینا ضروری ہے اور یہی عقل کا بھی تقاضا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورۃ العنکبوت۔ رکوع ۱)

اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اگر ماں باپ اس بات پر اصرار کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تو تو اُن کا کہنا نہ مان۔

فریب خوردہ ناصحین اور اباحت نواز مصلحین

متشقق مولویوں اور دقت پسند نقل اعتقادیوں کے مقابلہ میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو درحقیقت دنیا کو دین پر مقدم رکھنے والوں میں شامل ہے لیکن دینی عالموں اور باخدا لوگوں کے لباس میں جلوہ فرما ہوا ہے۔ یہ لوگ اس لئے زیادہ خطرناک ہیں کہ اپنی ہر ایک بات کو قرآن و حدیث سے مدلل کر کے پیش کرتے اور شریعت کی رخصتوں اور آسانیوں کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ گویا اُن رخصتوں ہی کو فضیلت کا مرتبہ حاصل اور اس کے سوا دوسری صورت قطعاً باطل ہے۔ یہ لوگ غالباً احکام شرع کی اصل حقیقت سے واقف مگر تن آسانی کی جانب اسقدر مائل اور اباحتی زندگی کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ

شریعت اسلام کی حقیقی روح کو فنا اور عبد و معبود کے اصل تعلق کو نابود کر دینے پر تُلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا پیش کردہ اسلام روحانیت سے قطعاً خالی اور قلب میں للّٰہیت پیدا کرنے اور محبت الٰہی کے شعلے کو بھڑکانے سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ ان کے طریق تبلیغ اور انداز وعظ کا صحیح اندازہ اسباب پر غور کرنے سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ جب مسلمانوں کو دولت کمانے، امیر بننے اور صنعت و تجارت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں تو اس مضمون کی آیتوں اور حدیثوں کو انتہائی اہتمام اور پورے جوش و خروش اور قابلیت و طلاقت کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کے تمام ارشادات کا مجموعی اثر سننے والے کے دل پر یہ ہوتا ہے کہ وہ دولتمند اور صاحب جاہ و حشم بننے ہی کو اسلام کا اصل مقصد سمجھنے لگتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام مفلس اور تہیدست بننے اور مسلمانوں کو فاقہ مست فقیروں کی جماعت بننے کی تعلیم و ترغیب نہیں دیتا۔ لیکن وہ مال و دولت ہی کے فراہم کرنے، خزانے کا سانپ اور قارون بننے کو بھی مدعائے اصلی نہیں بتاتا۔ مذکورہ بیند و ارشاد کے ساتھ ہی اگر مال و دولت کے دوسرے خطرناک پہلو سے تعلق رکھنے والی آیات و احادیث بھی پیش کر دی جائیں اور یہ بھی سمجھا دیا جائے کہ اسلام کا اصل مقصد کیا ہے تو نصیحت و ہدایت کامل اور تقویٰ رساں ہو کر سننے اور پڑھنے والے کے دل میں خدا و رسول کی محبت و عظمت پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوتا اس قسم کے یک رخی مسائل اور اباحتی عقائد و اعمال کی تعلیم سے مسلمانوں کا آرام طلب اور نفس پرست طبقہ بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے اور اس طبقہ کی تعداد تھوڑی نہیں بلکہ بہت ہے جب ان اباحتی مسائل کے مقابلے میں فرائض اور اصولی احکام کار دار شکست ہونا لازم ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اُن فرائض اور منصوص احکام کو آسانی توڑ دیتے اور مطلق نہیں ڈرتے۔ اس طرح شریعت اسلام کی بے عزتی اور بے اعتباری پیدا ہو کر مسلمانوں کے ایمان کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً چند سال ہوئے کہ ایک صاحب نے ایک خاص قسم کے سود کا جواز ثابت کرنا چاہا اور مسلمانوں کے افلاس کو انکی تمام خرابیوں کا سرچشمہ ظاہر کر کے افلاس کے دور کرنے کی ترکیب سود خوری تجویز کی۔ بعض مولویوں کے فتوے اور بعض آیات کی نامناسب تاویلیں اور بعض وضعی سندیں بھی فراہم کر دیں۔ اُن کے اس اعلان کی تردید بھی بدلائل لوگوں نے شائع کی لیکن اُن صاحب کو شاید اس خبر کے سننے سے مسرت حاصل نہ ہوگی کہ چند ہی روز کے اندر اندر مسلمانوں میں ہزاروں سود خور پیدا ہو گئے اور مزدوری پیشہ مفلس مسلمانوں کی ایک ہیبت انگیز تعداد اپنے مسلمان ہمسایوں اور مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں اس طرح افلاس و خانہ ویرانی کا شکار ہونے لگی ہے کہ اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں سود کے مجوز صاحب نے تجارتی سود کے نام سے ایک خاص قسم کا سود جائز ٹھہرایا تھا لیکن سود کا دروازہ کھلتے ہی اس طوفان سود خوری نے ہر اُس شخص کو جس کے پاس دس پندرہ یا سو پچاس روپیہ بھی تھے سود خور بنا دیا اور ان مسلمان سود خوروں سے سودی روپیہ لے کر چند روزہ گلچھرے اُڑانے والے ہزاروں لاکھوں مزدوری پیشہ مفلس اور ناعاقبت اندیش مسلمان موجود ہو گئے جن کو ہندو ساہوکاروں سے نہ سودی روپیہ مل سکتا تھا نہ اُن کو کبھی سودی قرضہ لینے کا خیال آیا تھا ان نئے سودی قرضہ لینے والوں میں فی ہزار ایک آدمی بھی ایسا نہیں جسنے کسی تجارتی ضرورت سے سود لیا ہو اور اپنے ہاتھوں خود اپنی بربادی کا سامان فراہم نہ کیا ہو۔ اب اگر خود وہ سود پسند صاحب

کبھی قرآن کا جامہ پہن کر آئیں اور مسلمانوں کو سمجھائیں کہ ہمارا مدعا اس قسم کی تباہ کن سود خوری سے نہ تھا تو کوئی ان کی بات نہ سُنے گا۔ اور کوئی سود خور اس سود خوری سے باز نہ آئیگا۔

قومی انجمنوں کا تباہ کن طوفان

نسل انسانی کی صلاح و فلاح کو برباد کرکے تباہی و خرابی لانے والی بیماریوں میں افتراق و تشتت ایک سب سے بڑی بیماری ہے۔ شریعت اسلام نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا کر نسلی اور قومی عصبیتوں کو فنا کر دیا تھا قوموں اور نسلوں کو قرآن مجید نے تعارف کا ذریعہ بتا کر صرف تقوے کو موجب عزت اور باعث تکریم قرار دیا ہے۔ لیکن چند سال سے دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان میں خدا جانے کس غیر محسوس اور غیر معلوم محرک کی طرف سے یہ تحریک اتفاقی گئی کہ قومی برادریوں کے الگ الگ نظام قایم ہوکر مسلمانوں کے اندر رہ رہا قومی انجمنیں قائم ہوگئیں۔ سیدوں۔ مغلوں۔ پٹھانوں۔ قریشیوں۔ صدیقیوں۔ فاروقیوں۔ عثمانیوں اولیاؤں اعوانوں۔ کشمیریوں سکے زیٔوں۔ قصائیوں۔ مراسیوں۔ جولاہوں۔ پنجابیوں۔ مسلم راجپوتوں۔ نداقوں نائیوں۔ حلوائیوں وغیرہ کی سیکڑوں قومی انجمنیں قائم ہوگئیں۔ ہر ایک قوم نے اپنے اپنے الگ الگ مقاصد تجویز کیے الگ الگ قومی اخبار اور رسالے جاری ہوئے۔ ان اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ اپنی ہی اپنی برادری اور قوم کی سود و بہبود پر غور کیا جاتا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو غیر سمجھکر اُن کی طرف سے بے التفاتی اختیار کرلیجاتی اور جب اپنی برادری اور کسی دوسری مسلم برادری کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف یا نا الفت واقع ہو تو پوری طاقت اور انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اپنی قوم کی حمایت اور بجا و بیجا طرفداری کیجاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں برادریوں میں رقابت اور منافرت پیدا ہوجاتی ہے اس طرح مسلمانوں کی ایک قوم بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوکر نہ صرف یہ کہ اپنے اتحاد و اتفاق کو کھو چکی بلکہ اس کے اجزا آپس میں بھی چھری کٹاری ہونے لگے ان قومی انجمنوں اور الگ الگ برادریوں کے قایم ہونے سے کوئی بھی نفع ایسا نہیں پہونچ سکتا جس سے بہتر نفع رسانی کا سامان قرآن مجید اور اسلام کے ذریعہ فراہم نہ ہوسکتا ہو قرآن مجید سب کو ملاکر ایک قوم بنانا چاہتا ہے اور آجکل اُس ایک قوم کو توڑ پھوڑ کر سیکڑوں چھوٹی چھوٹی قومیں بنائی جارہی ہیں اور اس کام کو نہایت اچھا اور مستحسن کام سمجھا جارہا ہے۔ یہ نتیجہ ہے قرآن مجید کی طرف سے غفلت اور بے پروائی اختیار کرنے کا۔ اسلام کی ان اندرونی گروہ بندیوں نے قرآن مجید کی طرف متوجہ ہونے اور قرآن مجید کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنانے کی سہولتوں کو برباد کر دیا اور فرقوں کی عصبیتوں نے یہاں تک ترقی کرلی کہ آجکل کوئی سید (فاطمی) کسی سید کی نسبت اور کوئی مغل کسی مغل کی نسبت اور کوئی قصائی کسی قصائی کی نسبت کسی مسلمان سے کوئی جائز نکتہ چینی بھی برداشت نہیں کرسکتا اور بجائے اس کے کہ مسلمان اسلام کے حامی و خادم ہوتے اپنی مخصوص و متعین قوموں اور قومیتوں کے حامی و خدمتگار رہیں اسلامی مقاصد اور خدا و رسول کے منشا کا ضایع اور برباد ہونا بآسانی برداشت کرلیا جاتا ہے لیکن اپنی برادری کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کیجا سکتی مجھکو ذاتی طور پر بہ اسباب کا تجربہ ہے کہ بعض اچھے خاصے سمجھدار اور ذی علم لوگوں نے محض اس لئے کسی عظیم الشان اسلامی نفع کو اپنے ہاتھوں سے ملیامیٹ کر دیا

کہ انکی قوم کے کسی فرد کو نقصان پہونچا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ

لیس منا من دعا الی عصبیۃ (اس کلمہ کو تین مرتبہ فرمایا) رواہ ابوداؤد۔ | وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے جو بیجا طرفداری کی طرف بلائے۔

ابوداؤد ہی کی ایک دوسری حدیث ہے کہ۔

من نصر قومہ علی غیر الحق فھو کالبعیر الذی ردی فھو ینزع بذنبہ | جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق امداد یا طرفداری کی وہ اس لدے اونٹ کی مانند ہے جو کسی گڑھے میں گر گیا ہو اور پھر اس گڑھے میں پڑا اپنی دم ہلا رہا ہو۔

غرور و تکبر اور ابلیس و شیطان

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے گنہگار اور نافرمانوں کے سپہ سالار ابلیس لعین سے جو نافرمانی سرزد ہوئی وجہ تکبر کی وجہ سے ہوئی وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۃ البقر۔ رکوع ۴) قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (اعراف۔ رکوع ۲) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (سورۂ ص۔ رکوع ۵) اس مضمون کی آیتیں سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۷ اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں بکثرت موجود ہیں۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔

قال اللہ تعالی الکبریاء ردائی والعز ازاری فمن نازعنی شیئا منھما عذبتہ۔ اخرجہ مسلم وابوداؤد بروایت ابی سعید وابی ھریرہ رضی اللہ تعالی عنھما۔ | خدا تعالی کہ بزرگی میری ذاتی چادر ہے اور عزت میرا تہبند ہے پس جو شخص ان دونوں میں سے کچھ چیز مجھ سے چھینے یا جھگڑا کرے یعنی تکبر کرے اور میری ذات وصفات میں شرکت کرنا چاہے تو میں اس کو عذاب کرونگا۔

تکبر کے معنی ہیں اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا۔ بہتر اور برتر سمجھنا۔ چونکہ متکبر انسان اپنے اس عقیدہ میں فریب خوردہ ہوتا ہے اور اپنی بڑائی اور کبریائی کا غلط اور نادرست یقین رکھتا ہے لہذا متکبر کو مغرور بھی کہہ دیتے ہیں۔ غرور (غین مضموم) کے معنی فریب اور دھوکے کے ہیں۔ غرور (غین مفتوح) فریبی اور دھوکا باز کو کہتے ہیں اور اسی لئے شیطان رجیم کا ایک نام غرور بھی ہے۔ یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (سورۂ فاطر۔ رکوع ۱) جب کسی متکبر آدمی کو اس کے تکبر کی پاداش میں ذلت و رسوائی حاصل ہوتی ہے تو عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ حمیت یعنی ضد اور ہٹ اور اس کی گریباں گیر ہوجاتی ہے اور وہ فریب خوردگی سے باہر آنے اور اپنے مرتبہ کو پہچاننے کے عوض الٹا اپنے غلط اور نادرست خیال کی تائید میں دوسروں کو بھی فریب خوردہ بنانے اور فساد

پھیلانے کی کوشش کرنے لگتا ہے قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا (القصص۔ رکوع ۷) سب سے پہلے متکبر گنہگار یعنی ابلیس لعین نے اپنے اصرار اور ضد ہی پن سے راندہ درگاہ ہوکر کہا کہ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ٥ (الاعراف رکوع ۲) قرآن مجید کی اصطلاح میں ابلیس کا نام ابلیس اسوقت لیا جاتا ہے جبکہ وہ تکبر کا اظہار اور اپنے آپ کو برتر و بہتر قرار دیکر حکم کی تعمیل سے انکار کرتا ہے لیکن جب وہ دوسروں کو گمراہ کرنے اور فریب خوردہ بنانے کی کوشش کرتا ہے تو شیطان کہلاتا ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب نافرمانی اور تکبر متکبر کی ذات تک محدود ہو تو اس متکبر کا نام ابلیس ہے اور جب دوسروں کو نافرمان و گمراہ بنانے میں مصروف ہو جائے تو اس کا نام شیطان ہے۔ قرآن مجید میں یہ دونوں نام اسی طرح اپنے اپنے موقعوں پر استعمال ہوئے ہیں۔

اغوائے شیطانی اور خواہشات نفسانی

دنیا میں جب سے نسل انسانی آباد ہے نور و ظلمت یا یوں کہو کہ نیکی و بدی کی کشمکش برپا ہے اور قیامت تک برپا رہیگی۔ خدا تعالی نے انسان کو عقل و فہم عطا کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے ذریعہ اچھی اور بری باتوں سے آگاہ فرما کر اچھے کاموں کے کرنے کی ترغیب دی اور برے کاموں سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥ (الاعراف۔ رکوع ۴) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل۔ رکوع ۵) بخلاف اس کے شیطان انسان کی عقل کو ماؤف کرکے اسے اچھے کاموں سے باز رکھنے اور برے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرنے میں مصروف ہے۔ شیطان کا نام سب سے پہلے گنہگار ابلیس لعین کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ خدا تعالی نے قرآن مجید میں ہر ایک گمراہ کرنے اور بہکانے والے کو خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو شیطان کے نام سے پکارا ہے اور اسی لئے جمع کے صیغے میں شیاطین کا لفظ بھی قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور ان شیاطین کے اخوان و اعوان کا بھی ذکر آیا ہے۔ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ٥ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ط أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥ (البقرہ رکوع ۳۴) وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ط (الانعام۔ رکوع ۱۴) جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ عقل و تدبر اور بصیرت و بینائی سے کام لیتے ہیں وہ شیطانی اغواء سے محفوظ اور نیکی و راست کرداری کی صراط مستقیم پر قائم رہ کر فوز و فلاح سے ہمکنار اور رضائے الٰہی کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ جذبات نفسانی اور اغوائے شیطانی کے معمول و مغلوب بنکر

عقل و دانائی سے جدا ہو جاتے ہیں وہ نقصان و خسران میں مبتلا ہو کر ناکام و نامراد اور رو رخ کا ایندھن بنتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (بنی اسرائیل رکوع ۱) وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝ (انعام۔ رکوع ۱۴) وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران۔ رکوع ۱) پس ثابت ہوا کہ کامیاب و بامراد ہونے کے لئے بیجا خواہشات نفسانی اور اغوائے شیطانی سے بچنے، چوکس رہنے اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے ہدایت ہونیکی سخت ضرورت ہے۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ۔ رکوع ۳۴) فوز و فلاح تک پہونچانیوالی صراط مستقیم سے واقف اور اس پر گامزن ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ انسان فہم و فراست سے کام لیکر کلام الٰہی یعنی قرآن مجید ہی کے ذریعہ روشنی اور ہدایت کا جویا ہو۔

خوش عقیدگی اور اسلاف پرستی

خوش عقیدگی اور حسن ظن انسان کی صفات حسنہ میں شامل اور بدگمانی عیوب و رذائل میں شمار ہوتی ہے

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ (الحجرات۔ رکوع ۲)

ایمان والو! بہت سے شکوک و شبہات پیدا کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض شکوک گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے تجسس میں نہ رہا کرو اور تم میں سے کوئی کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرے۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ حم سجدہ رکوع ۳)

اور اے کافرو! یہی تو وہ تمہاری بدگمانی تھی جو تم نے اپنے رب کی نسبت کی اور تمہاری اسی بدگمانی نے تم کو برباد کیا اور تم نقصان رسیدوں میں ہوئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ظنوا المومنین خیرا۔ لیکن اسی خوش عقیدگی اور حسن ظن کی حدود کو مدنظر نہ رکھنے سے انسان شیطان کا کھلونا بنکر بڑی بڑی رذالتوں حتی کہ شرک جیسے گناہ عظیم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کسی شخص کی خوبیوں سے واقف ہو کر اور بہت سی خوبیوں کو بھی بلا تحقیق اس شخص میں فرض کر لیتا اور کبھی ایسی باتوں کو بھی اس سے منسوب کر دیتا ہے جن کا منسوب کرنا کفر اور شرک صریح ہوتا ہے۔ حسن ظن یا خوش عقیدگی اپنی حد سے متجاوز ہو کر ہمیشہ آباء پرستی اور اسلاف پرستی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور قرآن مجید نے اسی آباء پرستی اور اسلاف پرستی کو سب سے زیادہ مذموم و معیوب اور انسان کی انتہائی نالائقی اور پاجی پن قرار دیا ہے۔ حسن ظن اور اسلاف پرستی میں فرق نہ کرنا سب سے بڑی گمراہی اور بے راہ روی ہے۔ اسی اسلاف پرستی نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ اسی اسلاف پرستی نے انبیاء علیہم السلام

کو لوگوں سے خدا اور خدا کا بیٹا کہلوایا۔ اسی اسلاف پرستی نے یہودیوں کو مسیح علیہ السلام کا دشمن بنایا اور اسی اسلاف پرستی کی بدولت عیسائیوں نے مسیح کو ابن اللہ کہا۔ یہی اسلاف پرستی تھی جس نے حضرت کرم اللہ وجہہ کو بعض جاہلوں سے نبی اور بعض سے نعوذ باللہ خدا کہلوایا اور اسی اسلاف پرستی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ کی انگلی سے عزرائیل علیہ السلام فرشتہ کی آنکھ پھوڑوا ڈالی۔

صحابہ کرامؓ کی نسبت بھی لوگوں نے مافوق البشریت باتوں کا اعتقاد کر کے اپنے لئے بہت سی مشکلات پیدا کر لی ہیں صحابہ کرامؓ کی نسبت جب کوئی ایسی بات بیان کیجاتی ہے جس میں بشریت اور کسی عام انسانی کمزوری کو دخل ہو تو لوگ چونک اٹھتے اور کسی انسانی کمزوری کو صحابہ کرام کی شان رفیع کے خلاف تصور کر کے ایسی دور از کار تاویلوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو عقل اور اسلام کے سراسر خلاف ہوتی ہیں۔ حالانکہ اسباب پر غور کرنا چاہیئے تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وحی الٰہی اور احکام دین کے علاوہ اور باتوں میں تمہاری ہی مانند ایک انسان ہوں تو کسی دوسرے میں مافوق البشریت طاقتوں کا یقین کرنا کہاں جائز ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے خوارق عادات اور معجزات و کرامات کو کمال اسلام اور کسی شخص کے برگزیدۂ الٰہی ہونے کی دلیل سمجھ رکھا ہے۔ والانکہ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامتیں ہمیشہ کافروں منکروں اور شریروں کے مقابلہ میں اتمام حجت کے طور پر ظاہر ہوئی ہیں اور منکرین پر عذاب الٰہی کے وارد ہونے کا موجب بنی ہیں۔ مسلمانوں اور مومنوں کے لئے تو کبھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوئی اور نہ ان چیزوں کو خدا اور رسول نے کسی شخص کے نیک اور پرہیزگار ہونے کا معیار قرار دیا۔ اصل نیکی اور حقیقی کامیابی تو احکام الٰہی کی پابندی میں ہے نہ خارق عادات اور غیر معمولی باتوں کی نمائش میں۔ اگر ایسا ہوتا تو عرب کے تمام کاہن۔ ہندوستان کے تمام جوگی اور موجودہ یورپ کے تمام مسمریزم خاصان خدا اور اولیاء اللہ میں شمار ہوتے۔ آنحضرت صلعم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ تابیر نخل کرتے یعنی نر کھجور کے پھول کو مادہ کھجوروں کے پھولوں پر جھاڑتے ہیں آپ نے پوچھا تم لوگ یہ کیا کرتے ہو لوگوں نے کہا ہم ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نہ کرو تو بہتر ہے۔ انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ اس سال پھل کم آیا۔ آپؐ نے پھل کم آنے کا حال سنکر فرمایا کہ انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رائی فانما انا بشر (میں ایک بشر ہوں جب میں تمکو تمہارے دین کی کوئی بات بتاؤں تو اس کو مان لو اور جب اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو سمجھ لو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں) دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا به فانی لم اکذب علی اللہ (میں نے ایک قیاس کیا تھا تم مجھ سے اس قیاس کے متعلق مواخذہ نہ کرو لیکن ہاں جب میں کوئی بات خدا تعالیٰ کی طرف سے کہوں تو اسے مان لو کیونکہ میں خدا تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھتا) ایک اور روایت میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ الفاظ بھی فرمائے کہ انتم اعلم بامور دنیاکم (تم اپنے دنیاوی امور کو زیادہ جاننے والے ہو) پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سید اولاد آدمؑ اور جامع جمیع کمالات

انسانیہ تھے ایک بشر ہونے کا اقرار کرتے اور دنیوی کاموں کے متعلق اپنی غلط اور صحیح دونوں باتوں کے امکان کا اعلان فرماتے ہیں تو کسی دوسرے کی نسبت ہرگز ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بشریت سے بالاتر اور ہر قسم کی فکر و رائے میں معصوم و مامون ہے۔

باب ششم

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

(۱) هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط الخ۔ (سورۃ الفتح رکوع ۴)

خدا تو وہ ہے جس نے اپنے رسول محمد صلعم کو دین حق اور ہدایت دیکر بھیجا کہ اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے محمد خدا کے رسول ہیں الخ۔

(۲) هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (الجمعہ رکوع ۱)

خدا تو وہ ہے جس نے مکہ والوں میں انھیں میں سے رسول بھیجا جو انکو خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھکر سناتا اور انکو آلائش گناہ سے پاک کرتا اور انکو قرآن مجید اور دانائی باتیں سکھاتا ہے اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

(۳) يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۝ (سورۃ الاحزاب۔ رکوع ۶)

اے نبی ہم نے تجھکو توحید الٰہی کی گواہی اور مومنوں کو رضائے الٰہی کی خوشخبری دینے والا اور کافروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانیوالا اور اپنے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ اور تاریکی کو دور کرنے والا روشن چراغ بناکر بھیجا ہے تو مومنوں کو یہ بشارت دیدے کہ ان پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے

(۴) وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۤفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (السبا۔ رکوع ۳)

اور اے رسول ہم نے تجھکو دنیا بھر کے تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بناکر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

(۵) اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ط وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۝ (فاطر۔ رکوع ۳)

اے رسول ہم نے تجھکو حق و حکمت کے ساتھ نیکوں کو جنت کی خوشخبری سنانیوالا اور بدوں کو دوزخ سے ڈرانیوالا بناکر بھیجا ہے۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں گذری کہ انہیں کوئی رسول یعنی گنہگاروں کو

عذاب الٰہی سے ڈرانیوالا نہ آچکا ہو۔

(۶) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف۔ رکوع ۲۰)

اے رسول کہدے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا پیغمبر ہوکر آیا ہوں جس کے لئے آسمان و زمین کی حکومت ہے اُس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس تم اللہ اور اُسکے رسول نبیٔ اُمّی پر ایمان لاؤ کہ خود رسول بھی اللہ اور کلام اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور تم رسول کی پیروی کرو تاکہ ہدایت یافتہ بنجاؤ۔

(۷) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (آل عمران۔ رکوع ۱۴)

اور اے مومنو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد۔ رکوع ۴)

اے مومنو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور نافرمان بنکر اپنے اعمال کو ضایع نہ کرو۔

(۹) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (التغابن۔ رکوع ۲)

اور لوگو! اللہ اور رسول کے فرمانبردار بنجاؤ اور اگر تم انحراف اختیار کروگے تو ہمارے رسول کا کام تو ہمارے احکام کا صاف صاف پہونچادینا ہی ہے۔

(۱۰) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (المائدہ۔ رکوع ۱۲)

اور مسلمانو! خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو اگر تم خدا اور رسول کی اطاعت سے منحرف ہوجاؤگے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کا کام تمہارے احکام کا صاف طور پر پہونچادینا ہی ہے۔

(۱۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء۔ رکوع ۸)

اے مومنو! اللہ اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے تمہارے فرمانروا ہوں اُن کی بھی فرمانبرداری کرو اور اگر تم اپنے اس سردار سے کسی معاملہ میں جھگڑا کرو تو تمہارے خدا اور یوم آخر پر ایمان لانے کا ثبوت یہ ہوگا کہ تم اُس معاملہ کو خدا اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو اور اگر تم ایسا کروگے تو یہی بہتر بھی ہوگا اور اُس کا نتیجہ بھی اچھا ہوگا۔

(۱۲) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ

اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ بھی تمکو دوست رکھے اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○
(آل عمران - رکوع ۴)

اور اللہ غفور و رحیم ہے اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر انکار کریں تو پھر اللہ تو منکروں کو دوست نہیں رکھتا۔

(۱۳) وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (الحشر - رکوع ۱)

اور مسلمانو! رسول تم کو جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اُس سے رک جاؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ خدا تعالیٰ شدید العقاب ہے۔

(۱۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ
(الفتح - رکوع ۱)

اے رسول جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ گویا خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔

(۱۵) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○
(النساء - رکوع ۹)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری اختیار کرینگے وہ نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالےٰ کے بڑے بڑے انعام ہوئے ہیں اور یہ لوگ کیسے اچھے رفیق ہیں۔

(۱۶) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○
(النساء - رکوع ۱۷)

اور جو کوئی ہدایت کے ہویدا ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے طریق کو چھوڑ کر دوسرا طریق اختیار کرے تو اس نے جو طریق اختیار کیا ہے ہم اُس کو اُسی طرف متوجہ رکھینگے اور اُس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور دوزخ تو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

(۱۷) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ - رکوع ۸)

کیا اُن کو اس بات کی خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کریگا اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا اور یہ بہت بڑی ذلت و رسوائی ہے۔

(۱۸) وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ (فاطر رکوع ۳)

اور اے رسول اگر یہ کفار تیری تکذیب کرتے ہیں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی تکذیب کی تھی جبکہ اُن کے پاس اُن کے رسول کھلے دلائل اور صحائف اور روشن کتابیں لیکر آئے تھے۔

(۱۹) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب - رکوع ۳)

مسلمانو! تمہارے واسطے رسول اللہ کا طرزِ عمل پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

(۲۰) وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ○
(فاطر - رکوع ۱)

اور اے رسولؐ! اگر یہ لوگ تیری تکذیب کرتے ہیں تو تجھ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب ہوتی رہی ہے اور سارے کام اللہ ہی کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع کئے جائینگے۔

(۲۱) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○ (المائدہ - رکوع ۱۰)

اے رسولؐ! تجھ پر تیرے رب کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے تو اُس کی تبلیغ کردے یعنی لوگوں تک احکام الٰہی پہونچا دے اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو گویا اپنے فرض رسالت ہی کو پورا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ تجھکو لوگوں کے حملوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھیگا۔ خدا تعالیٰ کافروں کی قوم کو رستہ نہیں دکھایا کرتا۔

(۲۲) وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ○ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ○ (الفرقان - رکوع ۴)

اور اے رسولؐ! یہ کفار نا ہنجار جب تجھکو دیکھتے ہیں تیری ہنسی اُڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اگر ہم اپنے بتوں پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس نے تو ہمکو اُنسے منحرف کر ہی دیا تھا لیکن عذاب الٰہی دیکھنے کے وقت اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ کون انتہائی گمراہی میں مبتلا تھا۔

(۲۳) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ (الغاشیہ)

اے رسولؐ! تو لوگوں کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنیوالا ہے۔ اُن پر داروغہ کے طور پر ذمہ دار نہیں بنایا گیا۔

(۲۴) قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ○ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ○ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○ (الزمر رکوع ۲)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ مجھکو تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کے احکام کی فرمانبرداری ملحوظ رکھکر خالص اُسی کی عبادت کروں مجھکو حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں اور اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ میں تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے روز قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

(۲۵) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ○ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ○ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ○ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ○
(الدھر رکوع ۲)

اے رسول یقیناً ہم نے ہی تجھ پر قرآن بتدریج نازل کیا ہے پس تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کر اور ان لوگوں میں سے کسی بد اعمال ناشکرے کا کہا نہ مان اور شام و سحر اپنے رب کا نام یاد کر اور رات کے ایک طویل حصہ میں اپنے رب کے حضور سجدہ و تسبیح کر۔

(۲۶) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الزخرف - رکوع ۴)

اے رسول تجھ پر جو وحی کیا گیا ہے اُس پر مضبوطی سے قایم رہ یقیناً تو سیدھے راستے پر قایم ہے اور یہ قرآن تیرے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور تم سب سے اس کے متعلق پوچھا جائیگا۔

(۲۷) اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ (الزمر - رکوع ۴)

کیا خدا تعالیٰ اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کافی نہیں؟ اور تجھکو اے رسول یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں اور جسکو خدا تعالیٰ گمراہ کرے پھر اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

(۲۸) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیہ - رکوع ۲)

پھر اے رسول ہم نے تجھکو دین اسلام کی شاہراہ پر ڈال دیا پس تو اسی راستہ پر گامزن رہ اور بے سمجھ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

(۲۹) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ط اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الاحقاف - رکوع ۱)

اے رسولؐ ان لوگوں سے کہدے کہ میں رسولوں میں کوئی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا۔ نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں تو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اور میں تو نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔

(۳۰) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ (الشوریٰ - رکوع ۲)

پس اسی لئے اے رسولؐ لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلا اور جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے خود بھی اسی دین پر قایم رہ اور اُن کی خواہشوں پر نہ چل اور کہدے کہ خدا تعالیٰ نے از قسم کتاب جو کچھ نازل کیا ہے میں اُس کو مانتا ہوں اور مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں اللہ ہی ہم سب کو جمع کرے گا اور اُسی کی طرف واپس جانا ہے۔

(۳۱) قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ جن معبودان

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَمَّا جَاءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (المومن - رکوع ۷)

اللہ کی تم پرستش کرتے ہو مجھکو انکی پرستش سے ممانعت کیگئی ہے جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے کھلی کھلی دلیلیں آگئی ہیں اور مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین کا فرمانبردار رہوں۔

(۳۲) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ (فصلت - رکوع ۱)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ میں تمہاری ہی مانند ایک بشر ہوں مجھپر وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود وہی اکیلا معبود ہے پس تم اُسکی طرف متوجہ رہو اور اُسی سے مغفرت طلب کرو اور مشرکوں کے لئے ہلاکت و تباہی ہے۔

(۳۳) وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (الزمر - رکوع ۷)

اور اے رسولؐ! تیری طرف اور تجھ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے اگر تو شرک کریگا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو زیان کاروں میں سے ہو جائیگا بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر گذار بندوں میں سے ہو جا۔

(۳۴) قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (یونس - رکوع ۵)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ میں اپنی جان کے لئے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے۔ ہر ایک امت کے لئے ایک وقت متعین ہے جب اُن کا وہ وقت آگیا تو پھر نہ ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہیں۔

(۳۵) قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف - رکوع ۲۳)

اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر وہی جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب سے واقف ہوتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھکو کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو ایمان لانے والوں کے لئے صرف نذیر اور بشیر ہوں۔

(۳۶) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ؕ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی

اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ بھی کہدے کہ نہ میں غیب سے واقف ہوں

الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝
(الانعام - رکوع ۵)

نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اے رسولؐ ان لوگوں سے کہہ کہ کہیں اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ تم کیوں نہیں سوچتے ہو۔

(۳۷) وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۝
(المائدہ - رکوع ۷)

اور اے رسولؐ۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اسی کے موافق لوگوں میں حکم دے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان کی طرف سے خوب چوکس رہ کہ کہیں ان باتوں میں سے جو خدا تعالیٰ نے تجھ پر نازل کی ہیں بعض کے متعلق تجھ کو بہکا نہ دیں۔

(۳۸) وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (النساء - رکوع ۱۷)

اور اے رسولؐ! اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ تجھ کو بہکا دیں اور یہ لوگ دوسروں کو نہیں بلکہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور تجھ کو یہ لوگ کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تجھ کو وہ باتیں بتا دی ہیں جو تجھ کو معلوم نہ تھیں اور تجھ پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

(۳۹) وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم - رکوع ۱)

لوگو! قسم ہے نجم کی جبکہ وہ ٹوٹتا ہے کہ تمہارا صاحب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ راہِ راست سے بھٹکا اور نہ بہکا اور نہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ نازل شدہ وحی ہوتی ہے۔

(۴۰) نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝
(القلم - رکوع ۱)

قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو لکھتے ہیں کہ اے رسول تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں اور یقیناً تیرے لئے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور بیشک تیرے اخلاق حسنہ اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

مذکورہ آیات کا حاصل مطلب

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر قرآن مجید کی سیکڑوں آیات میں آیا ہے جنمیں سے صرف چند آیات اوپر نقل کی گئی ہیں ان آیات پر غور کرنے سے ذیل کی چند باتیں بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو قرآن مجید یعنی کامل ہدایت نامہ پہونچانے۔ اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرنے۔ بُرے کاموں سے بچانے اور اچھے کاموں کی ترغیب دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

اگرچہ آپؐ کے اولین اور براہ راست مخاطب آپؐ کے ہموطن عرب لوگ تھے لیکن آپؐ تمام بنی نوع انسان کے لئے رسول ہوکر تشریف لائے اور ایسی شریعت لیکر آئے جو باقی تمام شریعتوں سے بہتر۔ تمام ادیان کی ناسخ اور کامل و مکمل شریعت ہے۔

شرارت پیشہ لوگوں نے آپؐ کی تکذیب کرنے آپ کے ساتھ تمسخر و استہزا سے پیش آنے اور آپ کو نقصان پہونچانے کی کوششوں میں کمی نہیں کی چنانچہ خدا تعالیٰ نے آپ کو تسکین دینے اور آپ کا دل قوی کرنے کے لئے گذشتہ رسولوں کی طرف توجہ دلائی کہ اُن کے ساتھ بھی لوگوں نے اسی قسم کی شرارتیں کی تھیں۔

آپ کی مخالفت اُس زمانہ کے لوگوں نے اسی طرح کی جیسی کہ ہر ایک نبی کی مخالفت دنیا میں پہلے ہو چکی تھی آپ کو فرض تبلیغ و رسالت سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوششیں مشرکوں اور باپ دادا کی نامعقول مراسم کے باقی رکھنے والوں نے کیں لہذا خدا تعالیٰ نے بار بار آپ کو ان بداعمال لوگوں کی شرارت سے خبردار فرما کر ان کی بات نہ ماننے اور ان کی خواہشات پوری نہ کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور مشرکوں اور رسالت کے منکروں کو لاجواب کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے خود آنحضرت صلعم کو جوابات اور دلائل تعلیم فرمائے۔

اگرچہ آنحضرت صلعم سے توحید باریتعالیٰ کے عقیدہ اور احکام الٰہی کی تعمیل میں کوئی کمی یا نقص واقع نہیں ہو سکتا تھا لیکن توحید الٰہی اور تعمیل احکام خداوندی کی اہمیت ثابت کرنے کے لیئے خلاف ورزی واقع ہونے کی حالت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو بھی ڈرانے اور وعید سنانے میں مستثنیٰ نہیں فرمایا اور احکام شرع کا سب سے پہلا مکلف آنحضرت صلعم ہی کو قرار دیا۔

ہر شخص کے لئے آپؐ کی اطاعت و فرمانبرداری لازمی قرار دیکر آپؐ کی اطاعت کو خدا تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو خدا کے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ پھر لوگوں کو توجہ دلائی کہ آنحضرت صلعم تم کو جو حکم دیتے ہیں وحی الٰہی کی بنا پر دیتے ہیں اپنے دل سے خود جھوٹ بنا کر خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے پھر یہ بھی بتایا کہ آپ دیوانے اور مجنون نہیں ہیں۔ آپؐ کے طرز عمل کو لوگوں کے لئے نمونہ قرار دیا اور آپ کی نافرمانی اور مخالفت کو عذاب جہنم اور ذلت و رسوائی کا موجب ٹھہرایا۔

قرآن مجید میں آپؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کے متواتر اور بکثرت تاکیدی احکام سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ کے اندر خدائی صفات موجود ہیں لہذا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپؐ کی نسبت متعدد مقامات پر صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ آپ اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع کے حاصل کرنے اور کسی ضرر سے بچنے کا بطور خود کوئی اختیار نہیں رکھتے نہ آپ کے پاس خدائی خزانے ہیں نہ آپؐ فرشتہ ہیں اور نہ آپؐ غیب کی باتیں باختیار خود جانتے ہیں۔ مگر ہاں آپؐ خدا کے رسول ہیں۔ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے جو غیب کی باتیں خدا تعالیٰ آپ کو بتا دیتا ہے وہ آپ کو معلوم ہو جاتی ہیں چنانچہ پہلے گذرے ہوئے رسولوں اور پہلی امتوں کے اکثر حالات خدا تعالیٰ نے آپؐ کو اور آپ کی قوم کو بتائے اور سنائے جو پہلے سے مکہ والوں کو معلوم نہ تھے۔ اسی طرح آئندہ کی جو باتیں خدا نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائیں وہ آپ کو معلوم ہوئیں بطور خود آپ کو معلوم نہ تھیں۔ کفار نے اکثر آپؐ سے غیب کی باتوں کے معلوم کرنے کی فرمائش کی آپؐ نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میں نہیں جانتا مجھکو تو وحی کے ذریعہ جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور میں وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔ اس طرح آنحضرت صلعم کے بشر اور بندہ ہونے کو صاف الفاظ میں بیان فرما کر بہت سے شرکیہ عقائد کی روک تھام اور اس اندیشہ کا انسداد فرما دیا کہ جس طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں اور نبیوں میں خدائی صفات تجویز کر کے ان کو بجائے خدا معبود بنا لیا تھا اسی طرح مسلمان آنحضرت صلعم میں خدائی صفات تجویز کر کے توحید الٰہی سے منحرف اور شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

آنحضرت صلعم لوگوں کو گمراہ اور راہ راست سے منحرف دیکھکر بہت بیتاب ہوتے اور انکو صراط مستقیم پر لانے اور مسلمان بنانے کی کوشش میں حد سے زیادہ محنت اٹھاتے تھے لہذا خدا تعالیٰ نے بار بار آپؐ کو توجہ دلائی اور تسکین فرمائی کہ تمہارا کام تو صرف خدا کا پیغام لوگوں کو سنا دینا اور اچھے یا برے کاموں کے نتائج یاد دلا دینا ہے برائیوں سے بچنا اور نیکیوں پر عامل ہونا لوگوں کا کام ہے اگر وہ نصیحت سننے کے بعد بھی اپنی بدی سے باز نہ آئیں تو اس میں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔

باوجود اس کے کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلعم کی اطاعت و فرمانبرداری کی سخت تاکید کی خود آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ صلح و جنگ یا انتظامی معاملات میں مسلمانوں اپنی صحابہ کرامؓ کو بھی شریک مشورہ کر لیا کرو اور بعد مشورہ جو رائے آپ کی قائم ہو خدا پر بھروسہ کر کے اُس پر عمل کر لیا کرو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○

(آل عمران - رکوع ۱۷)

بس اے رسولؐ! یہ بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تو ان لوگوں کے لئے نرم دل ہے اگر تو سخت مزاج اور سنگدل ہوتا تو یہ لوگ تیرے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے ان کی خطاؤں کو معاف اور ان کے لئے مغفرت طلب کر اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا کر پھر جب تو ایک رائے پر قائم ہو جائے تو خدا پر بھروسہ کر کے اُس پر

عمل کر جو لوگ خدا پر بھروسہ کرتے ہیں خدا اُن کو دوست رکھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رفیع اور مقام بلند کا مفصل اور مدلل تذکرہ میں اپنی استطاعت کی موافق کتاب تحفۃ الاسلام کے چوتھے باب میں لکھ چکا ہوں۔ اس بیان کو اُس کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے جو لوگ فیضیاب ہوئے اور جنھوں نے مسلمان ہوکر براہِ راست آپؐ سے تعلیم پائی اُن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر آیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اُن کے ہدایت یاب اور دوسروں کے لئے موجب ہدایت ہونے کی خود گواہی دیکر اُنکی نسبت اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(التوبہ۔ رکوع ۱۳)

اور مہاجرین و انصار میں سے وہ لوگ جنھوں نے سب سے پہلے ایمان لاکر مسلمان ہونے میں سبقت کی اور وہ لوگ جنھوں نے انکی پیروی سچے دل سے کی یعنی جو ان سابقون الاولون کے بعد خلوص دل ایمان لائے خدا تعالیٰ ان سب سے راضی اور وہ خدا سے راضی ہیں خدا تعالیٰ نے اُن کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ لوگ اُنمیں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی و مقصد وری ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۔

(الفتح۔ رکوع ۴)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو اُن کے ساتھی ہیں یعنی صحابۂ کرامؓ وہ کافروں پر تو بڑے سخت ہیں مگر آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو اُن کو رکوع و سجود کی حالت میں دیکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اُس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اُنکی شناخت اُن کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہوتی ہے یہی صفات اُنکے توریت میں اور یہی صفات اُنکے انجیل میں بھی ہیں۔

پھر فرمایا:-

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحشر - رکوع ۱)	تہیدست مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے گھروں سے نکالے اور اپنی جائدادوں سے بیدخل کئے گئے یہ لوگ خدا تعالی کے فضل اور اسکی رضامندی کے طالب ہیں اور خدا و رسول کی خدمت وحمایت میں مصروف ہیں یہ بڑے سچے لوگ ہیں۔

آخر رکوع تک مہاجرین و انصار اور بعد میں ایمان لانیوالے صحابہ کرام کے اعلیٰ اخلاق کا ذکر بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کے اکثر مقامات میں صحابہ کرامؓ کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ تمام کے تمام بعد میں آنیوالی مسلمان نسلوں کے لئے مقام تکریم اور انمیں سے ہر ایک نجم ہدایت ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ - رکوع ۱۷)	اور اسی طرح ہم نے تمکو راست رو جماعت بنایا تاکہ تم لوگوں کے سامنے بطور نمونہ پیش کئے جاؤ۔
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران - رکوع ۱۲)	لوگوں کے لئے تم بہترین امت منتخب کئے گئے ہو کہ اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔
حدیث شریف میں آیا ہے کہ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم	میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے کسی کی پیروی کروگے تو ہدایت پاؤگے۔

لیکن خود قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ثابت ہے کہ انمیں بھی فضیلت و بزرگی کے مدارج اور مراتب عزیز تھے مثلاً سابقون الاولون اور والذین اتبعوہم باحسان۔ مہاجر۔ انصار۔ خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے حکم سنتے ہی بلا عذر نکل کھڑے ہونے والے اور کسی قدر پیچھے رہ جانے والے۔ صف قتال میں انتہائی خطرہ کے وقت بھی ثابت قدم رہنے والے اور اس موقع پر کسی قدر انسانی کمزوری کا بھی اظہار کر دینے والے اصحاب بدر۔ اصحاب بیعت رضوان۔ اہلبیت نبوی وغیرہ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ عشرہ مبشرہ۔ خلفائے راشدین فتح مکہ کے بعد اسلام لانیوالے اہل مکہ۔ انصار مدینہ۔ اصحاب صفہ وغیرہ کا ذکر احادیث میں بالتفصیل مذکور ہے انفرادی طور پر بھی خاص خاص حضراتؓ کی نسبت خاص خاص صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوئے ہیں۔ لیکن کسی صحابی کی نسبت یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ انھوں نے مسلمان ہونے اور خدا و رسول کی اطاعت قبول کر لینے کے بعد کبھی دانستہ جھوٹ بولا ہو۔ یا تقلیداً یا رستے متاثر ہو کر خدا و رسول کے کسی حکم کے خلاف حمیتہ الجاہلیہ۔ اصرار۔ استکبار۔ ضد اور ہٹ کا اظہار کیا ہو۔ اگر کسی صحابی سے کوئی لغزش و زلت سرزد بھی ہوئی تو وہ اُس غلطی پر ہمیشہ قائم نہیں رہے اور انھوں نے ضرور اپنی اصلاح فرمائی۔ کسی صحابی سے دانستہ کوئی گناہ کبیرہ اسلام کے لئے سرزد نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی محبت عظمت اور اطاعت کے منافی کوئی حرکت کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ آنحضرت صلعم کا کوئی حکم اگر کسی دوسرے شخص کی زبانی کسی صحابی کے پاس پہونچا اور اُن کو ثابت ہوگیا کہ یہ آنحضرت صلعم کا حکم ہے تو اُنھوں نے فوراً اس کے آگے گردن جھکادی اور کبھی سرتابی کی جرأت نہیں کی۔ غرض کہ آنحضرت صلعم کی صحبت ایک ایسی اکسیر تھی کہ جس سعید الفطرت اور صحیح الفطرت کو میسر ہوئی وہ کندن بنگیا۔ جو لوگ شقی ازلی اور ناقابل اصلاح تھے وہ اُس رہبر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر ہونے اور مخاطب ہونے کے باوجود راہِ راست پر نہ آئے اور اُنکی نجاست اور شرارت نے اور بھی ترقی کرکے اُنکو دو گروہوں میں تقسیم کردیا ایک کافر اور دوسرے منافق جسطرح کافر آنحضرت صلعم کے لیے باعثِ اذیت تھے اسیطرح منافق بھی موجب تکلیف ہوئے۔ دین حق کے آفتاب کی حقیقی صبا پاشی نے جسطرح آنحضرت صلعم کے کافر دشمنوں کو نیست و نابود اور تخم سوختہ کرکے چھوڑا اسیطرح منافق دشمنوں کا بھی نام و نشان مٹادیا اور آپؐ اپنے فرض رسالت کو کماحقہٗ ادا اور دین اسلام کو کامل و مکمل حالت میں تعلیم فرماچکے تو خدا تعالیٰ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کا مژدہ جانفزا سناکر آپکی کامیابی کی تصدیق فرمادی۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ نے اسلام کو دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشہ میں پہونچادیا۔ صحابہ کرامؓ کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماچکا تھا کہ

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (الحج۔ رکوع ۶)

یہ لوگ یعنی صحابہ کرامؓ تو ایسے ہیں کہ اگر ہم انکو زمین میں پائداری اور حکومت عطا کریں تو یہ نماز پڑھیں گے زکوٰۃ دینگے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینگے اور برے کاموں سے روکیں گے یعنی سب اچھے ہی اچھے کام کرینگے اور کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ط یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
(النور۔ رکوع ۷)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے اُنکے لئے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اُن کو زمین کا خلیفہ یعنی ملکوں کا شہنشاہ بنادیگا جیسا کہ اُن سے پہلوں کو بنایا تھا اور جو دین یعنی اسلام خدا نے اُن کے لئے تجویز کیا ہے اُسکو پائدار کرکے رہے گا اور اُن کے خوف کو دور کرکے امن سے تبدیل کردے گا وہ خدا کی عبادت کرتے رہیں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس احسان الٰہی کے بعد ناشکری کریں گے وہ بدعہد اور گنہگار ہونگے۔

آنحضرت صلعم صحابہ کرامؓ کی پاک جماعت کو دین اسلام کی پوری تعلیم دیکر اور اُنکی تہذیب نفس اور

و- رکوع ۱۷ ۵

تربیت اخلاق کو تبلیغ اسلام کے لئے حد کمال تک پہونچا کر او رکَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا مژدہ سنا کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ تمام ملک عرب آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں اسلام کی روشنی سے منور ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد صحابۂ کرامؓ نے شام و عراق کو ایشیائے کوچک و ایران و مصر وغیرہ ممالک میں اسلام کی روشنی پھیلائی جس طرح آنحضرت صلعم کو ملک عرب میں کافروں اور منافقوں کی شرارتوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اسی طرح صحابۂ کرامؓ کو بھی ان ملکوں میں دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہوئے انھیں دو گروہوں (کافروں اور منافقوں) کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جسطرح ملک عرب کے کفار اپنے ناقابل اصلاح عناد و سرکشی کی بدولت تلوار کے گھاٹ اترے اسیطرح ان ملکوں کے کفار ناہنجار کو تلوار کے ذریعہ سیدھا کیا گیا۔

جنگلی چوہے یا لومڑی کے سوراخ پر نفق یا نافقہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جنگلی چوہا اور لومڑی دونوں اپنے سوراخ کے دو راستے رکھتے ہیں تاکہ ایک رستے سے اگر کوئی دشمن داخل ہو تو وہ دوسرے راستے سے نکل بھاگیں یہی حالت منافق کی ہوتی ہے۔ منافق کو دو کشتیوں کا سوار بھی کہہ سکتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ (البقرۃ - رکوع ۲)

اور جب مومنوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں سے تخلیہ میں ملاقی ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے صرف ٹھٹھا کیا کرتے ہیں

قرآن کریم میں ان لوگوں کی نامعقول حرکات اور شرارتوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اسجگہ صرف اسطرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ جسطرح آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں منافقوں کی شرارتیں نہایت تکلیف دہ اور پریشان کن ثابت ہوئی تھیں اسی طرح صحابۂ کرامؓ کے عہد سعادت مہد یعنی خلافت راشدہ کے نصف آخر میں منافقوں کے اس دوسرے جھول نے جو یمن و عراق و شام و ایران و مصر وغیرہ کے منافقین پر مشتمل تھا اپنی شرارتوں سے سخت پریشان کیا۔ لیکن انکی شرارتیں اور ان کے پیدا کئے ہوئے فسادات اسلام کی اشاعت کے دائرہ کو وسیع ہونے سے نہ روک سکے اور بہت ہی جلد چین کے ساحلوں سے مراقش و ہسپانیہ و فرانس کے ساحلوں تک اُس زمانہ کی تمام متمدن دنیا پر خلافت اسلامیہ کا پرچم لہرانے لگا۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا خدا و رسول کے احکام کی اطاعت یعنی قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے نتائج اس دنیا میں بھی سب کے سامنے آگئے اور ثابت ہو گیا کہ نسل انسانی کی صلاح و فلاح کا صرف ایک ہی بے نقص اور نہایت صحیح ذریعہ شریعت اسلام یعنی خدا و رسول کے احکام کی اتباع ہے۔ اس مضمون کو زیادہ طول دینے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ اسلام کے دشمنوں نے بھی متفقہ طور پر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے والوں نے جس

حیرت انگیز اور تعجب خیز سرعت کے ساتھ ساری دنیا اور تمام اقوام وملل وادیان پر حکومت وسلطنت اور قسم کی فضیلت و بزرگی حاصل کی اسکی نظیر تاریخ عالم میں ہرگز تلاش نہیں کی جاسکتی۔

جیسا کہ ہر ایک نبی اور ہر ایک رسول کے آنے پر دنیا میں ہدایت ورشد روی کی روشنی اپنی پوری شان وعظمت سے جلوہ گر ہو کر اس نبی کے فوت ہونیکے بعد بتدریج کم ہونے لگتی تھی اسی طرح آنحضرت صلعم کے اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد اس روحانیت میں بتدریج کمی کا آنا ضروری تھا۔ پہلے نبیوں کے بعد انکی لائی ہوئی تعلیم بتدریج محرّف ومبدل ومسخ ہو کر کچھ عرصہ کے بعد احکام آلٰہی اور کلام آلٰہی کے علی حالہ باقی نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے نبی کا آنا اور نئی شریعت کا نازل ہونا ضروری ہوجاتا تھا آنحضرت صلعم کے بعد اگرچہ آپ پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ایسا مکمل انتظام فرما دیا کہ کسی خطرہ و اندیشہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی پس جبکہ آپکی لائی ہوئی شریعت ہر قسم کے تغیر وتبدل اور تحریف وتنسیخ سے محفوظ وماموں ہے تو نہ نئی شریعت کے آنے کی ضرورت رہی نہ نئے نبی کے تشریف لانے کی۔ نوع انسان کو فلاح وبہبود اور کامیابی ومقصد وری کے لئے ہمہ اوقات موقع حاصل ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر جو موجود ہیں عامل اور دین کامل سے مستفیض ومستفید ہوکر سعیدان ازلی میں داخل ہو۔ مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو جب تک اپنا نصب العین بنائے رکھا اُن کی دنیوی شوکت وعظمت بھی تمام اقوام وملل پر فائق وغالب وقاہر رہی جب کبھی اور جسقدر مسلمانوں کی توجہ قرآن کریم اور تعلیمات قرآنیہ کی جانب سے کم ہوئی اُسی قدر اُن کا دنیوی اقتدار بھی ضائع ہوا قرآن مجید اور اصل مذہب سے مسلمان من حیث القوم جسقدر جُدا ہوئے اُسی قدر منافقوں اور شریروں نے اُن کے اتفاق کو اختلاف وافتراق سے تبدیل کرکے اُن میں فرقہ بندی اور آپس کی عداوتوں کے طوفان برپا کردیئے۔ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی منافقوں نے طوفان برپا کئے تھے لیکن تعلیمات قرآنیہ کی اتباع اور احکام رسول کی فرمانبرداری سے ان طوفانوں پر غالب آکر اسلام کو کوئی اہم نقصان نہیں پہونچنے دیا۔ جب آنحضرت صلعم کے عہد مبارک کو بعد اور قرآن مجید کی طرف مسلمانوں کی توجہ کم ہوتی گئی تو منافقوں اور شریروں کے برپا کردہ اور فروشدہ فتنوں میں پھر جان پڑنے لگی یہانتک کہ ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کی ہوا خیزی وبے اقتداری اور قرآن مجید کی طرف سے غفلت اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کریم کے پُرغور مطالعہ اور مذکورۂ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ تہذیب نفس۔ درستیٔ اخلاق صحت عقیدہ اور اعمال صالحہ کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ یہی انسان کا مقصد زندگی اور انسانی زندگی کا معراج کمال ہے صحابہ کرامؓ میں مذکورہ تمام چیزیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اُن کے حالات تاریخ وسیر کی کتابوں کے ذریعہ بالتفصیل ہمکو معلوم ہیں۔ وہ میدان جنگ میں بہادر شمشیرزن سپاہی اور قوی القلب سپہ سالار تھے تو مجلس مشورت میں دوربیں ومآل اندیش مشیر انھوں نے فرمانروا ہوکر انتظام سلطنت اور قیام عدل وداد میں نوشیروان عادل کو بھلادیا تو ملک گیری میں سکندر کو نامی

کی شہرت کو مٹا دیا۔ وہ ایک طرف قائم اللیل و صائم النہار تھے تو دوسری طرف شہسوار و خنجر گذار۔ وہ شگفتہ مزاج اور خوش طبع بھی تھے اور خدا تعالیٰ کی جناب میں خشوع و خضوع کے ساتھ عبادتیں اور دعائیں کرنے والے بھی وہ علم و حکمت اور عقل و دانائی کے سمندر رکھتے تو خطرات و مصائب کے برداشت کرنے میں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم۔ وہ سادہ لباس اور سادہ غذا استعمال کرنے والے مگر بادشاہوں اور حکیموں سے زیادہ ذکاوت و باریک بینی رکھنے والے تھے۔ ایرانیوں۔ رومیوں۔ یونانیوں اور مصریوں نے انکو اپنے آپ سے زیادہ مہذب۔ زیادہ شریف زیادہ صادق القول۔ زیادہ بہادر۔ زیادہ عقلمند۔ زیادہ شفیق علیٰ خلق اللہ اور زیادہ عادل و رحمدل پاکر اُن کی حکومت و سرداری کو تسلیم اور اُن کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے لئے موجب فخر و سعادت سمجھا لیکن کسقدر حیرت اور حسرت کا مقام ہے کہ اُس صحیح اسلام کا مفہوم جو صحابہ کرام کا اسلام تھا عام طور پر اسقدر مسخ ہو چکا ہے کہ آج جن لوگوں کو پیشوائے دین اور جانشین رسول رب العالمین سمجھا جاتا ہے اُن کے اسلام اور صحابہ کرامؓ کے اسلام میں بہت ہی کم کوئی حقیقی مناسبت تلاش کیجا سکتی ہے صحابہ کرامؓ کے بعد جوں جوں قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں نے کم التفاتی برتی اسلام کے اعمال کا توازن اور عقائد کا تناسب بگڑتا گیا۔ بعض چیزوں پر ضرورت سے زیادہ زور دیدیا گیا اور بعض ضروری چیزوں کو بے توجہی اور کم التفاتی کے ساتھ کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیا گیا۔ یہی وہ اندرونی فتنہ اور مسلمانوں کیلئے مہلک بیماری تھی جس نے سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچایا۔ بیرونی فتنے اور اتفاقی خطرے وہ تھے جو منافقوں اور کافروں نے برپا کئے جنکی نسبت اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔

مشاجرات و اختلافات صحابہؓ

رائے کی غلطی درحقیقت کوئی عیب نہیں عیب اگر ہے تو یہ ہے کہ انسان اپنی رائے کی غلطی سے واقف ہونیکے بعد بھی اپنی غلط رائے پر اصرار کرے۔ آنحضرت صلعم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق مجلس مشورت منعقد کی اُس مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہؓ کی رائے یہ ہوئی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان شریروں اور مسلمانوں کے قاتلوں کو قتل کر دیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے پہلی رائے کو پسند فرماکر اسیران جنگ کو چھوڑ دیا لیکن بعد میں وحی الٰہی سے معلوم ہوا کہ جو رائے اختیار کی گئی ہے وہ مناسب نہ تھی اور حضرت فاروق اعظمؓ کی رائے درست تھی۔ آنحضرت صلعم نے بلا تامل اس کا اظہار اور حضرت فاروقؓ کی رائے کے صحیح ہونیکا اعلان فرمادیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۃ انفال کے نویں رکوع میں موجود اور حدیثوں میں بالتفصیل مذکور ہے آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت میں کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا۔ بعض صحابہؓ نے پیش کرنا چاہا لیکن چونکہ آپ کو بیماری کی تکلیف تھی آپ کی تکلیف کے خیال سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاغذ قلم دوات کی ضرورت نہ سمجھی اور فرمایا کہ "حسبنا کتاب اللّٰہ" چنانچہ اس بات کو آنحضرت صلعم اور دوسرے صحابہؓ نے تسلیم کر لیا اور کاغذ کا منگانا ضروری نہ سمجھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم فوت ہو گئے اس کو قتل کر دونگا لیکن جب وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (آلِ عمران - رکوع ۱۵) پڑھی تو حضرت فاروق اعظمؓ اور تمام صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بات کو مان لیا اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد انصارؓ کہتے تھے کہ ایک امیر انصار میں سے ہوگا اور ایک مہاجرین میں سے۔ مہاجرینؓ کہتے تھے کہ امیر ایک ہی ہوگا اور وہ قریش میں سے ہونا چاہیئے یہ اختلاف افہام و تفہیم کے بعد فوراً رفع ہو گیا اور سب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد لشکر اسامہؓ کی نسبت صحابہؓ میں اختلاف ہوا۔ اکثر صحابہؓ کی رائے تھی کہ اتنی بڑی فوج کا دارالخلافہ سے باہر جانا مصلحت نہیں ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے جس لشکر کی روانگی کا حکم دیا ہے میں اسکو ہرگز نہ روکونگا اور ضرور روانہ کرونگا چنانچہ سب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو مان لیا۔

باغ فدک کے معاملہ میں بھی حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے درمیان اختلاف ہوا لیکن آنحضرت صلعم کی حدیث نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ (ہم گروہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے جو تقسیم ہو ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) سنکر حضرت فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بات مان لی۔

عرب کے بعض قبائل بنی غطفان اور بنی تمیم وغیرہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا حضرت صدیق اکبرؓ ان لوگوں سے لڑنے پر آمادہ ہوئے تو بعض صحابہؓ نے جنمیں فاروقؓ بھی شامل تھے کہا کہ ان لوگوں سے جبکہ وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں ہم کس طرح قتال کر سکتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا کہ وہ جب تک حقوق اسلام ادا نہ کریں اور اسلام کے تمام ارکان کو نہ مانیں گے انسے ضرور قتال کیا جائیگا۔ آخر سب نے صدیق اکبرؓ کی رائے کو مان لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے آخر ایام حیات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جانشینی اور مسلمانوں کی امارت و سرداری کے لئے منتخب اور تجویز کیا تو بعض صحابہؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا لیکن جب حضرت صدیق اکبرؓ نے سمجھایا تو سب نے بخوشی مان لیا اور کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔

اکثر معاملات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کچھ اور ہوئی اور کسی دوسرے صحابیؓ کی رائے کچھ اور آخر تحقیق و تفتیش اور شہادتوں کی فراہمی کے بعد جو بات آنحضرت صلعم سے ثابت ہوئی اُسی کو سب نے بالاتفاق تسلیم کیا اور کسی نے اپنی رائے پر کوئی اصرار نہ کیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ پر مال غنیمت کی چادر کے متعلق سر منبر اعتراض کیا گیا آپ نے بلا اظہار ملال اپنی

بیگناہی کا ثبوت پیش کیا جو سب نے بلا تامل تسلیم کیا۔ ایک مرتبہ عورتوں کے مہر کی بنسبت فاروق اعظمؓ نے اپنی ایک خاص رائے کا اظہار کیا ایک عورت نے فوراً قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ کر حضرت فاروق اعظمؓ کی رائے کا غلط ہونا ثابت کیا اور فاروق اعظمؓ نے عورت کی فقاہت کو قابل داد قرار دیکر اپنی رائے کا غلط ہونا تسلیم کر لیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا لیکن حضرت خالدؓ اور تمام وہ صحابہؓ جو اس معزولی کو مناسب نہ سمجھتے تھے مطلق دل تنگ نہ ہوئے اور خلیفۂ وقت کے حکم کو تسلیم قبول کر کے پہلے سے زیادہ جانفشانیوں میں مصروف رہے۔

ملک شام میں وبائے طاعون کے نمودار ہونے کا حال سنکر حضرت فاروق اعظمؓ خود ملک شام کی طرف جہاں لشکر اسلام مقیم تھا روانہ ہوئے اُن کے قریب پہونچنے کی خبر سنکر سرداران لشکر نے استقبال کیا اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے آنحضرت صلعم کی ایک حدیث سنائی کہ جہاں وبا پھیلی ہوئی ہو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم مقیم ہو وہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو یہ حدیث سنا کر فاروق اعظمؓ سے کہا کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں اور وبائی علاقہ میں داخل نہ ہوں فاروق اعظمؓ اس حدیث کو سنکر وہیں سے واپس چلے آئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے میں اول بعض صحابہؓ کو اختلاف تھا لیکن پھر سب نے اُن کی بیعت پر اتفاق کر لیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور اُس کے بعض حصوں کو منہدم کر کے از سر نو مضبوط و پائدار تعمیر کیا اس پر بعض صحابہؓ معترض ہوئے لیکن پھر سب متفق ہو گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد ملکوں اور صوبوں کے انتظامی ذمہ داری کے عہدوں پر مامور ہو کر مدینہ سے باہر چلی گئی تھی۔ اکثر صحابہ فوت ہو چکے تھے۔ نو مسلموں اور غیر ملکیوں کی دار الخلافہ (مدینہ) میں کثرت ہو گئی تھی اور اسی زمانہ میں عیسائی اور یہودی منافقوں نے اپنی منافقانہ شرارتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ملک عرب میں قبیلہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پشتینی رقابت عداوت چلی آتی تھی۔ اسلام نے آکر اور آنحضرت صلعم نے مبعوث ہو کر اُسے مٹا دیا تھا۔ آنحضرت صلعم کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ دونوں خلیفہ نہ اموی تھے نہ ہاشمی اس لئے مذکورہ رقابت و عداوت جو مردہ ہو چکی تھی مردہ ہی رہی اور کسی منافق کو شرارت پھیلانے کا موقع نہیں ملا۔ حضرت عثمان غنیؓ چونکہ قبیلہ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے لہذا منافقوں کو شرارتیں پھیلانے اور دونوں مذکورہ قبیلوں کی پشتینی عداوتوں کے زندہ اور جدید کرنے کا موقع ملنے لگا جس سے صحابہ کرامؓ تو عموماً متاثر نہ ہوئے لیکن نئی پود اور نو مسلم لوگ ضرور متاثر ہوئے اور عبد اللہ بن سبا صنعائی یہودی منافق کی پھیلائی ہوئی شرارتوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک نوبت پہونچائی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے

اُن کے اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے درمیان اس بات پر اختلاف ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے بلا تامل قصاص لیا جائے یا اس معاملہ کو تفتیش و ثبوت کے تمام شرائط پورے اور خلافت کے مستحکم ہونے تک ملتوی رکھا جائے۔ صحابہ کرامؓ کی پاک باطنی۔ نیک نیتی اور رضا جوئی الٰہی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس گروہ میں شامل تھیں جو یہ کہتا تھا کہ قاتلان عثمانؓ کو فوراً قتل کیا جائے حالانکہ وہ اپنے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو بھی قاتلان عثمانؓ میں شامل سمجھتی تھیں۔ بہن کا بھائی کے قتل پر اصرار کرنا خالص رضائے الٰہی کے جذبہ کا تقاضا تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو جنگ جمل میں جب آنحضرت صلعم کا ارشاد یاد دلایا گیا تو فوراً لڑائی سے دستکش ہو گئے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں لڑائیاں منافقوں کی شرارتوں اور چالاکیوں سے برپا ہوئیں۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ دونوں میں کئی سال تک حالت جنگ قائم رہی لیکن مذہبی معاملات میں جب کبھی ضرورت پیش آئی تو حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے پاس استفتا بھیجتے اور اُن کے فتوے پر عمل کرتے یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان بزرگوں میں اگر مخالفت تھی بھی تو وہ اسی حد تک تھی اور انتظامی معاملات میں تھی جنمیں اُن کا اختلاف رائے تھا۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی اپنی رائے پر صداقت و ایمانداری کے ساتھ قائم تھا ضد اور ہٹ کی بنا پر نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ جمل کے لئے جب بصرہ میں داخل ہوئے تو قیس بن عبادہؓ نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے کیا یہ درست ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل بے حقیقت اور غلط ہے میں آنحضرت صلعم پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ فرماتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو کیوں خلیفہ بننے دیتا اور کیوں اُن کی بیعت کرتا۔

صحابہ کرامؓ کے درمیان ملکی معاملات میں اسیطرح اختلافات رونما ہوئے جیسا کہ انسانوں کی ہر ایک جماعت میں رائے کے اختلاف یا جذبات و خیالات کے مختلف ہونے سے رونما ہو سکتے اور ہوتے رہتے ہیں لیکن عقائد اسلام۔ اعمال اسلام اور دینی احکام کے متعلق انہیں ہرگز ہرگز کوئی اختلاف یا گروہ بندی نہ تھی خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہدایت نامہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا ہوا خالص اور سادہ اسلام سب کا قبلۂ توجہ اور نصب العین تھا۔ دینی عقائد اور تشریعی اعمال کے علاوہ فروعی مسائل اور جدید پیش آمدہ ضرورتوں کے وقت وہ اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے جیسا کہ اجتہاد سے کام لینے کی انکو اجازت اور فقاہت کے استعمال کرنے کی تاکید تھی۔ اس اجتہاد میں اگر ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہو جاتی تھی تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو مجرم اور موردِ ملامت قرار نہ دیتا تھا کیونکہ اجتہادی مسائل کے اختلاف کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتے اور اس اختلاف کے ہر ایک پہلو کو جائز سمجھتے تھے جیسا کہ خود آنحضرت صلعم نے اپنے اسوہ حسنہ سے اُن کو بہت سے فروعی غیر اہم مسائل میں جو انسانی زندگی میں نئی نئی لاتعداد ضرورتوں اور مجبوریوں کے پیش آنے سے پیدا ہوتے رہتے ہیں مختلف قسم کے احکام دیکر اس اجتہاد کے لئے اصول تعلیم دیدی تھی اور اسی لئے ایک طرف اصحابی کالنجوم الخ فرما کر دوسری طرف اختلاف امتی رحمۃ فرما دیا تھا۔

شرک اور تقلید آباء

چونکہ محبت کا شعلہ حسن و احسان سے بھڑکتا ہے اور محبت کا نتیجہ محسن کی اطاعت و رضا جوئی ہے لہذا انسان جب کسی کے احسان سے واقف ہوگا تو اس کے دل میں محسن کی محبت اور رضا جوئی پر آمادگی خود بخود پیدا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اور بڑی کثرت سے لوگوں کو اپنے احسانات یاد دلا کر سمجھایا ہے کہ ہم نے اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت تمہارے آرام و راحت کے کیسے کیسے سامان پیدا کئے ہیں۔ ایک بلید الطبع اور کج فہم انسان قرآن مجید میں اس قسم کی آیات کو بہری اور راست تذکرہ کو غیر ضروری سمجھتا ہے حالانکہ انسان کو طاعت الٰہی اور اطاعت رسول کے لئے آمادہ کرنے کا اس سے بڑھکر دوسرا طریقہ تجویز ہی نہیں کیا جا سکتا۔ نسل انسانی ہمیشہ اپنے حقیقی محسن یعنی الٰہی کے احسانات کو فراموش اور اس سے بغاوت اختیار کرنے پر مستعد رہی اور خدا تعالیٰ اُن کو بار بار یہ فراموش شدہ حقیقت یاد دلاتا رہا۔ اسی جذبہ محبت کے بیجا استعمال نے انسان کو خدا جیسے محسن حقیقی سے غافل کر کے اسکی محبت کو کم اور مال باپ یا باپ دادا یا اپنی قوم اور قبیلے کی محبت کو حد سے زیادہ بڑھا کر انسان کو صراط مستقیم سے جدا اور گمراہ کیا۔ تمام گناہوں کا منبع اور خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی نافرمانی شرک ہے پھر شرک اور دوسرے گناہ عقل سلیم اور فہم مستقیم کی مخالفت کا نتیجہ ہوتے ہیں عقل سلیم یا اسلام کی مخالفت پر سب سے زیادہ جو چیز انسان کو آمادہ کرتی ہے وہ جذبہ محبت کا بیجا استعمال اور باپ دادا کی محبت کو خدا اور رسول کی محبت پر ترجیح دینا ہے جسکو دوسرے الفاظ میں تقلید آباء اور خاندانی عصبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک اور تقلید آباء کی سب سے زیادہ مذمت کی ہے اور بار بار ان دونوں کا برائی اور حقارت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

شرک چند آیتیں جنمیں شرک کا ذکر ہے ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

(۱) وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ط قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ط سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ

(یونس ۔ رکوع ۲)

مشرک لوگ خدا تعالیٰ کے سوا اُنکی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُنکو ضرر پہونچا سکیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ معبودان باطلہ خدا تعالیٰ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے رسول تو ان لوگوں سے کہدے کہ کیا تم اللہ کو ایسی خبر سنانا چاہتے ہو جس کو نہ وہ آسمان میں پاتا ہے نہ زمین میں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔

(۲) أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ط وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا

دیکھو یاد رکھو خالص عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے اولیا

إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ط إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ٥ (الزمر۔ رکوع ۱)

اختیار کر رکھے ہیں اُن کا قول ہے کہ ہم اِن اولیا کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا تعالیٰ سے نزدیک کر دینگے تو جس بات میں یہ اختلاف کر رہے ہیں خدا تعالیٰ اس کا فیصلہ کر دیگا یقیناً خدا تعالیٰ جھوٹے ناشکرے کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

(۳) وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ط بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ٥ (الاحقاف۔ رکوع ۴)

اور اے مکہ والو! ہم نے تمہارے ارد گرد کی بستیوں میں سے کتنی ہی ہلاک کر دیں اور اپنی نشانیاں طرح طرح سے دکھائیں تاکہ وہ شرک سے باز آجائیں مگر اُن سے باز نہ آئے پھر جب ہمارا عذاب آیا تو جنکو اُنھوں نے تقرب الٰہی حاصل کرنیکے لئے خدا کے سوا اپنا معبود بنا رکھا تھا انھوں نے اُن مشرکوں کی کیوں مدد نہ کی بلکہ وہ اُن سے کھوئے گئے اور یہ حقیقت تھی اُنکی بہتان تراشی اور افترا پردازی کی۔

(۴) وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ٥ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ٥ (یٰس۔ رکوع ۵)

اور خدا کے سوا لوگوں نے دوسرے معبود اس اُمید پر اختیار کر رکھے ہیں کہ اُنکو ان معبودوں سے مدد ملیگی حالانکہ یہ معبودانِ باطلہ اُنکی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے بلکہ یہ اُن کا لشکر قرار پا کر جوابدہی کے لئے حاضر کئے جائینگے۔

(۵) إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ٥ (الاعراف۔ رکوع ۲۴)

خدا کے سوا جنکو تم پکارتے ہو وہ بھی تمہاری ہی مانند بندے ہیں پس اگر تم سچے ہو تو اُن کو پکارو اور وہ تمہاری فریاد کو پہونچیں۔

(۶) أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥ (الشوریٰ۔ رکوع ۱)

کیا ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے لوگوں کو دوست اور کارساز بنا رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ ہی کارساز اور وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۷) وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ط لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ٥ (القصص۔ رکوع ۹)

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہ پکار کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُسکی ذات پاک کے سوا تمام چیزیں فانی ہیں اللہ تعالیٰ

اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمکو واپس جانا ہے۔

(۸) يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ط إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ط وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ط ضَعُفَ الطَّالِبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ط إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحج۔ رکوع ۱۰)

لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ اس کو سنو تم خدا تعالیٰ کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے چاہے سب کے سب اس کام کے لئے جمع کیوں نہ ہو جائیں اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لیجائے تو وہ اُس چیز کو اُس سے چھڑا بھی نہیں سکتے یہ طالب و مطلوب کیسے کمزور رہیں ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی قدر جیسی کہ چاہیے تھی نہیں جانی اللہ تو یقیناً بڑا زبردست اور سب پر غالب ہے۔

(۹) وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ط يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ط وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (یونس۔ رکوع ۱۱)

خدا کے سوا کسی دوسرے کو کہ وہ نہ تجھکو نفع پہونچا سکے نہ نقصان مت پکار اور اگر تو ایسا کریگا تو اُس وقت تو ظالموں یعنی مشرکوں میں شمار ہوگا خدا تعالیٰ اگر تجھکو کوئی ضرر پہونچائے تو خدا کے سوا کوئی دوسرا اُس کو دور نہیں کر سکتا اور اگر خدا تجھکو کوئی بھلائی یا نفع پہونچانا چاہے تو کوئی اُس کے فضل کو روک نہیں سکتا وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہونچائے اور وہ تو بخشنے والا رحیم ہے۔

(۱۰) وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ط قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ (الزمر۔ رکوع ۱)

اور جب انسان کو کوئی اذیت پہونچتی ہے تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اُس کو پکارتا ہے پھر جب خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا فرماتا ہے تو اپنی اُس مصیبت کی حالت کو جسکی وجہ سے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ خدا کی راہ سے گمراہ کرے اے رسول ایسے مشرک سے کہدے کہ اس کفر کی حالت میں کچھ قدر قلیل فائدہ اُٹھالے پھر تو تو دوزخیوں ہی میں ہے۔

(۱۱) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ

اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ وہ خدا کے سوا دوسروں

أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝

(البقرہ - رکوع ۲۰)

کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی خدا تعالیٰ سے رکھنی چاہیئے اور جو لوگ مومن ہیں وہ تو سب سے زیادہ خدا ہی سے محبت رکھتے ہیں اور کاش ان مشرکوں کو اب معلوم ہو جاتا جو کہ عذاب دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ ہر قسم کی قوت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

(۱۲) أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝

(یونس - رکوع ۷)

یاد رکھو کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے ہیں اور ان لوگوں نے کیا طریق اختیار کیا ہے کہ خدا کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں یہ لوگ صرف وہم و گمان کی پیروی اور اٹکل بازیاں کرتے ہیں۔

(۱۳) وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝ (الحج - رکوع ۹)

اور مشرکین خدا تعالیٰ کے سوا ان شریکوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے لئے نہ تو خدا نے کوئی دلیل نازل کی اور نہ اُن کے پاس اسکی کوئی معقول وقفیت ہے اور ان مشرکوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(۱۴) وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

(القصص - رکوع ۷)

اور جس دن مشرکوں کو اعلان دیکر خدا تعالیٰ فرمائیگا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم نے معبود سمجھ رکھا تھا اور ہر ایک امت میں ایک گواہ یعنی اُس اُمت کا نبی الگ کر لیں گے اور مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو لیکن اسوقت اُن لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ خدا تعالیٰ ہی کی بات سچ نکلی اور جو افترا پردازیاں وہ کرتے رہتے تھے سب اکارت ثابت ہوئیں۔

(۱۵) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

(التوبہ - رکوع ۱۴)

نبیؐ اور مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعائیں کریں جبکہ مشرکوں کا دوزخی ہونا اُن کو معلوم ہو چکا ہو چاہے یہ مشرک اُن کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہوں۔

(۱۶) وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور اگر (ابراہیمؑ ۔ اسحٰقؑ ۔ یعقوبؑ ۔ نوحؑ ۔ داؤدؑ

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ (الانعام - رکوع ۱۰)

سلیمانؑ - ایوبؑ - یوسفؑ موسیٰؑ - ہارونؑ - زکریاؑ یحییٰؑ - عیسیٰؑ - الیاسؑ وغیرہ انبیاء علیہم السلام بھی) شرک کرتے تو ان کے تمام اعمال تباہ - یوجہ شرک کے ضایع ہو جاتے - یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت بھی عطا کی تھی -

(۱۷) وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۝ (نوح - رکوع ۲)

اور مشرکین نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے معبودوں کو تم ہرگز نہ چھوڑو - نہ ود کو چھوڑو نہ سواع کو اور نہ یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑو اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کیا ہے -

(۱۸) وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰبَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (المائدہ - رکوع ۱۰)

اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل: اللہ ہی کی عبادت کرو وہ میرا اور تمہارا رب ہے یقیناً جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیگا اُس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ان مشرکوں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا -

(۱۹) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا ۝ (النساء - رکوع ۷)

خدا تعالیٰ اس گناہ کو کہ اُس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ہرگز معاف نہ کریگا اور اس شرک کے سوا جس گناہ کو چاہیگا معاف کر دیگا اور جس شخص نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اُس نے بہت ہی بڑے گناہ کا طوفان باندھا -

(۲۰) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا ۝

خدا تعالیٰ اس گناہ کو کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے ہرگز نہ بخشے گا - ہاں اس شرک کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دیگا اور جس کسی نے خدا کے ساتھ دوسرے کو شریک گردانا تو یقیناً وہ بہت بڑی لمبی گمراہی میں بھٹک گیا

قرآن مجید اس قسم کی آیات سے جنمیں شرک اور مشرکین کا تذکرہ ہے لبریز ہے نمونہ کے طور پر اوپر کی چند آیات غور و فکر کے لئے کافی ہیں -

تقلید آباء اب باپ دادا کے مراسم اور اسلاف کے نامستودہ طریق عمل کی پیروی کے متعلق کچھ چند آیات ذیل میں درج کیجاتی ہیں -

(۲۱) وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

(الاعراف - رکوع ۲۲)

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اُنکی ذریت کو نکالا اور اُنکی جانوں کے مقابلے میں اُنھیں کو اسطرح سوال کر کے گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے اور ہم سب اس حقیقت کے گواہ ہیں یہ اسلئے کیا کہ کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ شرک پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم تو اُنکی ذریت تھے جو اُنکے بعد آئے اور اُنھیں کی راہ پر ہو لئے تو کیا تو ہمکو اُن ابتدائی غلط کاروں کے افعال کی سزا میں ہلاک کرتا ہے اور اسیطرح ہم اپنی آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں کہ لوگ اپنی فطرت اور جبلت کی طرف متوجہ ہوں۔

(۲۲) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ط أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝

(المومنون - رکوع ۲)

اور ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا نوحؑ نے کہا کہ لوگو اللہ کی عبادت کرو اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم متقی بننا نہیں چاہتے اُنکی قوم کے منکر سرداروں نے قوم سے کہا کہ نوحؑ تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہے یہ تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم بھیجنا تھا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا نوحؑ جن باتوں کی تعلیم کرتا ہے یہ ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنیں۔

(۲۳) قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

(الاعراف - رکوع ۹)

قوم عاد کے لوگوں نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اکیلے خدا کی عبادت کریں اور جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے اُن کو چھوڑ بیٹھیں پس اگر تو سچا ہے تو جس عذاب سے ڈراتا ہے اُسے لے آ۔

(۲۴) قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝

(هود - رکوع ۶)

اُنھوں نے کہا کہ اے صالحؑ اس سے پہلے تو تو یقیناً اُمیدگاہ تھا یعنی تجھ سے ہمکو بڑی بڑی توقعات تھیں لیکن اب کیا تو ہمکو اُن بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جنکی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ہیں اور ہم تو اُس تعلیم کے متعلق جسکی طرف تو بلاتا ہے شک اور تردد میں ہیں۔

(۲۵) وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

(الانبیاء - رکوع ۵)

اور ابراہیمؑ کو ہمنے شروع ہی سے ہدایت اور سعادت عطا کی تھی اور ہم اس بات سے بخوبی واقف تھے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں جن کے لئے تم معتکف ہو کیا حقیقت رکھتی ہیں انھوں نے جواب دیا کہ ہمنے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ تم اور تمہارے باپ دادا بڑی بھاری گمراہی میں مبتلا رہے۔

(۲۶) قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝

(الشعراء - رکوع ۵)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ جب تم ان بتوں کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری فریاد کو سنتے ہیں یا تمکو کوئی نفع یا نقصان پہونچا سکتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایسا تو نہیں مگر ہمنے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے لہذا ہم پر انکی تقلید ضروری ہے۔

(۲۷) قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝

(ھود - رکوع ۸)

انھوں نے کہا کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھکو یہ حکم کرتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن بتوں کی عبادت کرتے آئے ہیں ہم انکو ترک کردیں یا اپنے اموال میں اپنے حسب اختیار تصرف کرنا چھوڑدیں یقیناً تو تو بردبار بھلا آدمی ہے۔

(۲۸) فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝

(القصص - رکوع ۴)

جبکہ موسیٰؑ انکے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لیکر آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو از قسم افترا جادو ہے اور اپنے پہلے باپ دادوں میں ہم نے تو اس قسم کی باتیں نہیں سنیں۔

(۲۹) قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ۝

(یونس - رکوع ۸)

فرعون اور اس کے سرداروں نے موسیٰؑ سے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ جس مسلک پر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے ہمکو برگشتہ کردے اور ملک میں تم دونوں بھائیوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) کی بزرگی

اور بڑائی قائم ہو حالانکہ ہم تم دونوں پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

(۳۰) بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

(الزخرف - رکوع ۲)

بلکہ ان مشرکین نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انھیں کے نقش قدم پر گامزن رہیں گے۔ اور اے رسول ہم نے تجھ سے پہلے بھی اسیطرح جب کسی بستی میں کوئی رسول بھیجا تو اس بستی کے امرا نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مسلک پر پایا اور ہم انھیں کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہیں گے اس پر ان کے رسول نے کہا کہ جس مسلک پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگر میں اس سے زیادہ اچھا اور سیدھا مسلک لیکر آیا ہوں تب بھی تم باپ دادا کا غلط طریقہ نہ چھوڑو گے انھوں نے کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم تو اس کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔

(۳۱) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ (هود - رکوع ۹)

اے رسول! اس بات سے کہ یہ مشرک لوگ بت پرستی کرتے ہیں تو کسی شبہ میں نہ پڑنا جس طرح ان کے باپ دادا پہلے بت پرستی کرتے تھے یہ بھی اسی طرح بت پرستی میں مبتلا ہیں اور ہم انکو ان کے اعمال بد کی سزا پوری پوری بے کم و کاست دینگے۔

(۳۲) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَاۗىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

الجاثیۃ - رکوع ۳

اور جب ان کے سامنے ہماری آیات بینات پڑھی جاتی ہیں تو انکی اور کوئی حجت نہیں ہوتی مگر یہی کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ۔

(۳۳) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے رسول کی طرف آؤ یعنی خدا و رسول کے احکام کو مانو تو جواب دیتے ہیں کہ جس مسلک پر ہم نے اپنے

(المائدہ - رکوع ۱۴)

باپ دادا کو پایا ہے وہی مسلک ہمارے لئے کافی ہے چاہے ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

(۳۴) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝
(البقرہ - رکوع ۲۱)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو شریعت اُتاری ہے اُسکی پیروی کرو تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی طریقہ پر چلینگے جس پر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے چاہے اُنکے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

(۳۵) وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
(النحل - رکوع ۵)

اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم اُسکے سوا کسی دوسری چیز کو پوجتے نہ ہمارے باپ دادا پوجتے اور نہ ہم مشیت الٰہی کے خلاف کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ جو لوگ ان مشرکوں سے پہلے گذر چکے ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا پس رسولوں کے ذمہ تو احکام الٰہی کا صاف صاف پہونچا دینا ہی ہے۔

(۳۶) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝
(لقمان - رکوع ۳)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسکی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی طریقہ پر چلینگے جس پر ہمنے اپنے بڑوں کو پایا ہے چاہے شیطان انکے بڑوں کو عذاب دوزخ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔

(۳۷) وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
(الاعراف - رکوع ۳)

اور یہ لوگ جب کوئی بیحیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمنے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے۔ اے رسول انسے کہدے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی وہ باتیں کہتے ہو جنکی نسبت کچھ نہیں جانتے۔

(۳۸) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا

اور جب ان مشرکین کو ہماری آیات بینات پڑھکر

هٰذَا اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّکُمْ عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُکُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْکٌ مُّفْتَرًی ط وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (السبا ۔ رکوع ۵)

سنائی جاتی ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ یہ رسول ایک ایسا آدمی ہو جو تم کو ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جنکی پرستش تمہارے باپ دادا کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ اور افترا پردازی ہے۔ اور جب ان منکرین حق کے پاس تعلیم حق آئی تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کھلا کھلا جادو ہے۔

(۳۹) اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ (والصّٰفّٰت ۔ رکوع ۳)

ان مشرکین مکہ نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا اور انھیں کے نقش قدم پر مثلا شیوں کی طرح دوڑے چلے جا رہے ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے انہیں رسول بھیجے تھے جو انکو بداعمالیوں سے ڈراتے تھے۔

(۴۰) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (التوبہ ۔ رکوع ۳)

اے مومنو! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو محبوب رکھیں تو تم ایسے باپ اور بھائی کو اپنا دوست اور رفیق مت بناؤ اور جو کوئی تم میں سے ان کفر پسند باپ اور بھائی کو دوست اور عزیز سمجھے گا وہ کافروں میں شمار ہوگا۔

تقلید آبا کے متعلق جو آیات اوپر نقل کی گئی ہیں ان سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نسل انسانی کا یہ بہت ہی پرانا مرض ہے اور دنیا میں کوئی امت اور کوئی قوم اس سے نہیں بچی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو انسان کی اس بیماری کے مقابلہ میں جدوجہد کرنی پڑی ہے اور شیطان نے انسان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کو راہ حق اور صراط مستقیم سے گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مولویوں۔ پیروں فقیروں۔ استادوں اور خانقاہ نشینوں کی تقلید کوئی الگ چیز نہیں ہے اسی تقلید آبا میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقلید آبا کا تذکرہ آیا ہے وہاں آبا سے یہی لوگ مراد ہیں جیسا کہ قرآن مجید کے سیاق عبارت سے ثابت ہے لیکن قرآن مجید نے ان مولویوں اور خانقاہ نشینوں کا نام بھی بعض مقامات میں صاف طور پر لے دیا ہے۔ شلاً

(۴۱) اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ (التوبہ ۔ رکوع ۵)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو خدا بنا لیا ہے حالانکہ ایک ہی خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ انکے شرک سے پاک ہے۔

(۲۴) لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (المائدہ، رکوع ۹)

ان لوگوں کو ان کے خانقاہ نشین اور عالم لوگ جھوٹ بولنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں روکتے ان مشائخ اور عالمین کا بہت ہی برا طرزِ عمل رہا ہے۔

باب ہفتم

قرآن مجید

خدا تعالیٰ قرآن مجید کی تعریف اس طرح بیان فرماتا ہے ۔

(۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ج هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ - رکوع ۱)

یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس کتاب میں متقیوں کے لئے رہنمائی ہے۔

(۲) تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (لقمان - رکوع ۱)

یہ اسی پُر حکمت کتاب یعنی قرآن مجید کی آیات ہیں جو نیک اعمال لوگوں کے لئے موجب ہدایت و رحمت ہے۔

(۳) تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (المومن - رکوع ۱)

یہ فرمان یعنی قرآن اُس خدا کی جانب سے ہے جو عزیز اور علیم ہے۔

(۴) هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (الجاثیہ - رکوع ۲)

یہ قرآن لوگوں کے لئے فہم و فراست کی باتوں کا ذخیرہ اور جو اس پر یقین لائیں اُن کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

(۵) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر - رکوع ۱)

بے شک ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بلا شبہ ہم ہی اسکے محافظ بھی ہیں۔

(۶) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا (بنی اسرائیل - رکوع ۵)

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے لوگوں کو سمجھایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور سمجھیں۔

(۷) اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (الدھر - رکوع ۲)

یہ قرآن تو ایک نصیحت نامہ ہے جس شخص کا جی چاہے وہ اپنے رب کی طرف پہونچنے یعنی مقرب الٰہی بننے کا راستہ اختیار کرلے۔

(۸) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر - رکوع ۱)

اور ہم نے تو قرآن کو لوگوں کے نصیحت یاب ہونے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔

(۹) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝
(بنی اسرائیل - رکوع ۹)

اور ہم قرآن کی ایسی آیات نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہیں مگر ان سے سرکش نافرمانوں کے نقصان ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝
(الکہف - رکوع ۸)

اور ہمنے تو اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کیں مگر انسان بہت ہی کچھ جھگڑالو ہے۔

(۱۱) اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ط (الانعام - رکوع ۱۴)

کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا منصف تلاش کروں حالانکہ اللہ تو وہ ذات پاک ہے جس نے تم لوگوں کی طرف قرآن مجید یعنی مفصل کتاب بھیجی۔

(۱۲) وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝
(طٰہ - رکوع ۶)

اور اسی طرح ہمنے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا جسمیں طرح طرح سے ہمنے عذاب کی دھمکیاں دیں تاکہ لوگ پرہیزگار رہیں یا اُن کے دلوں میں نصیحت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔

(۱۳) وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ط اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ (الانبیاء - رکوع ۴)

اور یہ قرآن بابرکت نصیحت ہے جس کو ہمنے نازل کیا ہے کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟ -

(۱۴) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝
(الزخرف - رکوع ۱)

ہمنے اسکو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اسکو سمجھو اور یہ ہمارے یہاں اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ یہ بڑی بلند مرتبہ اور حکمت و دانائی کی کتاب ہے۔

(۱۵) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝
(الزمر - رکوع ۳)

اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے ہر قسم کی مثالیں اس قرآن میں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں یہ قرآن عربی زبان میں ہے اس میں کسی قسم کی کجی اور پیچیدگی نہیں تاکہ لوگ نصیحت یاب ہوکر پرہیزگاری اختیار کریں۔

(۱۶) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (فصلت - رکوع ۱)

یہ کتاب قرآن مجید ایسی کتاب ہے جسکی آیتیں عربی زبان میں سمجھدار لوگوں کے لئے مطالب کو کھول کھول کر بیان کرتی ہیں یہ قرآن مومنوں کو خوشخبری سناتا اور منکروں کو عذاب الٰہی سے

ڈراتا ہے مگر باوجود اس کے اکثر لوگوں نے اُس کی طرف توجہ نہ کی گویا وہ اُسکو سنتے ہی نہیں۔

(١٧) وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ فصلت ۔ رکوع ۵

اور یہ قرآن تو بڑی عالی رتبہ کتاب ہے باطل نہ آگے سے اس کے پاس تک آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ تو حکیم وحمید خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔

(١٨) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
(يوسف ۔ ۱۲)

یہ قرآن کوئی بناوٹی اور جھوٹی بات تو ہے نہیں بلکہ یہ تو توریت وانجیل وغیرہ پہلی نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے اور اسمیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت ورحمت موجود ہے۔

(١٩) وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝
(الاحقاف ۔ رکوع ۲)

اور یہ کتاب جو پہلی کتابوں توریت وانجیل وغیرہ کی تصدیق کرنے والی ہے۔ عربی زبان میں ہے تاکہ سرکشوں اور گنہگاروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے اور نیک اعمال لوگوں کو خوشخبری سنائے۔

(٢٠) كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝
ھود ۔ رکوع ۱

یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جس کے مضامین اور دلائل نہایت محکم اور ثابت شدہ ہیں پھر یہ کہ نہایت تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور حکیم وخبیر خدا کی طرف سے ہیں۔

(٢١) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (التکویر)

اور یہ قرآن مجید شیطان لعین کی باتیں نہیں ہیں پھر تم اسے چھوڑ کر کدھر چلے جا رہے ہو یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔

(٢٢) هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ابراهيم ۔ رکوع ۷)

یہ قرآن لوگوں کے لئے ایک اطلاعنامہ باتمام حجت ہے اور اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے اور لوگ اسبات سے واقف ہو جائیں کہ خدا تعالےٰ ہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ عقلمند لوگ اس کے ذریعہ نصیحت حاصل کریں۔

(۲۳) إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

(بنی اسرائیل - رکوع ۱)

یقیناً یہ قرآن ایسی ہدایت کرتا ہے جو بہت ہی درست اور سیدھی ہے اور نیک عمل کرنیوالے مومنوں کو بہت بڑے اجر کی بشارت دیتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے لئے ہمنے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۲۴) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝

(الکهف - رکوع ۱)

ہر قسم کی حمد خدا ہی کے لئے ہے جسنے اپنے بندہ (محمد صلعم) پر قرآن مجید نازل کیا اور اسمیں کسی قسم کی پیچیدگی باقی نہ رکھی اس قرآن کی تعلیم نہایت صاف اور سیدھی ہے تاکہ اُس سخت عذاب سے جو خدا نے نافرمانوں کے لئے تیار کر رکھا ہے ڈرائے اور نیک اعمال مومنوں کو خوشخبری سنائے کہ اُنکے لئے بہت ہی اچھا اجر ہے یعنی بہشت جسمیں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۲۵) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (البروج)

کافر لوگ قرآن کے جھٹلانے میں مصروف ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اِن کفار کی تکذیب سے کیا ہوتا ہے قرآن تو بڑی عالی مرتبہ چیز ہے اور لوح محفوظ میں موجود ہے یعنی اسمیں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۲۶) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝

(النساء - رکوع ۱۱)

کیا لوگ قرآن کے مطالب میں غور و تدبر نہیں کرتے (کہ اسمیں کہیں اختلاف و پیچیدگی نہیں) اور اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اسمیں بہت سے اختلاف اور متضاد باتیں پاتے۔

(۲۷) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(الانعام - رکوع ۲۰)

اور ہم نے ہی اس برکت والی کتاب یعنی قرآن کو نازل کیا ہے لہذا اس کتاب کے احکام کی تعمیل کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تمپر رحم کیا جائے۔

(۲۸) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(الاعراف - رکوع ۱)

لوگو! یہ قرآن جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے تم اسکے اوامر و نواہی کی تعمیل کرو اور اسکے سوا دوسرے کارسازوں اور کارفرماؤں کی اتباع نہ کرو۔ مگر حالت یہ ہے کہ تم بہت ہی کم نصیحت یاب ہوتے ہو۔

(۲۹) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(الاعراف - رکوع ۲۴)

اور لوگو! جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اسکو توجہ سے کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہا کرو کیا عجب ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۳۰) وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(یونس - رکوع ۴)

یہ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ اس کو خدا کے سوا کوئی اور اپنی طرف سے بنا لایا ہو بلکہ یہ تو پہلی نازل شدہ کتابوں کی تصدیق اور تفصیل ہے اور اس قرآن کے کتاب الٰہی ہونے میں تو ذرا بھی شک نہیں۔

(۳۱) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(یونس - رکوع ۶)

لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی اور یہ نصیحت نامہ بداعتقادیوں یعنی دل کی بیماریوں کی دوا ہے اور ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور رحمت ہے۔

(۳۲) لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

لوگو! ہمنے تمہاری طرف یہ ایسی کتاب بھیجی ہے جسمیں تمہارا تذکرہ یعنی تمہاری بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کا ذکر بغرض اصلاح کیا گیا ہے کیا تم عقل اور سمجھ سے کام نہ لوگے۔

(۳۳) وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

(النور - رکوع ۴)

اور ہمنے اس قرآن میں تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے اور جو لوگ تم سے پہلے ہو گذرے انکے حالات بھی بیان کئے اور پرہیزگاروں کے لئے اس قرآن کو نصیحت نامہ بنا کر بھیجا۔

(۳۴) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

(الفرقان - رکوع ۱)

خدا تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے جسنے اپنے بندے (محمد صلعم) پر قرآن مجید نازل کیا تاکہ تمام جہان کے لوگوں کو عذاب الٰہی سے

ڈرانے والا ہو۔

(۳۵) وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ص
(البقرۃ - رکوع ۵)

اے بنی اسرائیل تم اس قرآن پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور یہ قرآن اس کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم ہی اس کے سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ ہو۔

(۳۶) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۵ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵
(المائدہ - رکوع ۳)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول (محمد صلعم) آچکا ہے اور کتاب الٰہی میں سے جو کچھ تم چھپاتے رہے ہو وہ اس میں سے اکثر صاف صاف تم سے بیان کرتا ہے اور اکثر باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے بہر حال اب تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین یعنی قرآن مجید آگیا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اللہ کی رضامندی کے خواہاں ہوں ہدایت فرماتا اور سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل سے اُنکو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے اور اُن کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

(۳۷) فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۵ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۵ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۵
(الواقعہ - رکوع ۳)

ہم ستاروں کے ٹوٹنے کی قسم کھاتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بہت ہی بڑی قسم ہے کہ یہ قرآن بڑا عالی مرتبہ ہے جو کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے اُس لوح محفوظ کو پاک فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے کیا تم اس بات سے انکار کرتے ہو اور رکھتے تو اپنا یہی روزینہ مقرر کر لیا ہے کہ تکذیب ہی کرتے رہو گے۔

(۳۸) هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط

وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن مجید کی کھلی کھلی آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تم کو نفر

وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○
(الحدید - رکوع ۱)

کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے اور یقیناً اللہ تعالےٰ تمہارے لئے بہت شفیق و مہربان ہے۔

(۳۹) وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ○ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○
(الحاقہ - رکوع ۲)

اور یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کیلئے نصیحت ہے اور ہم اس بات کو بھی خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ قرآن مجید کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور کافروں کے لئے یقیناً یہ قرآن موجب حسرت ہے۔

(۴۰) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○
(الزمر - رکوع ۳)

اللہ تعالےٰ نے بہت اچھا کلام یعنی قرآن مجید نازل کیا یہ ایسی کتاب ہے کہ جسکی باتیں ملتی جلتی ہیں اور بار بار دہرائی گئی ہیں اس قرآن کے سننے سے اُن لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر اُن لوگوں کے جسم اور دل یادِ الٰہی کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں یہ قرآن خدا تعالیٰ کی جانب سے ہدایت نامہ ہے خدا تعالےٰ اس قرآن کے ذریعہ جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جسکو خدا تعالےٰ گمراہ کردے اسکو توپھر کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں۔

قرآن مجید میں اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جنمیں عام لوگوں کو مخاطب کرکے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کے صفات بیان فرمائے ہیں۔ اب ذیل میں وہ آیات نقل کیجاتی ہیں جنمیں خدا تعالیٰ نے خود آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے قرآن مجید کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ○
(الدھر - رکوع ۲)

اے رسولؐ! بلاشک ہم نے ہی یہ قرآن تجھپر بتدریج نازل کیا ہے۔

(۲) ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○
(آل عمران رکوع ۶)

اے رسولؐ! یہ جو ہم تمکو پڑھکر سناتے ہیں یہ آیات الٰہی ہیں اور حکیمانہ بیان ہے۔

(۳) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○
النحل - رکوع ۶)

اور اے رسولؐ! ہمنے تیری طرف یہ نصیحت و یاد دہانی یعنی کتاب مجید بھیجی تاکہ جو اس ہدایت نامہ کو جو لوگوں کے لئے نازل ہوا کھول کھول کر انھیں سمجھاوے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

(۴) وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

اور اے رسول! ہمنے تجھپر یہ کتاب قرآن مجید

لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ۝
(النحل - رکوع ۸)

اس لئے نازل کی ہے کہ تو لوگوں کو وہ باتیں جنہیں وہ اختلاف کر رہے ہیں اچھی طرح سمجھا دے اور یہ قرآن مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۵) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝
(النحل - رکوع ۱۲)

اور اے رسول! ہمنے تجھپر یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرنیوالی ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

(۶) كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝
(ص - رکوع ۳)

اے رسول! یہ مبارک کتاب اسلئے تیری طرف بھیجی گئی ہے کہ لوگ اسکی آیات میں غور و تدبر کریں اور عقلمند لوگ نصیحت پائیں۔

(۷) قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ۝ أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝
(ص ۵)

اے رسول! ان لوگوں سے کہدے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا بھی بڑا عظیم الشان واقعہ ہے مگر تم اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

(۸) لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝
(الحشر - رکوع ۳)

اے رسول! اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو دیکھتا کہ وہ پہاڑ خوف خدا سے دب گیا اور ریزہ ریزہ ہوگیا ہوتا اور یہ تمثیلیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچیں اور غور و فکر کریں۔

(۹) نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۝
(ق - رکوع ۳)

اے رسول! یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان سے خوب واقف ہیں اور ان پر تیری کوئی زبردستی نہیں پس تیرا تو یہی کام ہے کہ جو شخص ہمارے عذاب سے خائف ہو اسکو قرآن مجید کے ذریعہ نصیحت کرے۔

(۱۰) اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝
(الانعام - رکوع ۱۳)

اے رسول! اپنے رب کی طرف سے جو کچھ تجھپر وحی کیا گیا ہے اسکی یعنی قرآن کی پیروی کر خدا تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مشرکین سے کنارہ کش ہو کر رہنا چاہیئے۔

(۱۱) وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَ

اور اے رسول! ہمنے اس برکت والی کتاب یعنی قرآن مجید کو جو پہلی نازل شدہ کتب کی

مَنْ حَوْلَهَا ط (الانعام - رکوع ۱۱)

تصدیق کرتا ہے اس لئے نازل کیا کہ تو مکہ والوں اور اس کے اردگرد والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے۔

(۱۲) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ (شوریٰ - رکوع ۱)

اور اے رسولؐ! اسیطرح ہمنے تیری طرف قرآن عربی زبان میں وحی کیا تاکہ تو مکہ والوں اور مکہ کے اردگرد رہنے والوں کو ڈرائے اور روز قیامت سے خوف دلائے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ قیامت کے دن کچھ لوگ جنت میں ہونگے اور کچھ دوزخ میں۔

(۱۳) وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (الانعام - رکوع ۱۴)

اور اے رسولؐ! اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ قرآن حقیقتاً تیرے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے پس تو کہیں شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔

(۱۴) كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الاعراف - رکوع ۱)

اے رسولؐ! یہ کتاب (قرآن مجید) تجھپر اس لئے نازل کیگئی ہے کہ تو اسکے ذریعہ کفار کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور مومنوں کے لئے یہ کتاب نصیحت ہو پس اس کتاب سے تجھکو دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔

(۱۵) قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النحل - رکوع ۱۴)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ اس قرآن کو میرے رب کی طرف سے روح القدس یعنی جبرئیلؑ نے حق و راستی کے ساتھ پہونچایا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ وہ ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت ہو۔

(۱۶) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ھود - رکوع ۴)

اے رسولؐ! یہ غیب کی خبریں ہیں جنکو ہم نے تجھپر وحی کے ذریعہ ظاہر کیا ہے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو اور تیری قوم کے لوگ ان سے ناواقف تھے۔

(۱۷) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور اے رسولؐ! ہم تجھسے اور رسولوں کے حالات اس لئے بیان کرتے ہیں کہ ان حالات کو سنکر تیرا دل مضبوط ہو اور ان حالات

(ھود - رکوع ۱۰)

میں جو تم سے بیان کئے گئے حق کا اظہار بھی ہے اور مومنوں کے لئے وعظ و نصیحت بھی۔

(۱۸) نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ٥
(یوسف - رکوع ۱)

اے رسول تیری طرف بذریعہ وحی یہ قرآن بھیجکر ہم تجھکو نہایت ہی اچھا بیان سناتے ہیں اور تو اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے یقیناً بے خبر تھا۔

(۱۹) تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ط وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ٥ (الرعد - رکوع ۱)

اے رسولؐ! یہ قرآن مجید کی آیات ہیں اور تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھپر نازل ہوا ہے وہ یقیناً سچ اور حق ہے لیکن اکثر لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

(۲۰) وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ٥
(الرعد - ۵)

اور جسطرح ہمنے توریت و انجیل وغیرہ پہلی کتابیں نازل کیں اسیطرح ہمنے اس قرآن کو عربی زبان میں دستور العمل بنا کر بھیجا اور اے رسولؐ! اگر اس کے بعد بھی کہ تیرے پاس صحیح علم آچکا ہے تو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کریگا تو پھر خدا کے مقابلہ میں نہ کوئی تیرا حمایتی ہوگا نہ پناہ دہندہ

(۲۱) قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ٥
(الاعراف - رکوع ۲۴)

اے رسولؐ! کہدے کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھپر وحی کیا جاتا ہے لوگو یہ قرآن تو تمہارے رب کی طرف سے دانائی کی باتوں کا مجموعہ ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۲۲) كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ٥
(ابراھیم - رکوع ۱)

اے رسولؐ! یہ کتاب (قرآن مجید) ہمنے تجھپر اس لئے نازل کی ہے کہ تو لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے کفر کی تاریکیوں سے نکالکر ایمان کی روشنی یعنی زبردست خوبیوں والے خدا کے راستہ کی طرف لائے۔

(۲۳) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ٥ وَإِنَّهُ

اے رسولؐ! قرآن مجید جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہنا

لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ٥ (الزخرف - رکوع ۴)

چاہیئے یقیناً تو سیدھے راستے پر ہے اور یقیناً یہ قرآن تیرے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور تم سب سے اسکی بابت باز پرس ہونی ہے۔

(۲۴) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ (یونس - رکوع ۴)

کیا یہ لوگ قرآن مجید کی نسبت کہتے ہیں کہ اسکو رسول نے خود بنا لیا ہے۔ اے رسولؐ ان لوگوں سے کہدے کہ تم سچے ہو تو قرآن کی سورتوں کی مانند ایک سورت بنا کر لے آؤ اور خدا کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔

(۲۵) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ٥ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ٥ (بنی اسرائیل - رکوع ۱۰)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ اگر جن و انس سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند کوئی کلام بنا لائیں تو وہ اسکی مانند بنا کر نہیں لا سکتے چاہے وہ ایک دوسرے کے کیسے ہی مددگار کیوں نہوں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کیلئے ہر قسم کی مثالیں بیان کیں مگر اکثر لوگ ناشکری یعنی انکار کئے بغیر نہ رہے۔

(۲۶) وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ٥ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ٥ (بنی اسرائیل - رکوع ۱۲)

اور اے رسولؐ! ہمنے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس لئے بھیجا کہ تو اسکو مختلف اوقات میں مناسب وقفوں کے بعد لوگوں کو پڑھکر سنائے اور اسی مصلحت سے ہم نے اسے بتدریج نازل کیا۔ اے رسول ان لوگوں سے کہدے کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو مگر ان لوگوں کے سامنے جنکو پہلی آسمانی کتابوں کا علم ہے جب یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک و بے عیب ہے اور ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی چاہیئے تھا یعنی اس قرآن کی نسبت پہلی کتابوں میں جو پیشگوئیاں تھیں وہ سچی ثابت ہوئیں۔

(۲۷) قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ○ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ○

(یونس - رکوع ۱۱)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات یعنی قرآنی تعلیم آگئی پس جو کوئی سیدھا رستہ اختیار کرے گا اپنے ہی لئے کریگا اور جو کوئی گمراہ ہوگا وہ خود ہی گمراہی سے نقصان اٹھائے گا اور ان سے کہدے کہ میں تمہارے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوں اور اے رسول تیری طرف جو وحی آتی ہے تو اسی کی پیروی کئے جا اور صبر سے کام لے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے

(۲۸) إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ○

(الزمر - رکوع ۴)

اے رسولؐ! یہ کتاب ہم نے تجھپر لوگوں کی ہدایت کے لئے حق و حکمت کے ساتھ نازل کی ہے پس جو کوئی ہدایت یاب ہوا اس نے اپنی ہی جان کو نفع پہونچایا اور جو کوئی گمراہ ہوا اس نے خود ہی اپنے آپ کو نقصان پہونچایا اور تو ان کے افعال و اعمال کا ذمہ دار نہیں۔

(۲۹) مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ إِلَّا تَذْكِرَةً لِمَنْ يَخْشَىٰ تَنْزِيلًا مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ○

(طٰہٰ - رکوع ۱)

اے رسول ہم نے یہ قرآن تجھپر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت میں مبتلا ہو بلکہ یہ قرآن تو خدا سے ڈرنیوالے کے لئے ایک نصیحت ہے جو زمین اور بلند آسمانوں کے خالق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

(۳۰) تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ○

(السجدہ - رکوع ۱)

اسمیں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ اس قرآن کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اے رسولؐ! کیا یہ لوگ اس قرآن کی نسبت کہتے ہیں کہ تونے اپنی طرف سے بنالیا ہے اُن کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ یہ تو تیرے رب کی طرف سے آئی ہوئی حق و راستی ہے تاکہ تو اُن لوگوں کو جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا عذاب الٰہی سے

ڈرائے ممکن ہے کہ وہ ہدایت پاکر راہ راست پر آجائیں۔

(۳۱) تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يَسْمَعُ آيَاتِ اللّٰهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ الجاثیہ ۔ رکوع ۱

اے رسول! ہم اپنے یہ احکام تجھکو حق و حکمت کے ساتھ پڑھکر سناتے ہیں پس اللہ اور اُسکے احکام کے بعد یہ لوگ اور کونسی بات مانینگے ہر ایک بہتان باندھنے والے بدکار پر افسوس ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے احکام اُسکے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو وہ اُنکو سنکر اس طرح از راہ تکبر نافرمانی پر اصرار کرتا ہے کہ گویا اُس نے احکام الٰہی کو سنا ہی نہ تھا پس اے رسول ایسے لوگوں کو عذاب الیم کی بشارت سنادے۔

(۳۲) كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ (عبس)

دیکھو خبردار ہوکر سنو کہ یہ قرآن ایک نصیحت و یاددہانی ہے پس جسکا جی چاہے وہ اس پر غور کرے وہ لوح محفوظ میں عزت والے اوراق میں موجود ہے جو اونچے مقام پر رکھے ہوئے ہیں نہایت ستھرے ہیں ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں۔

(۳۳) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ط وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ط (فصلت۔ رکوع ۵)

اے رسول! ان لوگوں سے کہدو کہ مومنوں کے لئے تو یہ قرآن ہدایت اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے حق میں یہ کانوں کی ناشنوائی اور آنکھوں کی نابینائی ہے

(۳۴) وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ (کہف رکوع ۴)

اور اے رسول! جو کتاب کہ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوئی ہے اُسکو پڑھ تیرے رب کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا اور تو اپنے رب کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پاسکتا۔

(۳۵) وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ (القلم۔ رکوع ۲)

اور اے رسول! یہ کافر لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو اپنی تیز تیز نگاہوں سے اسطرح گھورتے ہیں کہ تجھکو راہ مستقیم سے پھسلا دینگے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے حالانکہ یہ قرآن جو تم اُنکو

سُناتے ہو تمام جہان کے لوگوں کے لئے پند و نصیحت ہے۔

(۳۶) وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝
(النساء۔ رکوع ۱۷)

اور اے رسولؐ! اللہ نے تجھپر کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا اور فہم سلیم عطا کیا اور تجھکو وہ باتیں بتائیں جو تجھکو پہلے معلوم نہ تھیں اور تیرے اوپر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

(۳۷) قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝
(البقرہ۔ رکوع ۱۲)

اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہدے کہ جو کوئی جبرئیلؑ کا دشمن ہو (اللہ اس کا دشمن ہے) اور جبرئیلؑ نے تو اللہ کے حکم سے یہ قرآن تیرے دل پر نازل کیا ہے۔ یہ قرآن اُن کتب سماویہ کی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں تصدیق کرتا ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

(۳۸) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝
(یونس۔ رکوع ۲)

اور اے رسولؐ! جب ہمارے صاف صاف احکام ان لوگوں کے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو جو لوگ ہمارے روبرو پیش ہونیکی توقع نہیں رکھتے تجھ سے کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں تغیر و تبادل کردو۔ تو اُنسے کہدے کہ میری تو یہ مجال نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی تبدیلی اس میں کرسکوں میری طرف تو جو کچھ وحی کیا جاتا ہے اُسی کی پیروی کرتا ہوں میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھکو بڑے دن یعنی روز قیامت کے عذاب سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

(۳۹) وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝ (بنی اسرائیل رکوع ۵)

اور اے رسولؐ! جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور منکرین آخرت کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے اور انکے دلوں پر غلاف ڈالدیتے ہیں کہ وہ سمجھ نہ سکیں اور وہ کانوں سے اونچا سننے لگتے ہیں اور جب تو اپنے اکیلے خدا کا ذکر کرتا ہی تو وہ

(۴۸) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط (المائدہ ۷ - رکوع ۷)

کفار از راہِ نفرت پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتے ہیں اور اے رسول ؐ! ہم نے تجھپر کتاب برحق نازل کی جو پہلی نازل شدہ کتب سماوی کے مضامین کی مصدق اور محافظ ہے تجھپر جو کتاب خدا نے نازل کی ہے اُسی کے موافق اِن لوگوں میں حکم نافذ کر اور اپنے پاس آئے ہوئے حق کو چھوڑ کر ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

قرآن مجید کے مضامین

قرآن مجید کو بار بار تلاوت کرنے اور غور و تدبر کے ساتھ سوچنے سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید انسان کو اُسکی انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہونچا کر ہر قسم کے عیب و رذالت سے بچاتا اور ہر قسم کے صفاتِ حسنہ سے متصف کرکے دنیا و آخرت یعنی دونوں جہان میں کامیاب و فائز المرام اور مقبول بارگاہ الٰہی بنانا چاہتا ہے۔ اسی مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید انسان کو دنیا میں فرمانروا اور آخرت میں بہشت بریں کا وارث بنانے کی بہترین تدابیر بتاتا ہے اس سے بھی زیادہ مختصر الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن انسان کی زندگی کو کامیاب زندگی بنانا چاہتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدائشی طور پر دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں شرافت و بزرگی عطا کی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل - رکوع ۷)

اور ہمنے بنی آدم کو عزت و بزرگی عطا کی اور خشکی و تری میں اُنکو سواریاں دیں اور پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہماری جسقدر مخلوقات ہیں اُنمیں سے اکثر پر ہمنے بنی آدم کو فضیلت و برتری عطا کی ہے۔

انسان کی اس فضیلت و بزرگی کا باعث فطرتِ انسانی کی وہ استعداد ہے جو اس کو اپنے رب کی معرفت کا اہل بنا کر اُسکی طاعت پر آمادہ کرتی ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا (الاعراف - رکوع ۲۲) دوسری جگہ فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات - رکوع ۳) ایک جگہ فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات - رکوع ۲)

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور خود بندہ ہونے کا اظہار کر کے خدا تعالیٰ کی بندگی بجا لانا اور اُسکی نافرمانی سے بچنا اور اُسکے عذاب سے جو نافرمانی کا نتیجہ ہے ڈرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بدی اور نافرمانی الٰہی کی ترغیب دینے والے محرکین سے متاثر ہونے کے بعد انسان اپنے فطری جذبوں کو مردہ بنا کر طاغوتی راہ اختیار کر لیتا ہے جس سے ہلاکت و نامرادی اور خسران و ناکامی کا مستحق بنجاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت کے تقاضوں اور پیدائشی پاک جذبوں کو بیدار کرنے کے لئے وہ حقیقت جسے گمراہ ہو کر انسان فراموش کر دیتا ہے اُسے یاد دلائی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اور تعلیمات قرآنیہ کا نام ذکر، تذکرہ اور تذکیر ہے۔

انسان کو ناکام و نامراد بنانے اور رسوا بوں سے زیادہ ذلیل و گمراہ کرنیوالی بداعمالیوں کی جڑ انسان کا اپنے خالق، رب اور معبود سے غافل اور بے پرواہ ہوجانا ہے۔ اُس اکیلے معبود برحق سے غافل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ معبودان باطلہ کے آگے اپنی گردن جھکا کر اپنے تمام انسانی مجد و شرف کو برباد کرنے کے بعد انواع و اقسام کی گمراہیوں میں مبتلا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتا ہے اسی اہم الجرائم کو شرک کہتے اور نوع انسان کا پکا کینہ دشمن شیطان سب سے زیادہ اسی شرک میں انسان کو مبتلا کرنے کی کوشش کرتا اور اسی کی نسبت خدا تعالیٰ نے ہرگز نہ بخشے جانے کی وعید فرمائی اور اسی کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

(۱)

قرآن مجید نے سب سے زیادہ شرک کی مذمت اور توحید باریتعالیٰ کی تعلیم کو مدنظر رکھا ہے اور اس خاص مضمون کو نہایت ہی دلنشیں اور موثر پیرایوں میں بار بار بیان فرمایا ہے۔ قرآن مجید کا کوئی پارہ اور کوئی ورق ایسا نہیں جو شرک کی برائی، مشرکین کی مذمت اور ہستی باریتعالیٰ کے ثبوت اور توحید الٰہی کے دلائل سے خالی ہو۔

(۲)

قرآن مجید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو ہستی باریتعالیٰ کا یقین دلانے اور انسان کی تمامتر توجہ ہمہ اوقات خدا تعالیٰ کی جانب مائل رکھنے سے کسی مقام پر غافل نہیں قرآن مجید کا کوئی ایک صفحہ بھی ایسا تلاش نہیں کیا جاسکتا جسمیں متعدد مرتبہ انسان کو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف پُراثر اور مدلل طور پر توجہ نہ دلائی گئی ہو اور انسان کو باخدا انسان بنانیکی کوشش نہ کی گئی ہو۔

(۳)

خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے سمجھانے اور یقین دلانے کے لئے قرآن مجید میں قسم قسم کے زبردست دلائل بیان ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کے علم، قدرت، خالقیت، ربوبیت، مالکیت، رحمانیت رحیمیت وغیرہ صفات حسنہ کاملہ کے ثبوت میں نظام عالم اور پیش پا افتادہ اشیاء اور اُن کے تغیرات و حالات سے نہایت لطیف اور زبردست دلائل ایسے جامع و مانع الفاظ میں پیش کئے گئے

ہیں کہ اُن سے زیادہ دلنشین الفاظ اور لطیف پیرایہ کا تلاش کرنا ممکن نہیں - ہواؤں کے چلنے۔ بادلوں کے برسنے۔ بجلی کے چمکنے۔ دریاؤں کے بہنے۔ پہاڑوں سے پانی کے نکلنے۔ سمندروں میں کشتیوں کے چلنے۔ چوپایوں سے انسان کے نفع اُٹھانے۔ درختوں سے پھلوں کے پیدا ہونے۔ کھیتوں کے لہلہانے اونٹ اور گھوڑے سے سواری کا کام لئے جانے۔ سمندروں اور ریگستانوں میں انسان کے سفر کرنے چاند سورج اور ستاروں کے طلوع و غروب ہونے۔ دن اور رات کے آنے جانے۔ موسموں کے تبدیل ہونے وغیرہ مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلا کر ہستئ باریتعالیٰ اور دوسرے اہم مسائل پر ایسے ایسے زبردست دلائل مرتب فرما دیئے ہیں کہ عامی و عالم دونوں یکساں متاثر ہو کر لطف اُٹھا سکتے ہیں۔

(۴)

شرک کی برائی اور مشرک کی جہالت کو بے پردہ کرنے کے لئے معقولی دلائل کی کثرت کیساتھ ہی اُن بد نتائج کی طرف بھی بار بار توجہ دلائی ہے جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ کہیں عاد و ثمود کی بربادی کہیں لوطیوں کی تباہی کہیں فرعون اور فرعونیوں کی غرقابی کا تذکرہ ہے۔ کہیں طوفان نوح کا حال سُنایا ہے تو کہیں رعد اور زلزلہ کا عذاب یاد دلایا ہے۔

(۵)

شرک و توحید کی بُرائی بھلائی ثابت کرنے کے بعد بطور استفہام فطرت انسانی کو اس طرح بیدار کیا ہے کہ بتاؤ تم ہی روشنی اور تاریکی کو یکساں کہا جا سکتا ہے؟ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا کھاری پانی اور میٹھے پانی کا مزا ایک بتایا جا سکتا ہے؟ کہیں مردہ اور زندہ برابر ہو سکتا ہے؟ کیا دھوپ اور سایہ میں کوئی فرق نہیں؟ پھر مشرکوں کو للکارا ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ پیش کرو۔ کہیں ہمدردانہ لہجہ میں توجہ دلائی ہے کہ تم عقل و فہم سے کیوں کام نہیں لیتے۔ کہیں فرمایا ہے کہ آنکھیں رکھتے ہو مگر اُن سے دیکھتے کیوں نہیں۔ کان ہیں مگر اُن سے سنتے کیوں نہیں۔ دل ہیں مگر اُن سے سمجھتے کیوں نہیں۔ بتاؤ تو سہی مومن اور کافر یا مشرک اور موحد کو کیسے ہمرتبہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۶)

تمام دلائل اور عواقب و نتائج سننے کے بعد بھی مشرک کو نجاست شرک سے جو چیز جُدا نہیں ہونے دیتی اور شیطانی اصرار یا ابلیسی تکبر و استکبار پر آمادہ کرکے توحید الٰہی اور طاعت معبود کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی وہ تقلید آباء اور خلف کا اپنے سلف کے نقش قدم پر آنکھیں بند کرکے چلنا اور خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی عقل و فراست اور فہم و ذکا سے کام نہ لینا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں بار بار اور بتکرار باپ دادا کے اعمال و افعال کی اندھی تقلید کو بُرا کہا گیا ہے اور اس مضمون کو نہایت زبردست دلائل سے مدلل کرکے مکمل کیا گیا اور عقل و فہم سے کام لینے کی

ترغیب دی گئی ہے۔

(۷)

غلط کار اور بداعمال شخص کو اُس کی زشتی اعمال سے خبردار کیا جاتا ہے تو وہ اپنی غلط کاری سے واقفیت و آگاہ ہونے کے بعد تقلیدِ آبا کا سہارا ڈھونڈتا اور اپنے بزرگوں کے اعمال کو بطورِ سند پیش کرکے مفتی فراست اور قاضی عقل کی حکومت سے باہر آکر بغاوت کا اعلان کر دیتا اور اپنے ہر ایک نامعقول و ناشایستہ فعل کو درست قرار دیکر کسی شخص کو اصابت کا مستحق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اُس کے بُرے کاموں کی بُرائی اُسکے سامنے بدلائل ثابت کرکے اُسکو راست روی کی ترغیب دے اسی کا نام تکبّر۔ اصرار۔ عزت و شقاق۔ حمیۃ الجاہلیہ۔ ضد اور ہٹ ہے۔ چونکہ متکبر حقیقت کے خلاف اپنے اندر بڑائی اور کبریائی کا غلط خیال قایم کرکے نصیحت گر کی نصیحت سننے اور عقل و فراست کے کام میں لانے سے انکار کرتا ہے لہٰذا ایسے متکبر انسان کو مغرور یعنی فریب خوردہ اور اس کے تکبر کو غرور کہا جاتا ہے۔ باپ دادا کی جامد تقلید اور غرور و تکبر چونکہ لازم و ملزوم اور راہِ حق سے روکنے کے لئے زبردست رُکاوٹ ہیں لہٰذا قرآن مجید میں جتنی مرتبہ شرک کا ذکر آیا ہے اُسکی برابر یا اُس سے بھی زیادہ مرتبہ کبر و غرور کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ متکبروں اور مغروروں کو بار بار اُنکے بد انجام سے ڈرایا گیا ہے اور اس دنیا میں متکبروں نے جو ذلتیں سہی ہیں اُنھیں یاد دلایا گیا ہے۔

(۸)

کبر و غرور چونکہ عقل و فہم سے انسان کو جدا کر دیتا اور مغرور انسان اپنی بڑائی اور بزرگی کے غلط خیال میں پختہ ہوکر دوسروں کو ہمیشہ حقارت سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے لہٰذا وہ انجام و نتائج سے بے پرواہ ہوکر دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور کمزوروں پر ظلم و ستم توڑنے اور ہر قلم کے مخالفِ انسانیت اعمال و افعال پر دلیر ہو جاتا ہے لہٰذا قرآن مجید میں ظلم و ستم۔ قتل و غارت۔ دختر کشی۔ فحش و زنا۔ ہر قسم کی بیحیائی۔ دوسروں کو بدی اور برائی کی ترغیب دینا۔ بھلائیوں اور نیکیوں سے روکنا۔ نیک لوگوں کے ساتھ ہنسی دل لگی اور تمسخر و استہزا سے پیش آنا۔ اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلنا۔ مال و دولت اور کنبہ والوں کی کثرت پر فخر کرکے کمزوروں اور مفلسوں کو تنگ کرنا۔ قول و قسم اور وعدہ کو توڑ دینا وغیرہ بداعمالیوں کی بدلائل مذمت بیان کرکے لوگوں کو راست کرداری اور راست روی کی مخصوص انداز میں ترغیب دی گئی ہے۔

(۹)

طاقتور۔ دولتمند اور حیثیت والے بداعمال لوگ جو عموماً با اثر اور صاحبِ اقتدار ہوتے ہیں کبر و غرور میں مبتلا ہونے اور داعیانِ حق کے مقابلہ میں اپنی طاقت و دولت کو کام میں لانے اور مالی و جانی ایذا رسانی کے علاوہ تحقیر و استہزا سے بھی نیک اور راست کردار لوگوں کو ستاتے رہتے ہیں لیکن جب ان بداعمالوں کی طاقت پرستارانِ حق کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتی ہے اور باخدا لوگوں

کی جمعیت ترقی پاکر ان آبا پرست معاندین کو مغلوب کر لیتی ہے تو ان کا دلی عناد اور بھی زیادہ ترقی کر جاتا ہے اُس حالت میں یہ لوگ اپنے آپ کو کمزور پاکر بظاہر حق پرستوں کی جمعیت میں شامل اور علانیہ بداعمالیوں سے مجتنب رہ کر در پردہ اس جمعیت کو منتشر کرنے اور نقصان پہونچانے کی تدبیروں میں مصروف ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے اور دنیا میں کم و بیش ہر زمانہ میں ان منافقوں کا وجود پایا گیا ہے اور منافقوں ہی کی بدولت دور رس اور دیرپا فسادات جو قوموں کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان منافقوں کے عادات بد اور خصائل ذمیمہ کو بھی خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے اور ان کی شرارتوں سے بچنے اور چوکس رہنے کی تاکید فرماکر لوگوں کو منافقت کی پلیدی سے دور و مہجور رہنے کی ترغیب دی ہے اس خاص مضمون کے ہر ایک پہلو پر قرآن شریف نے مختلف مقامات میں خوب اچھی طرح مکمل روشنی ڈالی ہے۔

(۱۰)

مشرک۔ متکبر۔ جاہ ومقاد اور منافق کے اعمال چونکہ معقولیت اور دلیل و برہان سے بے تعلق و بے نیاز ہوتے ہیں لہٰذا قرآن مجید نے ایک دو جگہ نہیں سینکڑوں جگہ لوگوں کو عقل۔ فہم۔ تدبر۔ تفکر۔ شعور۔ فقاہت۔ عدل وغیرہ سے کام لینے اور بداعمالیوں کے نتائج بد سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور کوئی بھی ایسی فرمایش نہیں کی جس کا پورا کرنا فطرت انسانی یا عدل و عقل کے خلاف ہو اور موجب جبر نہ ہو۔ انسانی فطرت کے تقاضے کو کچلنے اور مالا یطاق بوجھ ڈالنے والا کوئی بھی حکم قرآن مجید نے انسان کو نہیں دیا۔ اور بداعمال و بدعقیدہ لوگوں کو بے شمار مرتبہ عقل کے حکم بنانے اور عقل کی موافق فیصلہ کرنے کی دعوت دی اور بار بار هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ کا اعلان کیا ہے۔

(۱۱)

قرآن مجید نے کفار و مشرکین کا ذکر کرتے اور انکی بداعمالیوں کی طرف تفصیلی طور پر توجہ دلاتے ہوئے بار بار انکو الزام دیا ہے کہ تمہارے اعمال کسی دلیل و برہان سے مؤید نہیں اور اغوائے شیطانی یا تقلید آبا نے تمکو عقل و دانائی سے محروم کر کے فضائل انسانی سے تہیدست اور انسانیت کا دشمن بنا دیا ہے۔ کہیں کہیں اعتراض کا پیرایہ نہایت ہی عجیب اور لہجہ لطیف اختیار کر کے فرمایا ہے کہ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ط۔

(۱۲)

دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بداعمالیوں اور عقیدہ کی خرابیوں سے واقف ہو کر اصلیت و حقیقت کو بخوبی سمجھ جاتے ہیں اُن کے دل میں نیکیوں سے نفرت اور نیک لوگوں کی عداوت نہیں ہوتی لیکن وہ اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کو اپنی بے عزتی جانتے اور اپنی بداعمالی پر قائم رہنے

کو مقتضائے وضعداری سمجھتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ باخدا اور راست کردار لوگوں کو مفلس و نادار اور ضعیف و کمزور دیکھکر اُنکی جماعت میں شامل ہونا اپنی عزت اور مرتبہ کے خلاف سمجھکر اپنی بداعمالی پر قایم رہتے ہیں۔ لہذا قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس مدعا کو ثابت اور روا شگاف طور پر بیان کیا ہے کہ عزت کا مالک تو خدا تعالیٰ ہی ہے وہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے نافرمان اور بداعمالیوں میں مبتلا ہیں وہ دنیا میں انجام کار ذلیل و رسوا ہونے اور متقیوں کا انجام ہمیشہ بخیر ہوا کرتا ہے۔ والعاقبۃ للمتقین۔

(۱۳)

بداعمال لوگوں کے انجام کی خرابی کو ذہن نشین کرانے اور ثبوت میں استقرائی نتیجہ کے ذریعہ یقین پیدا کرنے کے لئے قرآن مجید نے ترغیب دی ہے کہ سیر و سفر اختیار کر کے مختلف ملکوں اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاؤ وہاں کے آثار قدیمہ اور تباہ شدہ اقوام کے نشانات دیکھو اور تحقیق کرو کہ کن کن بداعمالیوں کی پاداش میں کس کس طرح بڑی بڑی طاقتور قومیں اور بڑے بڑے صاحب جاہ و حشم لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر برباد ہوئے۔ اور اُن کا مال و لشکر اور دولت و حکومت اور عزو جاہ کچھ بھی کام نہ آسکا بلکہ ذلیل و خوار ہو کر کتے کی موت مرے۔ بعض مغضوب اقوام اور بعض بداعمال افراد کا تفصیلی حال یاد دلا کر اُسکے بعض آثار و نشانات کی طرف بھی توجہ دلائی جو عبرت آموزی کے لئے دنیا میں موجود ہیں۔ پھر قرآن نے اس بات کو بھی نمایاں طور پر ظاہر اور ثابت کر دیا ہے کہ دنیا میں ہر ایک چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف جو انسان پر آتی ہے وہ اُسی کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چونکہ اس طرح انسان زیادہ متاثر ہو کر اور اپنے انجام کو سنوارنے اور اس پر غور کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے لہذا قرآن مجید میں نصیحت گری و رہبری کے اس خاص پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور یہ خاص مضمون قرآن مجید کے اکثر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

(۱۴)

بداعمالیوں کے بد نتائج کی طرف توجہ نہ کرکے انجام و نتیجہ سے غافل رہنا ہی برائی پر قائم رہنے اور اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونے کا سبب ہوتا ہے لہذا قرآن مجید نے بداعمالیوں کے اُن بد نتائج کی طرف جو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں جسقدر زیادہ دہانی کی ہے اُس سے بدرجہا زیادہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پانے اور یوم آخر۔ یوم عظیم۔ روز جزا یا قیامت میں ذرہ ذرہ اعمال کا حساب دینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس دنیا میں اسباب و نتائج کے درمیان جو بدیہی تعلق ہر شخص کو نظر آتا ہے اسی کو قرآن مجید نے قیامت اور جنت و دوزخ کے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرا کر روز جزا پر ایمان لانے کو ضروری بتایا اور تمام بداعمالیوں کی بنیاد روز جزا پر ایمان نہ لانا قرار دیا ہے۔

(۱۵)

روز جزا پر ایمان لے آنے اور بداعمالیوں کے بد نتائج کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی ایک ضدی آدمی

اپنی بداعمالیوں کو خیرباد کہنے اور اپنی حالت میں تغیر و اصلاح پیدا کرنے سے انکار کر سکتا ہے کیوں کہ وہ ان تمام مصائب کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے جو اس دنیا میں انسان پر وارد ہو سکتے ہیں اور جن کا خاتمہ موت پر ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک ضدی مزاج متکبر انسان کے راہ راست پر لانے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا لہٰذا قرآن مجید نے دوزخ اور اس کے ناقابل برداشت اور دنیوی ایذاؤں سے کہیں زیادہ اہم و عظیم عذابوں کی طرف بخوبی توجہ دلائی ہے جس کے تصور سے انسان کا اصرار و استکبار پاش پاش۔ ریزہ ریزہ اور اس کا زہر پگھل کر آب آب ہو سکتا ہے۔

(۱۶)

تمام باتوں کو سوچتے سمجھتے اور جانتے پہچانتے ہوئے بھی کبھی کبھی انسان اپنی خواہشات نفس کا مغلوب ہو کر اندھا ہو جاتا ہے جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض مشہور طبیب اور اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر جو اغذیہ و ادویہ کے خواص سے واقف اور امراض کی ہلاکت آفرینیوں سے باخبر ہوتے ہیں بعض اوقات خود کسی مرض میں مبتلا اور خواہش نفس سے مجبور ہو کر انھیں مضر غذاؤں کو کھا لیتے ہیں جو دوسرے اسی قسم کے مریضوں کو وہ ہرگز نہ کھانے دیتے۔ جو شخص اپنے نفس پر قابو نہ رکھکر اسکی خواہشات کے آگے آگے بہہ نکلتا ہے اسکے اعمال عقل اور سمجھ کی رہبری سے محروم ہو کر اسکو ہلاکت و نامرادی کی جانب لیجاتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید نے اھواء اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے بار بار روکا اور طرح طرح سے سمجھایا ہے کہ عقل و دانائی کے خلاف نہ اپنی خواہشات کی پیروی کرو نہ دوسروں کی خلاف عقل خواہشات کو پورا کرو۔

(۱۷)

بعض اوقات انسان مال و دولت کے للچ یا اپنی روزی فراہم کرنے کی کوشش میں بہت سے ایسے کام کر گزرتا ہے جو اسکی ضمیر کے خلاف ہوتے ہیں۔ نوکر اپنے آقا کی رضا جوئی میں دوکاندار اپنے گاہکوں کو خوش کرنے کے لئے۔ سوداگر اپنے مال کو جلد اور زیادہ نفع پر فروخت کرنے کی غرض سے اپنے عقیدہ کے خلاف کام کرتا اور بسا اوقات بداعمال لوگوں کو بداعمال یقین کرتے ہوئے بھی انکی جماعت میں شامل رہتا ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی اس کمزوری کا علاج مدنظر رکھکر خدا تعالیٰ کی صفت رزاقیت کی طرف بار بار توجہ دلا کر روزی کی تنگی و فراخی کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا اور مال و دولت کی کمی و زیادتی کو مشیت ایزدی ہی پر منحصر رکھکر انسان کو راستی۔ خیر اور بھلائی کے اعلان پر دلیر اور بے خوف بنا دیا ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ ہر ملک ہر زمانے اور ہر قوم میں مسلسل پائی جاتی ہے۔ ؎

بناداں آں چناں روزی رساند ٭ کہ دانا اندراں حیراں بماند

(۱۸)

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ کمزور اور ضعیف و نادان لوگ طاقتوروں کے خوف سے کسی حقیقت اور کلمۂ خیر کو زبان تک نہیں لاسکتے اور تبلیغ حق سے باز رہ جاتے ہیں۔ قرآن مجید ایسے کمزوروں کے

دلوں کو بار بار مضبوط اور حق تصور بناتا اور بدلائل سمجھاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیئے تمام طاقتوں کا مالک اور تمام طاقتوروں پر قاہر صرف خدا تعالیٰ ہے۔ حق کے اعلان اور صداقت کی تائید میں کسی بادشاہ کسی لشکر کسی جتھے اور کسی قوم سے ہرگز ہرگز مرعوب نہیں ہونا چاہیئے۔ اس مضمون کو قرآن مجید نے جس خوبی بلند آہنگی اور زبردست دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دنیا کی کسی دوسری کتاب میں اسکی مثال نہ ملیگی۔

(۱۹)

شریروں اور بدمعاشوں کی کثرت اور انکے سامان جنگ کی افراط قلیل التعداد خواہان امن اور بے ساز و سامان داعیان حق کو مرعوب کر کے میدان میں نکلنے اور اشرار نابکار کو مقابلہ کے لئے للکارنے سے باز رکھ سکتی ہے لہٰذا قرآن مجید نے ایمان اور بہادری کو لازم ملزوم ثابت کر کے سمجھایا ہے کہ بداعمال لوگ اور منکرین حق جو اپنی شرارتوں سے باز نہیں رہنا چاہتے وہ فہم و خرد سے بیگانہ اور روز قیامت کے منکر ہونیکی وجہ سے بزدل اور مومنوں کی برابر ہرگز بہادر نہیں ہوسکتے لہٰذا ان کی کثرت تعداد سے قلیل التعداد مومنوں کو مرعوب ہونے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ بزدلی و نامرادی کو قرآن مجید نے نہایت قابل ملامت عیب اور شرک کا مترادف قرار دیا ہے۔

(۲۰)

پند و نصیحت کی تمام باتیں اور عقل و دانائی کی طرف متوجہ کرنے کی تمام کوششیں جب بیکار ثابت ہوجاتی ہیں اور شریروں۔ بدمعاشوں اور بداعمال سرکشوں کی شرارتیں امن و امان کو غارت کر کے داعیان حق کے لئے تبلیغ حق کے تمام راستے بند اور عقائد و اعمال کی آزادی کو فنا کر دیتی ہیں تو ایسی حالت میں حق پرستوں اور نوع انسان کے ہمدردوں کا سب سے پہلا کام فساد و بدامنی کے عناصر کو برباد اور بدمعاشوں کو قتل کر کے امن و سکون کی فضا کا پیدا کر دینا ہوتا ہے اور یہ کام ہر ایک عبادت اور ہر ایک نیکی پر فضیلت رکھتا ہے جس سے کسی صاحب عقل و ہوش انسان کو انکار نہیں ہوسکتا چنانچہ قرآن مجید نے اس مضمون کو مفصل اور مدلل طور پر بیان فرما کر قتال فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی زبردست ترغیب دی ہے اور ان لوگوں کو جو اس سب سے زیادہ ضروری کام میں اپنی جانیں صرف کر دیں سب سے زیادہ کامیاب و بامراد بتایا ہے۔

(۲۱)

میدان جنگ میں ہنگامۂ کارزار برپا کر کے کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے ضروری وجود ایک ایسے سپہ سالار کا ہے جس کے احکام کی تعمیل بلا چون و چرا کی جائے لہٰذا قرآن مجید نے لوگوں کو اپنے سپہ سالار کے احکام کی تعمیل کرنے اور عدول حکمی سے بچنے کی تاکید فرما کر فرمانبرداری کی خوبیاں اور نافرمانی کی برائیاں مفصل و مدلل طور پر بیان فرمائی ہیں۔

(۲۲)

شریروں فسادیوں اور بدمعاشوں کے مقابلہ میں سربکف ہو کر میدان میں نکلنے سے اس دنیوی زندگی کی محبت منع کر سکتی اور عیش و عشرت کی عادت صعوبات جنگ کے برداشت کرنے سے باز رکھ سکتی ہے لہذا قرآن مجید نے انسان کو بہادر اور صعوبت کش بننے کی مدلل اور زبردست ترغیب دیکر اس بات کا یقین دلایا ہے کہ ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر اور اس کی زندگی کی مدت محدود اور معین ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس تصور کے بعد انسان میں خطرات کے مقام پر کھڑے رہنے اور صفِ قتال سے پیچھے نہ ہٹنے کی استعداد خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲۳)

ماں باپ۔ اولاد۔ بھائی بہن خاندانی بزرگ اور قریبی رشتہ داروں کی محبت جسکو خون کا جوش کہا جاتا ہے انسان کو مجبور کرنے کے لئے بڑی زبردست طاقت ہے اور دنیا کی ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں ہمیشہ اس زبردست طاقت نے اپنی ہستی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اسی طاقت سے ہمیشہ تقلید جامد اور شرک و گمراہی کی جڑوں کو پانی ملتا رہا ہے۔ قرآن مجید نے ایک طرف تو رشتہ داروں کی محبت اور انکے حقوق کو تسلیم کر کے ان حقوق کی بجا آوری اور فطرت انسانی کی رعایت کو مدنظر رکھا ہے دوسری طرف حق و صداقت۔ توحید باریتعالی اور رضائے الہی کے مقابلہ میں ماں باپ۔ اولاد اور بھائی بہن وغیرہ تمام رشتہ داروں کو ناقابل التفات قرار دیکر انسان کو حمایت حق کے لئے شمشیر برہنہ بنا دیا ہے۔

(۲۴)

شر اور فساد کے مٹانے کی کوشش میں انسان اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالنے سے اس لئے بھی باز رہ سکتا ہے کہ جب خود میں ہی نہ ہوا تو شر و فساد کے مٹ جانے اور امن و امان کے دنیا میں قائم ہونے سے مجھکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے لہذا میں اپنی جان گنوا کر شر و فساد کو کیوں مٹاؤں اور خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو کیوں فائدہ پہونچاؤں۔ اس خیالِ خام کی تردید و اصلاح میں قرآن مجید نے روز جزا اور اخروی نتائج کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ ایثار و قربانی کی حقیقت کے سمجھانے اور ایثار کو بہترین اعمال ثابت کرنے میں نہایت مدلل اور موثر طرزِ کلام اختیار فرمایا ہے۔

(۲۵)

شر و فساد کے عنصر کو مغلوب اور ملکی فضا میں امن و امان کی استعداد پیدا کرنے کے بعد امن و امان کے باقی رکھنے اور انسانی معاشرت کو خوشگوار بنانے کی سخت ضرورت ہے کہ آپس کے تعلقات اور معاملات میں ہر ایک انسان کے حقوق محفوظ ہوں اور کوئی کسی کے مال۔ جان اور عزت کو بیجا نقصان نہ پہونچا سکے لہذا قرآن مجید نے ایک طرف لوگوں کو عدل و انصاف کے قائم رکھنے کی ترغیب اور دوسری طرف ایک کامل و مکمل نظام سلطنت پیش کر کے انسانی ضروریات کے ہر ایک شعبہ کے لئے اصولی قوانین پیش کر دیئے جن سے بہتر قوانین و آئین نہ تجویز کئے جا سکتے ہیں نہ اُن میں کسی قسم کا عیب ابتک ثابت کیا جا سکا ہے۔

(۲۶)

آئین سلطنت اور قوانین حکومت جو امن و امان کے قیام اور نظم سلطنت کے استحکام کا موجب ہیں ان کے نفاذ۔ نگرانی اور عملدر آمد کے لیئے بھی ایک آمر یا امیر یا سلطان کی ضرورت ہے قرآن مجید نے اس کا نام اولوالامر یا خلیفہ تجویز فرما کر اسکی اطاعت کو لازمی قرار دیا ہے۔

(۲۷)

جو امن حکومت اور انتظام سلطنت سے بھی جرائم اور بداعمالیوں کا کلی انسداد نہیں ہوسکتا لہذا قرآن مجید نے تقوی خشیت اللہ دل کی پرہیز گاری اور نیت و ارادہ کی نیکی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ خدا تعالی تمہارے دل کے ارادوں سے واقف۔ نیتوں سے آگاہ اور ان پر عذاب و ثواب مرتب فرماتا ہے قرآن کریم کے اس اہتمام نے گناہوں اور بداعمالیوں کو بیخ و بن سے فنا کر دینے کا سامان بہم پہونچا دیا ہے۔

(۲۸)

جنت کی نعمتوں اور راحتوں نیز دوزخ کے عذابوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے اور اس تذکرہ کا ہونا اس لیئے ضروری تھا کہ برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کی ترغیب ہو اور اس دنیا کی راحتوں کا گرویدہ ہوکر انسان آخرت سے غافل اور رضائے الٰہی کے کاموں میں محنتوں اور مصیبتوں سے جی چرانے کی طرف مائل نہ ہوجائے۔

(۲۹)

لوگوں میں فساد اور بدامنی پیدا ہونے کے اسباب میں نسلی امتیاز اور قبائلی عصبیت کو ہمیشہ نمایاں درجہ حاصل ہورہا ہے۔ قرآن مجید نے شعوب و قبائل کے امتیاز کو تسلیم کرتے ہوئے اس امتیاز کے اس پہلو کو جو باعث فساد ہوتا ہے۔ بالکل فنا کر دیا ہے قرآن مجید کہتا ہے کہ قبائل کا الگ الگ ہونا وہی حیثیت رکھتا ہے جو اشخاص و افراد کے الگ الگ نام رکھے جانیکی حیثیت ہے جس طرح ہر شخص اپنے جدا جدا نام سے پہچانا جاتا ہے اسیطرح قبیلے الگ الگ ناموں سے تعبیر کیئے جاسکتے ہیں لیکن محض کسی قبیلہ یا کسی خاندان سے متعلق ہونے کے سبب کوئی شخص عزت و تکریم کا مستحق نہیں ہوسکتا قرآن کریم نے اعمال نیک کو باعث تکریم قرار دیکر خاندانی اور نسلی تفاخر کی جڑ کاٹ دی اور ترقی کا راستہ ہر انسان کے لیئے یکساں کھلا رکھا جسکو طاقتور اور قابو یافتہ لوگ کمزوروں کے لئے ہمیشہ مسدود کرتے چلے آتے تھے۔

(۳۰)

آپس میں کامل اتفاق اور سچی محبت پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ ایک شخص دوسرے کے حقوق پر غاصبانہ طور پر قابض ہونے سے پرہیز نہ کرے۔ قرآن مجید نے ہر ایک شخص کے انسانی و فطری حقوق اس کو دلا کر نا اتفاقی اور بغض و کینہ کی جڑ کاٹ دی پھر فرمانبردار اور نیک لوگوں کو آپس میں محبت اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ایک دوسرے کی ہمدردی و نفع رسانی میں سرگرم رہنے کی تاکید فرما کر یا خدا انسانوں کے لیئے اس دنیوی زندگی کو بھی جنتی زندگی بنا دیا ہے اور اسی لئے سب کو بھائی بھائی

بنا دینے کا ذکر فرما کر اسکو خدا تعالے کا بہت بڑا انعام ثابت کیا ہے۔

(۳۱)

آپس کی محبت و ہمدردی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتی اگر وہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود ہو لہذا قرآن مجید نے بار بار تاکید فرمائی کہ امرا اور صاحب استطاعت لوگ غریبوں اور مفلسوں کی مالی امداد کریں۔ یہ امداد مختلف طریقوں سے ہو سکتی ہے مثلاً کسیکو کچھ عرصہ کے لئے قرض دیکر اس کا رکا ہوا کام چلا دینا اور پھر جب وہ واپس دینے کی قابل ہو جائے تو اپنا دیا ہوا اصل قرضہ واپس لے لینا۔ بھوکے کو کھانا کھلانا۔ مسکین اور یتیم کی ضرورتوں کو پورا کرنا مسافروں کی امداد کرنا۔ غازیوں کے لئے سامان جنگ اور ضروری چیزیں فراہم کر دینا۔ اپنے محسنوں بالخصوص ماں باپ کی خدمت کرنا۔ اپنی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ مرکزی خزانہ میں جمع کرنا تاکہ وہ امیر یا خلیفہ کے زیر اہتمام ایسے ہی کاموں میں خرچ ہو وغیرہ وغیرہ۔

(۳۲)

اتفاق و اتحاد کے قایم اور باقی رکھنے کے لئے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ آپس کی محبت حاضر و غائب یکساں رہے اُس میں کسی فریب اور بناوٹ کو مطلق دخل نہ ہو لہذا جسطرح تمسخر اور بد زبانی وغیرہ سے منع کیا اسی طرح غیبت۔ چغلخوری۔ بہتان بندی وغیرہ سے قرآن مجید نے تاکید اکید منع فرمایا اور ان افعال نا شائستہ کی شناعت کو ثابت کرکے انکے بد نتایج سے ڈرایا ہے۔

(۳۳)

صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں اور با خدا لوگوں میں اتفاق و محبت پیدا کرنے اور اُسکے قایم رکھنے کی تدبیریں بتاتا ہے بلکہ قرآن مجید بے راہ رو اور غلط کار لوگوں کے ساتھ بھی انسانیت اور شرافت کے برتاؤ کی تاکید فرماتا ہے۔ قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ مشرکوں کے معبودان باطلہ کو بھی بد زبانی سے یاد نہ کرو کیونکہ اس طرح وہ مشرک بھی بد زبانی سے پیش آئیں گے اور فساد پیدا ہوگا۔ بد اعمال لوگوں سے مباحثہ یا مناظرہ کرو تو تہذیب اور شرافت کو ہاتھ سے نہ جانے دو بلکہ اُن کے ساتھ اس نرمی و محبت سے پیش آؤ کہ وہ تمہارے حسن اخلاق کے گرویدہ ہوکر تمہاری دوستی کے خواہاں بنجائیں۔ کفار کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے ہوں اُن کو پورا کرنا ضروری ہے۔ پھر حکم دیا کہ اگر تمکو کفار کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہے تب بھی اُن کے ساتھ بے انصافی کا برتاؤ خلاف عدل کوئی کام ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔

(۳۴)

کفار و اشرار کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب سے یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ جماعت مسلمین کو بھی بعض اوقات اس طرز عمل سے نقصان پہونچ سکتا ہے لہذا قرآن مجید نے صاف طور پر یہ بھی بتا دیا کہ کفار و اشرار سے حسن اخلاق پیش آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم اُن سے ایسی دوستیاں اور یارانے قایم کرو جن سے مسلمانوں کو نقصان پہونچ سکے بلکہ اگر تمنے کفار و اشرار سے ایسے تعلقات رکھے جنسے مسلمانوں کی جماعت کو نقصان پہونچ سکے تو پھر تم بھی اُنھیں کفار میں شمار کئے جاؤ گے۔

(۳۵)

ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کی تاکید کے علاوہ شوہر اور بیوی کے تعلقات خانگی پیچیدگیوں اور معاشرت کی باریک و دقیق گتھیوں کے سلجھانے کے لئے بھی قرآن مجید نے نہایت ہی عاقلانہ اور بیحد نفع رساں ہدایات بیان فرمائی ہیں اور بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ نزولِ قرآن سے پیشتر دنیا اس راحت رساں معاشری زندگی سے محروم تھی۔

(۳۶)

دنیا میں انسان کی رہبری و ہدایت کے لئے بار بار خدا تعالیٰ کی طرف ہادی آتے رہے اُن پیغمبروں اور ہادیوں کے بعد اُن کے امتی لوگوں نے اصل ہدایت اور انکی لائی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر کے تقلید آباء کے جذبۂ مشئومہ اور نسلی عصبیت کو ترقی دیکر خود اُن ہادیوں ہی میں خدائی صفات اور مافوق البشریت الٰہی طاقتیں تجویز کیں اور شرک کی گمراہی و ظلمت میں گرفتار ہو گئے قرآن مجید نے اس خطرہ کی روک تھام کا بھی کافی سامان بہم پہونچا دیا اور متعدد مرتبہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انسان اور بشر رسول ہونے کا اعلان کر کے اُن باتوں کی طرف توجہ دلائی جو دوسرے انسانوں کی طرح آپ میں بھی پائی جاتی تھیں۔

(۳۷)

حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عبدیت اور بشریت کا یقین دلا دینے کے بعد اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں اس حقیقت سے غافل نہ ہو جائیں کہ آنحضرت صلعم تمام جہاں کے لوگوں کے لئے معلم حق اور امراض روحانی کے طبیب بنکر آئے ہیں اور آپ کی زندگی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ اور قابل اقتدا نمونہ ہے۔ لہذا قرآن مجید نے بار بار اس طرف توجہ دلائی کہ آنحضرت صلعم کا ہر ایک حکم ماننا ضروری اور آپ کا ہر ایک قول و فعل قابل تقلید ہے۔ یعنی قرآن مجید کے اوامر و نواہی کی تعمیل کے ساتھ ہی آنحضرت صلعم کے اوامر و نواہی کی تعمیل بھی از بس ضروری ہے اور آنحضرت کے ارشادات کی فرمانبرداری احکام خداوندی کی فرمانبرداری ہے۔

(۳۸)

خدا تعالیٰ نے خود آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخاطب کر کے آپکی ذات کے متعلق جو حکم دیئے اور آپ کے بعض کاموں میں نکتہ چینی فرما کر جسطرح اصلاح و تربیت فرمائی قرآن مجید میں وہ تمام الفاظ و فقرات بھی موجود و محفوظ ہیں اور یہ ایک نہایت زبردست دلیل اسبات کی ہے کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کی کتاب اور نہایت محفوظ ہدایت نامہ ہے۔

(۳۹)

کلام الٰہی اور سنت نبوی (دین اسلام) کی اشاعت و تبلیغ کو قرآن مجید نے نہایت ضروری کام ٹھہرا کر اسکے متعلق پر اثر ترغیبیں اور نہایت مفید اور ضروری ہدایات بیان فرمائیں اور ہر ایک مسلمان کو مبلغ اسلام قرار دینے کے علاوہ ایک ایسی جماعت کا قیام ضروری قرار دیا ہے جسکی زندگی کا خصوصی مقصد تبلیغ و تعلیم ہو۔

۳۰

اسی طرح امانت و دیانت - صلح جوئی - صدق و صفا - رضا بالقضا - طہارت و پاکیزگی - نماز روزہ - حج زکوٰۃ - حقوق ہمسایہ - سعی و کوشش وصعوبت کشی کی ترغیب اور یاس وناامیدی کی مذمت وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان سب کی طرف اشارہ کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو جائے لہذا انھیں چند اشارات پر جو تعلیمات قرآنیہ کی نسبت نامکمل طور پر لکھے گئے اکتفا کیا جاتا ہے۔

مضامین قرآنی کی ترتیب

گذشتہ فصل میں بیان کئے ہوئے مضامین ومطالب اور ان کے سوا اور بھی بہت سے ضروری مقاصد قرآن شریف کے ہر حصہ میں بالکل اسی طرح بکھرے ہوئے ہیں جیسے آسمان پر تارے بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قرآن شریف کے تیس پاروں میں سے ایک پارہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا جس میں تمام مذکورہ مطالب ومضامین میں سے ہر ایک مقصد ومضمون کی کچھ نہ کچھ آیات موجود نہ ہوں۔ قرآن مجید نے کسی ایک مضمون کو شروع کرکے ایک ہی جگہ ختم اور تمام نہیں کر دیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس مضمون کا جو حصہ جہاں بیان ہوا ہے وہ اپنی جگہ کامل اور نفع رساں ہے اور محتاج بالغیر نہیں۔ اگر ایک مضمون ایک ہی جگہ پورا اور تمام ہو جاتا اور قرآن مجید کے دوسرے حصوں میں وہ مضمون نہ پایا جاتا تو اس طرح قرآن مجید کے خاص خاص پارے خاص خاص حیثیتوں کے ہوتے اور ایک پارہ کی تلاوت بعض ضروری باتیں یاد دلاتی تو بعض دوسری ضروری باتوں سے بالکل بے تعلق رہتی حالانکہ قرآن مجید کا ہر ایک پارہ جو روزانہ تلاوت میں آتا ہے تمام ضروری باتیں ہر روز یاد دلا دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص تیس۳۰ دن میں قرآن مجید کے تیس۳۰ پارے ختم کرے تو تیس۳۰ مرتبہ ضروری اور اہم مضامین کے مختلف حصے زیر توجہ آجاتے ہیں جو مضمون جسقدر زیادہ ضروری اور اہم ہے قرآن مجید میں اُس کا ذکر اسی قدر زیادہ مرتبہ اور زیادہ اہتمام سے کیا گیا ہے جو مضامین جس قدر کم ضروری ہیں اسی قدر قرآن مجید میں انکا ذکر کم آیا ہے جن مضامین پر زیادہ غور وخوض کی ضرورت ہے اُن مضامین کو قرآن مجید نے ایک ہی قسم کے الفاظ میں بار بار بیان فرمایا ہے جن مضامین پر غور وخوض کی زیادہ ضرورت نہیں مگر ہیں وہ ضروری مضامین اُنکو حصص اور اقساط میں منقسم کرکے متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔

جس طرح لوگوں نے آسمان کے ستاروں پر اعتراض کرکے اپنی حماقت کا ثبوت پیش کیا ہے اسی طرح اُنھوں نے قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں کی ترتیب پر اعتراض کرکے اپنی بے بصیرتی کا پردہ چاک کیا ہے۔ آج اگر یہ ممکن ہو کہ آسمان کے ایک درجہ کی روشنی والے تارے آسمان کے ایک حصہ میں اور

دوسری قسم کے تارے دوسرے حصہ میں اور اسی طرح تیسری چوتھی پانچویں وغیرہ اقسام کو آسمان کے جدا جدا حصوں میں انسانی ترتیب و اہتمام کے موافق تبدیل کر دیا جائے تو علم ہیئت کے جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ یہ موجودہ نظام شمسی اپنی حالت پر قائم رہ سکتا ہے نہ رات دن کے موجودہ اوقات کا نظام اور موسموں کے تغیر و تبدل کی یہ باقاعدگی برقرار رہ سکتی ہے۔ پس آسمان کے ستاروں کی ترتیب جس طرح ہماری رائے اور تجویز سے وراء الوراء ہے اسی طرح قرآن مجید کی ترتیب ہماری محدود و ناقص رائے سے بالاتر ہے جس خدا نے آسمان اور ستارے بنائے اسی خدا نے قرآن مجید نازل کیا جس طرح ریگستان اور سمندروں کے سفر اور اندھیری راتوں میں آسمان کے ستاروں سے ہم راستہ معلوم کرتے اور منزل پر پہنچتے ہیں اسی طرح قرآن مجید کی آیتوں سے جہل و گمراہی کی ظلمت میں ہم صراط مستقیم کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

تدبّر فی القرآن سے متعلق بعض اشارات

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور ملک عرب کے اس مرکزی شہر (مکہ) میں سب سے پہلے شایع ہوا جس کو اپنی زبان کی خوبی و فصاحت پر فخر تھا اور ان فصحاء و بلغاء عرب (قریش) کو سب سے پہلے سنایا گیا جن کو اپنی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا اور ہر ایک غیر عرب کو وہ گونگا یعنی زبان بند عجمی کہتے تھے لیکن یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قرآن مجید کے ابلغ و محکم ادائے بیان کے مقابلہ میں اپنے عجز و درماندگی کے قائل ہو گئے پس ایسے فصیح و بلیغ کلام کے سمجھنے میں آج اگر ہم کو کوئی دقت پیش آئے یا الفاظ کے مفہوم کو معلوم و متعین کرنے میں کوئی دشواری لاحق ہو تو یقیناً اس کا سبب قرآن کی زبان اور ادائے بیان کا سقم تو ہرگز نہیں کیونکہ اس کی فصاحت اور قادر الکلامی تو مسلّمہ ہے بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے فہم اور ہماری ہی زباں دانی کا قصور ہے لہذا ہم کو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ہی زبان اور اس کے محاورات کی تبدیلیوں کے ناگزیر ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کے کسی لفظ یا محاورہ کا مطلب سمجھنے میں خود قرآن مجید ہی سے لغات و مصطلحات کی کتاب کا بھی کام لینا چاہیئے اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے اس آیت اور اس لفظ کے معانی کی تلاش کرنی چاہیئے کیونکہ قرآن مجید نے نہایت بلند آہنگی سے یہ دعوی کیا ہے کہ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ قرآن مجید کا یہ دعوی اس کے سب سے پہلے مخاطبوں میں جو اہل زبان تھے بخوبی شائع ہو کر سب کو مسلّم ہو چکا ہے بنا بریں یہ غیر ممکن ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات بعض کی تردید کریں یا قرآن مجید کسی چیز کو ایک جگہ اچھا اور دوسری جگہ برا بتائے۔

قرآن مجید قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کی رہبری و ہدایت کا کام انجام دینے والا

ہدایت نامہ اور تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ و مصئون کتاب ہے۔ نوع انسان کے حالات و ضروریات کی مسلسل تبدیلیاں مختلف ملکوں کی آب و ہوا، ضروریات زندگی، معاشرت اور تمدن کا اختلاف، اقوام و قبائل کا عروج و زوال وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ اس ہدایت نامہ کی اہمیت و ضرورت کو کسی وقت کسی جگہ اور کسی حالت میں بھی کم نہیں کر سکتیں اور قرآن مجید آج تک کسی قوم کسی ملک اور کسی زمانہ میں بھی اپنے منصب رہنمائی میں عاجز و درماندہ ثابت نہیں ہوا۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کے اندر بعض آیات ایسی بھی ہوں کہ اپنے مفہوم و مطالب کے اعتبار سے عام نگاہوں میں ان کا کوئی ایک ایک مفہوم محدود و متعین نہ کیا جا سکے۔ ایسی آیات کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں متشابہات ہے۔ ان متشابہات کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور ان کا تعلق کسی صوم عمل، اصولی عقیدہ اور اصولی مسئلہ سے بھی نہیں ہے۔ ان آیات سے عموماً فروعی اور ذوقی مسائل متعلق ہوا کرتے ہیں۔ ان کا ہمیشہ غیر متشابہ (محکمات) کے ماتحت رکھنا یعنی محکمات کی روشنی میں ان کے معانی متعین کرنا از بس ضروری ہے یہی متشابہ آیات ہیں جو مذکورہ تغیرات سے پیدا شدہ ضرورتوں کے وقت حسب موقع اور حسب ضرورت مناسب رہبری کرتی رہتی ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ ایک آیت جو متشابہات میں داخل سمجھی جاتی تھی کسی زمانہ میں حالات و واقعات نے اس کو محکم آیات میں شامل کر دیا۔ یعنی اس کا مفہوم نہایت روشن اور نمایاں طور پر سب کے سامنے آکر قطعی اور یقینی ہو گیا۔ ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ ایک آیت کسی زمانے میں محکم سمجھی جاتی تھی مگر آئندہ کسی وقت بعض حالات و واقعات نے رونما ہو کر اس آیت کے متشابہ ہونے کی طرف توجہ دلا دی اور وہ متشابہ آیات میں شمار ہونے لگی اسی لئے قرآن مجید نے آیات کی محکم و متشابہ دو قسمیں تو بتا دیں لیکن ان کی تعداد الگ الگ محدود و متعین نہیں کی۔

قرآن مجید پر جس قدر غور و تدبر کیا جائے جس قدر اس کو زیادہ پڑھا جائے اسی قدر زیادہ لطف حاصل ہوتا اور عقل و خرد کو تقویت و روشنی میسر ہوتی ہے لہٰذا خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید پر غور و تدبر کرتے رہنے کی بار بار تاکید فرمائی اور قرآن مجید کے بار بار پڑھتے رہنے کا حکم دیا اور اس کا نام قرآن یعنی بار بار پڑھے جانے کی قابل کتاب رکھا ہے۔

قرآن مجید کی قریباً ہر زمانے اور ہر اسلامی ملک میں تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ ہر ایک تفسیر جس زمانے اور جس ملک میں لکھی گئی وہ عموماً اس زمانے اور اس ملک والوں کے لئے مناسب اور مفید چیز ثابت ہوئی کیونکہ مفسر کے سامنے اپنے ہی ملک اور اپنے ہی زمانے کی ضروریات تھیں اور اس کے غور و تدبر کا دائرہ انھیں ضروریات کے حسب حال تھا۔ جس طرح ہر پیش آمدہ ضرورت کے لئے قرآن مجید پر تدبر کرنا موجب انجاح حاجت ثابت ہوا اسی طرح پیش آئندہ ضرورتوں کے لئے بھی تدبر فی القرآن ہی سے کافی و وافی ہدایت حاصل ہوتی رہے گی خدائے تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کو ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا اور خدائے تعالیٰ کی کتاب کے

سوا کوئی دوسری کتاب اس صفت عالیہ سے متصف بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

پرانے مفسروں کی لکھی ہوئی تفسیر کی کتابوں اور اُن کے ماخوذ مطالب ومعانی کو قرآن مجید کے اصل الفاظ کی طرح ناقابل تبدیل سمجھکر کسی اضافہ یا تنقید کو ناجائز سمجھنا گویا تدبر فی القرآن کے دروازہ کو مقفل کرنا اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے عجز فیض و برکات کو محدود و متعین کرکے لوگوں کو قرآن مجید کی طرف سے غافل اور بے پرواہ بنا دینا ہے جو لوگ تقلیداً یا دوسرے جذبۂ مستور مہ سے متاثر ہیں وہ اپنے کسی پرانے مولوی یا پیر یا بزرگ کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف بلکہ اُس تفسیر سے زائد کوئی ایسی نئی بات جو نئی پیش آمدہ ضرورت کو پورا کرنے والی ہو اور غور و تدبر کے بعد کسی کی سمجھ میں آئی ہو سننا پسند نہیں کرتے اور اپنے پرانے مفسر کی کسرِ شان اور بے عزتی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بات قرآن مجید کی مجموعی تعلیم۔ قرآن مجید کی زبان۔ محاوراتِ عرب۔ قرآن مجید کے سیاق عبارت۔ اصول اسلام اور سنت رسول اللہ کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ قرآن مجید کی شان عظمت پر دال اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا ایک ثبوت ہوتی ہے۔

قرآن مجید پر فکر و تدبر کرنے میں سب سے زیادہ اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے سمجھنے میں خود قرآن مجید ہی سے مدد لی جائے۔ پھر سنت ثابتہ اور احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھا جائے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوا اور آپ ہی ذریعہ امت کو پہنچا آپ نے جس آیت کا جو مفہوم متعین فرما دیا وہ یقیناً سب سے بہتر اور منشائے الٰہی کے عین موافق ہے جس میں چون وچرا کی مطلق گنجائش نہیں۔ قرآن مجید پر تدبر کرنے اور اس کے مفہوم و مطالب تک پہنچنے کے لئے اصول تفسیر کی کتابوں میں ضروری ہدایات علماء نے نہایت مفصل اور مدلل طور پر بیان فرما دی ہیں۔ اور انھیں کتابوں میں تفسیر بالرائے کی حقیقت جس کی احادیث میں مذمت بیان کی گئی ہے تفصیلی طور پر مذکور ہے تفسیر بالرائے اور تدبر فی القرآن کے امتیاز اور حدود فاصل کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

اس لطیف نکتہ کا بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان نہیں فرمائی خلفائے راشدین سے بھی پورے قرآن مجید کی تفسیر منقول و مروی نہیں۔ ائمۂ مجتہدین میں سے کسی امام سے پورے قرآن مجید کی تفسیر منقول و مدون اور محفوظ و موجود نہیں۔ فقہ۔ حدیث۔ تصوف۔ علم کلام۔ علم فرائض وغیرہ کے اماموں میں جو امام کسی خاص اسلامی گروہ کے پیشوا و مقتدا اور صاحب جماعت مذہب کہلاتے ہیں اُن میں سے کسی کو بھی قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور جن لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں چاہے وہ کیسے ہی محترم اور واجب التکریم کیوں نہوں اُن میں سے کوئی بھی کسی گروہ اور کسی مسلک یا مذہب کا پیشوا و مقتدا نہیں مانا گیا۔ یہ قدرتی اہتمام درحقیقت آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] کی ایک نمایاں صداقت ہے

[1] سورۃ الحجر۔ رکوع ۱۔

چونکہ خدائے تعالیٰ کو قرآن مجید کی ہر ایک اعتبار سے حفاظت منظور تھی لہٰذا اُس نے تدبر فی القرآن کی سہولت اور موقع کو کسی وقت ضائع نہیں ہونے دیا۔ مثلاً اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ یا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کی کوئی ایسی ہی تفسیر لکھ جاتے جیسی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھ گئے ہیں تو شافعیوں یا حنفیوں یا سہروردیوں یا چشتیوں میں سے ہر ایک شخص اپنے امام کی لکھی ہوئی تفسیر کے ایک ایک لفظ کو سراسر درست و راست اور ناقابل تردید سمجھکر اور قرآن مجید میں غور و تدبر کرنے سے فارغ و مطمئن ہوکر شاید تدبر فی القرآن کو گناہ عظیم قرار دیتا اور اس طرح اپنے امام کی لکھی ہوئی تفسیر کے مقابلہ میں قرآن مجید ان لوگوں کی نگاہ میں ایک غیر ضروری اور ناقابل التفات حیثیت ہوکر رہ جاتا۔ فتدبروا۔



بابِ ہشتم

قرآن اور تفسیر قرآن

قرآن فہم انسان کیلئے آسان کتاب ہے

مسلمانوں میں جس طرح اور بہت سے غلط اور غیر اسلامی عقیدے اسلامی جامہ پہنکر داخل ہو گئے ہیں اسی طرح ایک یہ خیال نہ صرف جاہلوں بلکہ اکثر پڑھے لکھے اور عالم کہلانے والے لوگوں میں بھی شائع ہو کر راسخ ہو چکا ہے کہ قرآن مجید کا سمجھنا یعنی عربی زبان جاننے اور قرآن مجید کے الفاظ کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی آیاتِ قرآنی کے مطالب سے واقف ہو کر قرآن مجید سے فائدہ اٹھانا بیحد دشوار بلکہ غیر ممکن ہے اور کوئی بہت ہی بڑا جید عالم جو تمام بڑی بڑی تفسیروں کا بالاستیعاب مطالعہ کر چکا ہو مشکل ہی سے کسی آیت کے صحیح مفہوم سے آشنا ہو سکتا ہے۔ متوسط درجہ کے مولوی یا کسی عام پڑھے لکھے شخص کا کیا حوصلہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب سمجھ سکے اور کسی عقیدہ کی تائید و تردید میں کوئی آیت پیش کر سکے۔ اس غلط اور گمراہ کن عقیدہ کی ہمہ گیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب لوگوں کو کسی مسئلہ کی نسبت تحقیق کرتے ہوئے قرآن مجید کی کسی آیت کے تلاش کرنے کا خیال نہیں آتا۔ ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسے مذہبی ادارات قائم ہیں جہاں روزانہ بکثرت استفتے آتے اور ان پر فتوے لکھے جاتے ہیں۔ ان ہزارہا فتووں میں جو ہر ہفتے مفتیوں کے قلم سے صادر ہوتے ہیں مشکل کوئی ایک یا دو فتوے تلاش کئے جا سکتے ہیں جن میں قرآن مجید کی کسی آیت کا کوئی حوالہ موجود ہو ورنہ عام طور پر فقہی کتابوں کے حوالوں پر فتووں کی بنیاد قائم کی جاتی ہے۔ گویا ان کتابوں ہی کو قرآن مجید کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا حکم تھا کہ اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو لیکن اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر صرف اللہ اور رسول سے فیصلہ کراؤ یعنی قرآن و حدیث کو حکم بناؤ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ (النساء رکوع ۸)

یہ بات آج کل کسی سے پوشیدہ نہیں کہ کسی اختلافی مسئلہ کی نسبت اگر مفتیوں سے فتوے حاصل کیا جاتا ہے تو اس فتوے میں کنز۔ قدوری۔ عالمگیری وغیرہ کے حوالے اور الفاظ تو موجود ہوتے ہیں لیکن نہیں ہوتا تو قرآن و حدیث ہی کا کوئی حوالہ اور تذکرہ نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ نجیب آباد کی جامع مسجد میں نماز عشاء کے وقت کسی شخص نے دوسرے نمازیوں کی موجودگی میں مجھ سے کوئی بات دریافت کی

میں نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھکر سنادی اور ایک حدیث (جس کے الفاظ مجھکو صحیح طور پر یاد نہ تھے) کا مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کر دیا۔ دوسرے روز اتفاقاً کسی نے پھر کوئی بات دریافت کی اور میں نے اُس روز بھی اسی طرح جواب دیا۔ تیسرے روز اُن نمازیوں میں سے ایک دوست میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ فلاں صاحب تیری نسبت بُرا خیال ظاہر کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اُن کا خیال صحیح ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے مجھکو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ فرمانے لگے کہ اُن کے بدعقیدہ ہونے کا سبب سُننے کے قابل ہے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ انھوں نے فرمایا کہ گذشتہ دو روز تجھ سے مسجد میں بعض باتیں پوچھی گئیں اور تو نے دونوں مرتبہ قرآن اور حدیث کے حوالوں سے جواب دیا۔ بس یہی چیز اُن کو زیادہ ناگوار گذری چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہر ایک بات کے جواب میں قرآن اور حدیث ہی کو لے بیٹھنا اور کسی امام یا کسی فقہ کی کتاب یا کسی بڑے بوڑھے پرانے مولوی کے قول کا حوالہ نہ دینا بڑی معیوب بات اور انتہا درجہ کی گستاخی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں مفتی نہیں ہوں جو کچھ مجھکو معلوم تھا معمولی طور پر جواباً عرض کر دیا تھا۔ انھوں نے غلطی سے مجھکو مفتی سمجھ لیا ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کو پڑھا اور سمجھ ہی نہیں سکتے وہ تو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جو پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں اُنھوں نے یہ کہکر کہ قرآن مجید کو ائمہ مجتہدین اور پرانے مفسرین ہی خوب سمجھ سکتے تھے اور اُن بزرگوں کی سمجھی ہوئی باتوں میں کوئی اضافہ یا ترمیم مقبول نہیں تدبر فی القرآن ہی سے عملاً انکار اور رائے وقیاس کے ذریعہ ترتیب دئے ہوئے فتووں کے مقابلہ میں قرآن مجید کو معناً بیکار قرار دیدیا اور اس طرح امت مسلمہ نے قرآن مجید سے دوری و مہجوری اختیار کر لی۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (الفرقان رکوع ۳)	اور آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میری امت نے اس قرآن کو مہجور (اپنے آپ سے دور کیا ہوا) قرار دے لیا۔

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں خود قرآن مجید کی نسبت فرماتا ہے کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (سورۃ القمر رکوع ۱)	اور ہم نے قرآن مجید کو لوگوں کے نصیحت حاصل کرنے کے لئے بہت ہی آسان کر دیا ہے پس کوئی ہے جو نصیحت یاب ہو۔

سورۂ قمر میں اس آیت کو صرف ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اور بغرض تاکید تکرار فرمایا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (سورۃ مریم رکوع ۶)	پس اے رسول ہم نے اس قرآن کو تیری زبان یعنی عربی زبان میں اس لئے آسان کر دیا ہے کہ تو اس قرآن کے ذریعہ متقی لوگوں کو خوشخبری

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝
(زمر - رکوع ۳)

سُنائے اور جھگڑالو لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے۔
اور ہم نے لوگوں کے سمجھنے کے لئے اس قرآن میں تمام اقسام کی مثالیں بیان فرما دی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں یہ قرآن صاف اور سلیس عربی زبان میں ہے اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تاکہ لوگ اس کو سمجھ کر خدا سے ڈریں۔

اسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے بلا اشتباہ ثابت ہے کہ جو شخص سمجھنے کی کوشش کرے اس کے لئے قرآن مجید کا سمجھنا دشوار نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے اور اسی لئے خدائے تعالیٰ نے ہر شخص کو قرآن مجید میں تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (سورۂ عنکبوت - رکوع ۷)

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید فرماتے ہیں

حضرت سیدنا و مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں کیا خوب فرماتے ہیں کہ۔

"اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول ؐ کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کو بڑا علم چاہیئے ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بزرگوں کا کام ہے سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں سو یہ بات بہت غلط ہے اس واسطے کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں ان کا سمجھنا مشکل نہیں چنانچہ سورۂ بقر میں فرمایا وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ (بقر - رکوع ۱۲) اور بیشک اتاریں ہم نے طرف تیرے باتیں کھلی اور منکر اس سے وہی ہوتے ہیں جو بے حکم (نافرمان) لوگ ہیں) یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں بلکہ ان پر چلنا مشکل ہے اس واسطے کہ نفس کو حکم برداری کسی کی بری لگتی ہے۔ سو اس لئے جو لوگ بے حکم ہیں وہ ان سے انکار کرتے ہیں اور اللہ و رسول کا کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہیے کیونکہ پیغمبر تو ناداں وں کے راہ بتانے اور جاہلوں کے سمجھانے کو اور بے علموں کے علم سکھانے کو آئے تھے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (اور اللہ وہ ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے اُنکو کتاب اور عقل کی باتیں اور بیشک تھے وہ پہلے سے صریح گمراہی میں) یعنی یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اُس نے ایسا رسول بھیجا کہ اُس نے بے خبروں کو خبردار اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقلمند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر سو جو کوئی یہ آیت سُن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور اُن کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا سو اُس نے اس آیت کا انکار کیا ہے اور اس نعمت کی قدر نہ سمجھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جاہل لوگ ان کا کلام سمجھکر عالم ہو جاتے ہیں اور گمراہ لوگ اُن کی راہ چلکر بزرگ بنجاتے ہیں۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار پھر کوئی شخص اُس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جا اور اُس کا علاج کرا اور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اُس کے پاس جانا اور اُس سے علاج کرانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے مجھ سے کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ میں سخت بیمار ہوں سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کرتا ہے اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں ہی کا علاج کرے اور انھیں کو اسکی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کاہے کا۔ غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اُس کو اللہ و رسول کا کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہیئے اور جو بہت گنہگار ہو اُس کو اللہ و رسول کی راہ پر چلنے میں زیادہ کوشش چاہیئے سو یہ ہر خاص و عام کو چاہیئے کہ اللہ و رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اُسی کو سمجھیں اور اُسی پر چلیں اور اُسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں"۔ انتہی کلامہ۔

تفسیریں کس طرح لکھی گئیں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں قرآن مجید کو لوگ پڑھتے۔ سمجھتے اور نصیحت یاب ہوتے رہے۔ قرآن مجید کے بعض بعض الفاظ یا بعض آیات کے متعلق کسی قدر تشریحی جملے بھی حسب ضرورت قرآن شریف پڑھاتے وقت شاگردوں کو زبانی سنا دیئے جاتے تھے لیکن اُن لوگوں کو نہ کسی مرتب و مدون تفسیر کی ضرورت پیش آئی نہ کوئی تفسیر لکھی گئی۔ صحابہ کرامؓ میں اس قسم کے تشریحی الفاظ یا تشریحی جملے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ فرمائے لیکن نہ انھوں نے اُن تشریحی یا تفسیری جملوں کو لکھا نہ اُن کے زمانہ میں اُن کا کوئی شاگرد اُن لفظوں اور جملوں کو قید تحریر میں لایا۔ تابعین کو بھی قرآن مجید کے ساتھ کسی تفسیر کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ تبع تابعین کے زمانہ

ہیں جب کہ عجمی نومسلموں کی کثرت ہوگئی تھی اور عربی زبان نہ جاننے والی قومیں اسلام میں بہت زیادہ داخل ہونے لگیں جو عربی تمدن۔ عربی معاشرت۔ عربی ادائے بیان۔ عربی استعارات۔ عربی ضرب الامثال اور قریشی خصائل سے ناواقف تھیں تو تعلیم قرآن کے لئے مذکورہ تفسیری جملوں میں اور زیادہ وسعت ضروری سمجھی گئی اور ان کو کتابوں اور یادداشتوں کی صورت میں لوگوں نے لکھنا شروع کیا اور ان کتابوں اور یادداشتوں کا مرتب و مدون کرنا ایک مستقل فن قرار پایا جس کا نام تفسیر القرآن رکھا گیا۔ قرآن مجید کی ان تفسیروں کے لکھنے والے ابتدائی مفسروں میں روح بن عبادہ وکیع بن جراح۔ سفیان بن عیینہ۔ ابی بکر بن ابی شیبہ۔ اسحق بن راہویہ وغیرہ قابل تذکرہ ہیں لیکن ان لوگوں کی تفسیریں یا یوں کہئے کہ تفسیری یادداشتیں نہایت مختصر اور حجم یا ضخامت میں قرآن مجید سے ہرگز زیادہ نہ تھیں۔ تابعین کے ان شاگردوں نے اپنے استادوں کے اقوال اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی روایتیں خاص خاص آیتوں کی نسبت لکھ لی تھیں۔ ان روایتوں میں سب سے زیادہ روایتیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تھیں جو ان کے تلامذہ مجاہد رحمۃ۔ سعید رحمۃ۔ طاؤس رحمۃ۔ عکرمہ رحمۃ عطاء وغیرہ کے ذریعہ سنی گئی تھیں۔ اس قسم کی تفاسیر نہایت ضروری تھیں اور ان سے قرآن مجید کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن جب نسلی و خاندانی عصبیت کی لعنت نے بیدار ہوکر بہت سے ملحدوں کو اسلام کے چشمۂ صافی میں کدورت پیدا کرنے کا موقع دیا اور انواع و اقسام کے الحادی فرقے پیدا ہوئے اور شریر لوگوں نے جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر آنحضرت صلعم سے منسوب کرنے کی ملعون حرکت شروع کی تو اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی بہت سی تفسیری روایتیں وضع کرکے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منسوب کردی گئیں۔ اور اس طرح فہم قرآن سے لوگوں کو جدا رکھنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ کچھ مدت بعد مفسرین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی کہ اس نے تفسیری جملوں اور تشریحی عبارتوں کی اسناد کو ترک کرکے ہر کس و ناکس کے اقوال کو بلا اسناد درج کرنا اور تفسیروں کی ضخامت کو بڑھانا شروع کردیا جس کسی نے جو بات کسی سے سنی وہی اپنی تفسیر میں درج کردی۔ اس طرح تفسیر کی کتابیں جھوٹی اور سچی۔ غلط اور صحیح باتوں کا ملغوبہ بن گئیں اور صحیح بات کا غلط بات سے امتیاز کرنا دشوار ہوگیا۔ ان مفسرین کے بعد کی نسل نے آباؤ اسلاف پرستی کے جذبہ سے متاثر ہوکر اور یہ سمجھ کر کہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے خوب جانچ پرتال کے بعد ہی لکھا ہوگا اور ان سے غلطی ہرگز نہیں ہوسکتی تھی ان تفسیروں ہی کو مدار ثبوت اور سند گردان کر ان تفسیروں میں لکھی ہوئی ہر ایک بات کو صحیح یقین کرکے اس کے صحیح ثابت کرنے کی کوشش شروع کردی اور دلائل کی فراہمی میں مصروف ہوگئے۔ اس طرح آبا پرستی کی لعنت اور اکابر پرستی کی نحوست نے ان تفسیروں میں الجھا کر قرآن مجید کی طرف سے لوگوں کو بالکل غافل اور بے پروا کردیا۔ اس کے بعد متاخرین میں ایسے مفسر پیدا ہونے شروع ہوگئے کہ انھوں نے قرآن مجید کے اصل مقصد ہدایت اور تہذیب نفس انسانی کو بالکل

فراموش کر کے اپنے ذوق کی موافق آیاتِ قرآنی کو عجیب عجیب باتوں پر محمول کرنا شروع کر دیا چنانچہ ان تفسیروں میں بعض ایسی تفسیریں موجود ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے سارے کا سارا قرآن علمِ نحو کی تعلیم و تکمیل کے لئے نازل کیا ہے اور اس سے بڑھکر کوئی دوسرا مقصد نزولِ قرآن کا نہ تھا۔ بعض تفسیروں میں شروع سے لیکر آخر تک ہزارہا عجیب و غریب کہانیاں اور قصے موجود ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ہر ایک آیت ایک حکایت یا کہانی کا عنوان ہے۔ بعض مفسروں نے سارے کے سارے قرآن مجید کو اپنے امام کے مخصوص فقہی مذہب کی تائید کے لئے ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی گویا یہی ایک غرض تھی کہ وہ اُن امام صاحب کے قیاس اور رائے کی تائید کر کے اُس کو درست ثابت کر دے۔ بعض مفسروں نے اپنی تفسیروں میں فلاسفہ اور حکمائے یونان کے اقوال کا انبار فراہم کر دیا۔ بعض نے ساری طاقت اسی کوشش میں صرف کر دی ہے کہ ہر آیت کے ذیل میں کوئی عجیب و غریب اور حیرت انگیز بات ضرور ہی درج ہو۔ غرضیکہ تفسیر القرآن کو بازیچۂ اطفال بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا گیا۔ سب سے زیادہ قابلِ تعریف اور مستحقِ تحسین و آفرین وہ مفسر سمجھا جاتا ہے جس کی تفسیر سب سے زیادہ ضخیم اور جسیم ہو۔ بعض تفسیریں کئی کئی سو جلدوں تک طویل ہو گئی ہیں اور اُن کے لکھنے والوں کی سب سے بڑی خوبی یہی قرار دی جاتی ہے کہ اُنھوں نے اتنی بڑی تفسیر لکھی کہ جس کا اول سے آخر تک ایک مرتبہ مطالعہ دس برس میں بھی ختم نہ ہو سکے۔ خدائے تعالیٰ تو قرآن مجید کی نسبت فرماتا ہے کہ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ حٰم سجدہ۔ رکوع ۱۔ (کتاب یعنی قرآن مجید کی آیتیں سمجھدار لوگوں کے لئے عربی زبان میں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں) لیکن ہمارے مفسروں نے ان مفصل آیاتِ قرآنی کی تفصیل و تشریح میں وہ کمال دکھایا کہ قرآن مجید نظروں سے اوجھل اور تفسیر القرآن کا کوہِ ہمالہ قرآن مجید کی جگہ قائم و استوار ہو گیا۔ اکثر تفسیریں ایسی نظر آتی ہیں کہ اُن میں اور سب کچھ موجود مگر صرف قرآن مجید کی تفسیر ہی مفقود ہے جب تفسیر القرآن کے نام سے ہزارہا کتابیں تیار ہو گئیں تو پھر ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے حواشی کے نام سے ان تفسیروں کی تفسیریں لکھنی شروع کر دیں جیسا کہ ملا عوض نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ چالیس جلدوں میں لکھا۔

حکایت کئی سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ مجھ سے ایک دوست نے دریافت کیا کہ اردو زبان میں قرآن مجید کا سب سے اچھا ترجمہ کونسا ہے میں نے کہا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ۔ فرمانے لگے کہ تو نے مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ مولوی نذیر احمد۔ مرزا حیرت۔ مولوی فتح محمد خاں جالندھری۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی۔ مولوی اشرف علی تھانوی۔ مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی۔ مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی وغیرہ کے لکھے ہوئے اردو ترجمے میں نے دیکھے ہیں جن سب کی زبان شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی

نسبت زیادہ صحیح اور سلیس ہے لیکن میں شاہ رفیع الدین صاحب ہی کے لفظی ترجمہ کو سب سے زیادہ نفع رساں یقین کرتا ہوں۔ پھر انھوں نے دریافت کیا کہ اردو تفسیروں میں سب سے بہتر کونسی تفسیر ہے میں نے کہا شاہ عبدالقادر صاحب کی موضح القرآن۔ ان کو معلوم تھا کہ میرے پاس نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم مغفور کی اردو تفسیر ترجمان القرآن بھی موجود ہے۔ فرمانے لگے کہ کیا موضح القرآن کو تو ترجمان القرآن سے بھی بہتر سمجھتا ہے۔ میں نے کہا ہاں موضح القرآن کو ترجمان القرآن پر فضیلت حاصل ہے اور اگر کوئی ایسی تفسیر ہے جو موضح القرآن سے بھی زیادہ مختصر ہو تو میں اس کو موضح القرآن سے بہتر سمجھونگا۔ فرمانے لگے کہ کیا صرف مختصر ہونے کی وجہ سے بہتر سمجھےگا میں نے کہا ہاں اس کا مختصر ہونا ہی ایسی خوبی ہوگی کہ میں اسکو دوسری بڑی بڑی تفسیروں کے مقابلہ میں بہتر تسلیم کرونگا کیونکہ تفسیر جس قدر زیادہ ضخیم اور طویل ہوگی اسی قدر قرآن مجید سے زیادہ دور کر دے گی اور جس قدر مختصر ہوگی قرآن مجید سے قریب تر رکھے گی اور قرآن مجید جس قدر ہم سے قریب ہوگا اسی قدر ہم کو بہکنے اور غلط راستہ اختیار کرنے سے بچائے گا۔

غلطی سے لوگوں نے تفسیروں کی طولانی داستانوں کے مطالعہ کرنے کو تدبر فی القرآن سمجھ رکھا ہے حالانکہ تفسیروں کا مطالعہ کرنے وقت وہ مفسر کے مقلد و معمول ہوتے اور ایک آیت کی تفسیر مطالعہ کرتے وقت خود قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے روشنی حاصل کرنے اور اپنے فہم و تدبر کو کام میں لانے کا مطلق موقع نہیں پاتے۔ قرآن مجید میں تدبر کرتے وقت نحو کی کوئی معمولی اور نہایت سلیس کتاب۔ مفردات راغب۔ نجوم القرآن۔ حدیث کی کسی کتاب کے ابواب تفسیر القرآن موجود ہوں اور روزانہ بلا ناغہ قرآن کی منزل تلاوت کرنے اور ہر مشکل کے وقت خدائے تعالیٰ سے دعائیں مانگنے اور مدد طلب کرنے کی عادت ہو تو پھر بہت ہی کم کسی تفسیر کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور قرآن مجید سے بہت کچھ وہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کے لئے قرآن مجید نازل ہوا ہے اس سے پہلے بھی اسی کتاب کے کسی باب میں اس قسم کے اشارات درج ہو چکے ہیں۔

تفسیروں میں اسرائیلیات کی کثرت

آج کل آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح جب واعظوں کی زبان سے سننے یا وعظ و تذکیر کی کتابوں اور رسالوں میں مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو واہی لاطائل اور دور از کار حکایات اسرائیلیات کا ایک دفتر سامنے کھل جاتا ہے۔ ان اسرائیلیات کو مزے لے لے کر سنایا جاتا مزے لے کر سنا جاتا اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانے کے واعظوں نے مسلمانوں کو قرآن مجید کی آیات کے مطالب اس طرح سنائے کہ قرآن مجید سے دوری و مہجوری اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ یہودی و نصرانی نومسلموں نے اسلام میں داخل اور علمائے اسلام میں شامل ہو کر جب تفسیریں لکھنی شروع کیں تو نیک نیتی سے نادانستہ یا بدنیتی سے دانستہ طور پر اس بات کی کوشش کی کہ جس طرح ممکن ہو طالمود کی روایتوں۔ اسرائیلی انبیاء اور اسرائیلی اقوام سے تعلق رکھنے والی

جھوٹی سچی کہانیوں کو قرآن مجید کی کسی نہ کسی آیت پر ضرور چسپاں کر دیں۔ ان اسرائیلیات کا دفتر بے معنے اگرچہ خورد ہو کر معدوم ہو چکا تھا لیکن قرآن مجید کی مذکورہ تفسیروں میں داخل ہو کر وہ مرا ہوا سانپ آج تک مسلمانوں کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے اور نا عاقبت اندیش مولویوں یعنی عالم نما جاہلوں نے ان اسرائیلیات کو کلام الٰہی کا مرتبہ دیکر خود قرآن مجید ہی کو شرکیہ عقائد کا موید ظاہر کرنے اور آیات قرآنی کے غلط معانی متعین کرکے شرک و بدعت کی تائید میں پیش کرنے کی حرکت ملعونہ سے مطلق پرہیز نہیں کیا ہے۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند ۔۔ سعدی از دست خویشتن فریاد

قرآن مجید اور دنیوی عروج و زوال

دنیا عام طور پر لفظ دنیا کے مفہوم میں انسان کی موجودہ زندگی اور اس موجودہ مشہود عالم کی ہر ایک وہ چیز شامل سمجھی جاتی ہے جس سے انسان اس موجودہ زندگی میں متمتع ہوتا یا ہو سکتا ہو یا کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً زمین۔ باغات۔ اموال و زر۔ اسباب و عمارات۔ زن و فرزند فوج و لشکر۔ حکومت و سلطنت۔ لباس و زینت۔ حسن صورت جسمانی قوت۔ ماکولات و مشروبات سیر و سفر۔ گھوڑے۔ گاڑیاں اور مختلف اقسام کی سواریاں۔ تجارت۔ زراعت۔ صنعت و حرفت وغیرہ اور ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار میں لفظ دنیا انھیں معانی میں استعمال ہوا ہے اور قرآن مجید میں حسنات دنیا کے حاصل کرنے کی ترغیب موجود ہے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ (ص۔ رکوع ۳)

سلیمانؑ نے دعا مانگی کہ اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھکو ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی دوسرے کو ایسی سلطنت نہ مل سکے اور اے خدا تو تو بڑا بخشش فرمانے والا ہے چنانچہ ہم نے ہوا کو اس کا مسخر بنا دیا جہاں وہ پہنچنا چاہتا اس کے حسب منشا ادھر ہی کو نرمی سے چلتی اور معمار و غوطہ خور شیاطین کو بھی اس کا محکوم بنا دیا علاوہ ازیں کچھ ایسے سرکش بھی تھے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے مقید تھے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

اور سلیمانؑ کے روبرو ان کے لشکر جو جنوں آدمیوں

وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ (النمل - رکوع ۲)	اور پرندوں پر مشتمل تھے جمع کر کے پیش کئے جاتے تھے۔
وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۝ (ص - رکوع ۲)	ہمارے بندے داؤد کے حالات پر غور کرو جو صاحب قوت تھا۔
وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (ص - رکوع ۲)	اور ہم نے داؤد کی سلطنت کو بہت مضبوط بنا دیا تھا اور اس کو حکمت اور بحث طلب امور میں فیصلہ کرنے کی قابلیت عطا کی تھی۔
وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (الاعراف - رکوع ۱۲)	اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور متقی بنجاتے تو ہم اُن پر برکات کے دروازے آسمان کی طرف سے بھی اور زمین کی طرف سے بھی کھول دیتے لیکن انھوں نے تو ہمارے رسولوں کی تکذیب کی لہذا ہم نے اُن کو اُن کی اس بد اعمالی کے سبب سزا دی۔
وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ۚ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ - رکوع ۹)	اور اگر یہ اہل کتاب توریت و انجیل اور اُن تمام ہدایت ناموں کو جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئے قائم رکھتے یعنی ہدایات خداوندی پر عامل رہتے تو وہ ضرور فوق و تحت ہر سمت سے رزق پاتے اور کھاتے اُن میں ایک گروہ تو میانہ رو ہے اور اُن میں سے اکثر بداعمال ہیں۔
وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال - رکوع ۸)	اور مسلمانو! کفار کے مقابلہ کے لئے جہاں تک تم سے ممکن ہو قوت کے ذریعہ اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے ہر قسم کا ساز و سامان تیار رکھو تاکہ خدا کے دشمنوں پر اپنی اس تیاری سے ڈر بٹھائے رہو۔
وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ (القصص - رکوع ۸)	خدا نے جو کچھ تجھ کو دے رکھا ہے۔ اُس میں آخرت کے گھر کا بھی فکر کر اور دنیا میں سے اپنے حصّے کو فراموش نہ کر اور جس طرح

اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو دوسروں کے ساتھ احسان کر۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
(النور - رکوع ۷)

خدائے تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بھی بجا لائے اُن کو ضرور زمینوں کی سلطنت و حکومت عطا کرے گا جیسا کہ اُن سے پہلے لوگوں کو حکومت و سلطنت عطا کی تھی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (الضحیٰ)

اور اے رسول تجھکو تیرے رب نے مفلس پایا تو پھر غنی کر دیا۔

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
(یوسف - رکوع ۷)

یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے کہا کہ مجھکو ملک کے خزانہ پر متعین فرما دیجئے (یعنی وزیر خزانہ بنا دیجئے) کیونکہ میں خزانہ کی محافظت اور اس کام سے واقفیت رکھتا ہوں اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو ملک مصر میں جگہ عطا کی کہ وہ آزادانہ جہاں چاہیں قیام کریں ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیک لوگوں کے اجر کو ضایع نہیں ہونے دیتے۔

یہودیوں پر ذلت و مسکنت کے وارد ہونے۔ فرعون اور فرعونیوں کے غرق اور اپنے خزانوں باغوں اور مکانوں سے بیدخل ہونے۔ بنی اسرائیل کو ارض مقدس کی حکومت کا وعدہ ملنے نافرمان سرکش قوموں کے تباہ و برباد ہونے کے حالات جو قرآن مجید میں بالتفصیل موجود ہیں اُن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کا تنگ ہو جانا اور دنیوی سامانوں کا چھن جانا خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا اور عذاب ہے جس میں نافرمانوں اور سرکش لوگوں کو مبتلا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اعمال نیک کے نتیجے میں دنیوی سامانوں کی افزائش و افراط کا بھی تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ نیز انفاق فی سبیل اللہ کے حسن عمل کی توفیق پانا بھی مال و دولت اور دنیوی سامانوں کی موجودگی پر منحصر ہے۔ لیکن دوسری طرف قرآن مجید میں دُنیا اور دُنیوی سامانوں کی مذمت و تحقیر بھی موجود پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝
(طٰہٰ - رکوع ۸)

اور اے رسول ہم نے جو ان لوگوں میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو اس دنیوی زندگی کی زیب و زینت کے سامان فائدہ اٹھانے کے

لئے دے رکھے ہیں تو اُن کی طرف للچائی ہوئی نظر بھی نہ ڈال۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ۔ (الھمزہ ۱)

تباہی ہے ہر ایک عیب چین چغلخور کے لئے جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا اور یہ سمجھا کہ یہ مال اُس کے لئے ہمیشہ رہے گا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط (انعام - رکوع ۴)

اور اس دُنیا کی زندگی کھیل اور تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں اور یقیناً متقیوں کے لئے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آل عمران - رکوع ۲)

لوگوں کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتوں بیٹوں۔ چاندی سونے کے بڑے بڑے ڈھیروں۔ اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی کے ذریعہ اپنی خواہشات کو پورا کریں حالانکہ یہ دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے اور بہترین ٹھکانا تو اللہ کے یہاں ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (شوریٰ - رکوع ۳)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہاں ہو تو ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کر دینگے اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہو تو ہم اُس کو دنیا میں سے کچھ عطا کر دینگے لیکن پھر آخرت میں اُس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (البقرہ - رکوع ۲۶)

کافروں کی نگاہ میں یہ دُنیا کی زندگی دل پسند ہے اور وہ مومنوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں حالانکہ متقی لوگ قیامت کے دن ان کافروں پر فائق اور اعلیٰ مقام پر ہونگے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

جو لوگ دُنیا کی زندگی اور اُس کی زیب و زینت کے خواہاں ہیں ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا معاوضہ اسی دُنیا میں دیدیتے ہیں اور دنیا میں اُن کو کچھ گھاٹا نہیں ہوتا

وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (ھود ۔ رکوع ۲)

یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے سوائے دوزخ کے اور کچھ نہ ہوگا اور اُن کے اعمال اکارت اور جو کچھ اُنھوں نے کیا سب باطل۔

اعتراض کا جواب اور لفظ دنیا کا صحیح مفہوم

مذکورہ بالا دونوں قسم کی آیات میں بعض لوگوں کو توافق و تطابق بعید از قیاس اور دشوار معلوم ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید ایک طرف دنیا کے سامانوں کو بے حقیقت و مذموم قرار دیتا ہے اور دوسری طرف دنیا اور دنیوی زندگی کی راحت رساں چیزوں کو انعام الٰہی بتا کر انکے حصول و وصول کی ترغیب دیتا ہے یہ خدشہ قرآن مجید میں غور و تدبر نہ کرنے اور لفظ دنیا کا اصل مطلب نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔

قرآن مجید اس دنیوی محدود زندگی اور مرنے کے بعد دوسری الی غیر النہایت زندگی دونوں میں انسان کو کامیاب و مقصد ور اور خوش حال و مفلح بننے کی تدابیر سکھاتا ہے۔ اُخروی غیر محدود زندگی کے مقابلہ میں یہ دنیوی محدود زندگی یقیناً بہت ہی کم حیثیت اور بے حقیقت نظر آتی ہے اور اسی لئے بعض دوسرے مذاہب نے دنیوی راحتوں کے حاصل کرنے سے لوگوں کو روکا اور اس دنیوی زندگی کے ہر ایک راحت رساں سامان کو اُس دوسری وسیع زندگی کی راحت کے لئے رکاوٹ قرار دیا ہے جیسا کہ بودھ مذہب کی نفس کشی۔ بعض ہندو فرقوں کا ترک علائق دنیوی کو حسن عمل قرار دینا۔ عیسائیت کی رہبانیت اور خود مسلمان کہلانے والے بعض لوگوں کی چلہ کشیاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن قرآن مجید ہرگز ہرگز اس عقیدہ کا مؤید نہیں قرآن مجید اپنے پیروؤں کو اس دنیا میں بھی کامیاب و معزز و برتر و فرمانبردار رکھنا اور آخرت میں بھی انتہائی عیش و راحت کے مقام میں پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن قرآن مجید اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کرتا کہ یہ دنیوی زندگی اُس اُخروی زندگی کے مقابلے میں کم حیثیت اور آخرت کے مقابلے میں دنیا بے حقیقت ہے۔ نیز قرآن مجید یہ بھی بتاتا اور سمجھاتا ہے کہ اُخروی زندگی اور اُخروی رنج و راحت اسی محدود دنیوی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے یعنی دُنیا ئے عمل یہی محدود زندگی ہے اس صداقت و حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن مجید صرف اُسی جگہ جہاں دُنیوی عیش و راحت اور اُخروی کامرانی میں تضاد و تقابل پیدا ہو جائے دُنیوی سامانوں کو بے حقیقت و مذموم ٹھہراتا اور کسی جگہ دُنیوی راحت کو عیش اُخروی پر فضیلت نہیں دیتا لیکن فکر آخرت کو مقدم رکھتے ہوئے ہر قسم کے دُنیوی ساز و سامان سے متمتع ہونے کی اجازت دیتا اور اس کے لئے بہترین و بلا ضرر مواقع تجویز کرتا ہے۔ قرآن مجید انسانی زندگی کے نصب العین کو دُنیوی راحتوں تک محدود نہ رکھکر فلاح دارین کو اُس کا منتہائے نظر اور مقصود اعلٰی قرار دیتا اور آخرت کی کامیابی کو کسی حالت میں بھی فراموش کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین رکھکر مذکورہ دونوں قسم کی آیتوں اور ان آیتوں کے ماقبل و مابعد کو بھی قرآن مجید میں مطالعہ کرنے سے کوئی تضاد قطعاً باقی

نہیں رہ سکتا۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝[1] (کیا یہ لوگ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے؟ اور اگر قرآن مجید خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا اور خدا کا کلام نہ ہوتا تو ضرور اُس میں بہت سے اختلاف یعنی متضاد باتیں پاتے) مذکورہ بالا حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے مندرجہ ذیل آیات پر بھی ضرور غور کرنا چاہیئے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
(التوبہ۔ رکوع ۳)

اے رسول لوگوں سے کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ۔ تمہارے بھائی۔ تمہاری بیویاں تمہارے کنبے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تم کو ڈر ہے اور مکانات جو تم کو پسند ہیں تمہیں خدا اور رسول اور خدا کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر منتظر رہو کہ خدا تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرمادے اور خدا تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
(البقرہ۔ رکوع ۲۵)

لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو دنیا ہی میں سب کچھ دیدے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی خیر و خوبی عطا کر اور آخرت میں بھی خیر و خوبی مرحمت فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہی لوگ ہیں جن کو اُن کے اعمال کے نتائج ملیں گے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ط هَلْ يَسْتَوٗنَ ۝
(النحل۔ رکوع ۱۰)

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک مملوک غلام ہے جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اس میں سے خفیہ و علانیہ خرچ کرتا ہے۔ بھلا یہ دونوں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

[1] (سورۃ النساء۔ رکوع ۱۱)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف - رکوع ۴)

ان لوگوں سے دریافت کرو کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی پیدا کردہ زیب و زینت کی چیزوں کو اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں کہدو کہ یہ چیزیں (انسانوں کے لئے ہیں مگر) خاصکر قیامت کے دن انھیں لوگوں کے لئے ہونگی جو اس دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہیں۔ اسیطرح ہم اپنی آیات جاننے والوں کیلئے مفصل بیان کرتے ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ○ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِــُٔوْنَ ○ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (الزخرف - رکوع ۳)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی روش اختیار کرلیں گے تو ہم منکرین خدا کے گھروں کی چھتیں اور ان پر چڑھنے کے زینے اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے سب چاندی اور سونے کے بنا دیتے اور یہ سب کچھ اس دنیا کی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہونے کی وجہ سے بے حقیقت ہوتا اور اے رسول آخرت کی حقیقی مقصد وری تو تیرے رب کے پاس متقیوں ہی کے لئے ہے۔

انسان کے اندر مال و دولت اولاد و حکومت وغیرہ سے زینت۔ تفاخر اور تکاثر وغیرہ ذہنی کیفیات جب پیدا ہوجاتی ہیں تو وہ انھیں چیزوں میں لطف حیات اور سرمایۂ لذت دیکھنے لگتا ہے اور انھیں کی قیمت قرآن مجید کرتا ہے نہ نفس متاع دنیا کی قرآن مجید نے جہاں کہیں دنیا اور حیات دنیوی کی تحقیر و مذمت کی ہے وہ حالتوں سے خالی نہیں (۱) یا تو دنیوی زندگی کی اس مجنونانہ سرشاری کی مذمت کی ہے جو ہمیشہ انسان کیلئے طلب مقاصد میں ایک سب سے بڑی روک ثابت ہوئی ہے مثلاً بنی اسرائیل نے کہا فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھاھنا قاعدون (مائدہ ۵ - رکوع ۴) یالذائذ دنیوی کی وہ طلب جس نے عین اس وقت کہ صدیوں کے بعد قومی آزادی و سروری کی راہ اُن پر کھولی گئی تھی اُن سے یہ فرمائش کرائی کہ یاموسیٰ لن نصبر علی طعام واحد (بقر - ۷) یا محبت زن و فرزند کی وہ گیرائیاں جو اوائل اسلام میں کمزوردلوں کو راہ ہجرت و جہاد سے روکتی تھیں زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (آل عمران - ۲) (۲) اور یا پھر دنیوی فراخی و طاقت کے اُس غرور و طغیان کی مذمت کی ہے جو ہمیشہ دنیا میں انسانی ظلم و فساد کا سب سے بڑا باعث رہا ہے۔ واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد (بقرہ - ۲۵) اور ظاہر ہے کہ دنیا

پرستی کی یہ دونوں حالتیں کسی حال میں بھی محمود نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ حیات دنیوی کی ایک صورت وہ ہے جو فکر آخرت سے خالی ہوتی ہے اور ایک وہ جو دونوں پر مشتمل ہوتی ہے فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وما لہ فی الاخرۃ من خلاق؟ ومنھم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ قرآن مجید یقیناً پہلی صورت کی مذمت کرتا اور دوسری صورت کا داعی ہے۔ لفظ دنیا کے قرآنی مفہوم کو مولانا جلال الدین رومی نے ایک شعر میں خوب ادا کیا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

انسان اگر دنیوی ساز و سامان کو مقصود بالذات نہ بنائے بلکہ وصول الی المقصود (اخروی سرفرازی) کا ذریعہ اور آلہ تصور کرے تو اس کے لئے دنیا ہرگز وہ دنیا نہیں ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔ ان دنیوی چیزوں کو مقصود بالذات بنا لینا مذموم ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلفائے راشدین پادشاہت و حکومت کے باوجود رضائے الٰہی اور فکر آخرت سے غافل نہ تھے لہذا ان کی سلطنت و پادشاہت کو وہ دنیا نہیں کہا جا سکتا جسکی قرآن مجید مذمت کرتا ہے۔

اقوام عالم میں مسلم قوم کا صحیح مقام

قرآن مجید چونکہ انسان کو دنیا اور دنیوی ساز و سامان میں مشغول ہو کر آخرت اور حیات اخروی کی فکر سے غافل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا اور قدم قدم پر عواقب و نتائج کی طرف توجہ دلاتا ہے لیں ایک ایسی قوم جو ہمیشہ انجام و نتائج پر نظر رکھنے کی عادی ہو اس کے اعمال و افعال کا غلطی اور برائی سے پاک ہونا ضروری ہے اسی لئے قرآن مجید اپنے متبعین کی نسبت فرماتا ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط (آل عمران۔ رکوع ۱۲)

لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں تم ان سب میں بہترین امت ہو کیونکہ تم اچھے کاموں کا حکم کرتے اور برے کاموں سے لوگوں کو منع کرتے ہو اور خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط (البقرہ۔ رکوع ۱۷)

اور اسی طرح ہم نے تم کو مناسب و معتدل قسم کی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے مقابلہ میں رسول گواہ بنے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا

ان مسلمانوں کو اگر ہم زمین میں پائداری عطا کرینگے یعنی ان کو حاکم بنا دینگے تو یہ نمازیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ
(الحج - رکوع ۶)

پڑھیں گے اور زکوٰۃ ادا کرینگے اور اچھے کاموں کا حکم دینگے اور برے کاموں سے لوگوں کو منع کرینگے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

چونکہ قرآن مجید دنیوی فلاح و اقبال کو اخروی فلاح و کامیابی کے منافی قرار نہیں دیتا لہذا متبعین قرآن کا دنیوی سود و بہبود کے اعتبار سے بحسب ظاہر بھی دوسروں کی نسبت صاحب سبقت ہونا لازمی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
(النور - رکوع ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل بھی اچھے کئے اُن سے خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُن کو زمین میں خلافت یعنی ملک کی حکومت و سلطنت ضرور عطا کرے گا۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ○ (النساء - رکوع ۲۰)

خدائے تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہرگز قابو یافتہ نہ بنائے گا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران - رکوع ۱۴)

پست ہمت نہ ہو اور غمگین بھی نہ ہو اگر تم مومن ہو تو تم ہی برتر و بالاتر رہوگے۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اُس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید اپنے پیروؤں کو دنیا میں خوار و ذلیل و محکوم و غلام بنا کر نہیں رکھنا چاہتا بلکہ اُس کو ہر قسم کی دنیوی برتری و فضیلت عطا کرکے دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ اور ہادی اور خلیفہ یعنی ملکوں پر فرماں روا اور قیام حق کے لئے زمین پر متمکن بنانا چاہتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط اور نادرست ہے کہ قرآن مجید اور اسلام نے خود مسلمانوں کو دنیا میں محکوم و ذلیل اور مفلس و تباہ حال رکھنا تجویز کیا ہے۔ قرآن مجید نے تو ذلت و مسکنت کو خدا کے غضب اور عذاب الٰہی کی نشانی ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی نسبت فرماتا ہے کہ

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْا
(آل عمران - رکوع ۱۲)

جہاں کہیں وہ پائے جائیں ذلت اُن پر وارد ہے۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (آل عمران - رکوع ۱۲)

اور وہ خدائے تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہیں اور افلاس و تنگدستی اُن پر مسلط ہے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
(البقرہ - رکوع ۷)

اور اُن پر ذلت و محتاجی وارد ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی و بربادی کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کو پس پشت ڈال دیا اور تعلیمات قرآنیہ پر عامل نہیں رہے۔

قرآن مجید اور انفرادی واجتماعی مقاصد

ہر انسان کی رفتار وگفتار دوسرا مختلف ہوتی ہے۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ایک ناک۔ ایک منہ اور دوسرے اعضاء اگرچہ سب کو حاصل ہیں لیکن ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں ہر ایک شخص اپنے اپنے چہرہ سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی عادات خصائل جذبات میں بھی اتفاق کے باوجود اختلاف پایا جاتا ہے۔ آب وہوا اور ملکوں کے اختلاف نے بھی نوع انسان کو بہت سے گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ زبانوں کا اختلاف معاشرت کا اختلاف نیکی بدی کا اختلاف جسمانی طاقت کے اعتبار سے اختلاف۔ قوائے دماغیہ وعقلیہ کے اعتبار سے اختلاف۔ غرضیکہ نوعی اتفاق کے باوجود شخصی وانفرادی طور پر کبھی اور قومی وملکی واعتقادی اعتبار سے بھی اختلاف موجود ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ط (البقرہ۔ رکوع ۲۶)

(ابتدائے آفرینش میں سب) لوگ ایک ہی طریق پر تھے پھر جب اُن میں اختلاف پیدا ہوا تو خدائے تعالیٰ نے اُن میں مبشر ومنذر نبی مبعوث کئے اور اُن کے ساتھ سچی کتابیں بھی نازل فرمائیں تاکہ وہ اُن باتوں کا فیصلہ کریں جن میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ط (یونس۔ رکوع ۲)

لوگ ابتدائً ایک ہی طریق پر تھے پھر اُن میں اختلاف پیدا ہوا۔

قرآن مجید دنیا اور نوع انسان کے اس اختلاف کو بخوبی مدنظر رکھتا اور اغراض مخاطبین مکلفین وغیرہ کی حیثیات کے موافق مختلف احکام صادر فرماتا ہے۔ مثلاً کوئی حکم شخصی اصلاح کے لئے ہے۔ تو کوئی حکم جماعتوں اور خاندانوں کی تنظیم وتربیت کے لئے۔ کوئی تدبیر منزل۔ سیاست مدنیہ اور ملکی اصلاح کی غرض سے ہے تو کسی سے اصلاح نفس اور روحانی تہذیب مقصود ہے کسی حکم کے مخاطب عوام ہیں تو دوسرے بہت سے احکام کی مخاطب حاکمہ جماعت ہے۔ کسی حکم کی تعمیل کا مطالبہ اگر اصحاب اموال سے ہے تو کسی کا مطالبہ اہل علم سے ہے۔ کسی حکم کے مکلف اصحاب اموال خطیرہ ہیں اور کسی کی تکلیف ہر ایک عاقل بالغ مستطیع پر ہے۔ غرضیکہ حیثیات مختلف ہیں اور ہر ایک اصلاحی دستور العمل اور ہادی ومصلح کو ان کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشیں رکھکر قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بلا اشتباہ صاف صاف نظر آنے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں انفرادی زندگی کی اصلاح کے لئے بھی احکام وقوانین موجود

ہیں اور جماعتی و قومی سرفرازی حاصل کرنے کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن مجید انسان کی انفرادی زندگی کو نہایت خوبی کے ساتھ اُس مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں ہمدردی۔ ایثار قربانی۔ جفاکشی۔ بہادری۔ اتحاد۔ مصالح جزئیہ پر مصلحت کلی کو ترجیح دینا۔ اطاعت اولی الامر فرض منصبی کو پہچاننا اور پورا کرنا۔ حصول مقصد کے لیے مر مٹنا وغیرہ صفات حسنہ انسان میں حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ ایمان اور اعمال صالحہ اُس کے اندر کامل صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ خود غرضی و نفس پرستی کو بکلی معدوم و فنا کرکے اور اپنے وجود سے بے پروا ہو کر اجتماعی و قومی زندگی کے لئے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں وقف کر دے دنیا میں انفرادی زندگی اُسی وقت خوشگوار اور قابل قدر ہو سکتی ہے جبکہ قومی و اجتماعی کامرانی حاصل ہو جائے لہذا انسان کا انفرادی زندگی کو قومی زندگی کے لئے فنا کر دینے پر آمادہ ہو جانا ہی اُسکی انفرادی زندگی کے لئے سب سے بلند و برتر مقام اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے جس وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے دنیا کی کسی مذہبی کتاب نے اس طرح علمی رنگ میں بیان نہیں کیا۔ قرآن مجید نے بالکل فطری اصول پر انفرادی زندگی کی اصلاح کو اجتماعی زندگی کی اصلاح کا ذریعہ قرار دیکر پھر اجتماعی زندگی کے لئے مخصوص احکام بیان فرمائے ہیں (اس جگہ قرآن مجید کی اُن تمام آیات کا جو مذکورہ مضمون سے تعلق رکھتی ہیں نقل کرنا دشوار ہے اور صرف دو چار آیات کا نقل کرنا گویا مضمون کو ناقص کر کے دکھانا تھا) قرآن مجید حکومت۔ دولت ثروت۔ دنیوی عزت و غلبہ کو قوم کی مشترکہ ملکیت قرار دیتا ہے اور اس سے انکار ہی کسکو ہو سکتا ہے۔ حاکم قوم اور محکوم قوم کا فرق و امتیاز سب کی نگاہوں کے سامنے ہے جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (مائدہ۔ رکوع ۴) کے الفاظ پر غور کرو انبیاء کی نسبت تو "فِيكُمْ" کا لفظ استعمال فرمایا لیکن آگے "جَعَلَ فِيكُمْ مُلُوكًا" نہیں فرمایا کہ "جَعَلَكُمْ مُلُوكًا" فرمایا اور یہ فرمانا اس لیئے ضروری تھا کہ جس قوم کا بادشاہ ہوتا ہے اُس قوم کا ہر فرد گویا بادشاہ بنجاتا ہے۔ اگر افراد علیحدہ علیحدہ اپنے اغراض کو پیش نظر رکھیں اور قومی مشترکہ مقاصد کو نظرانداز کر دیں تو کبھی قوم کو کامیابی و سرفرازی حاصل نہیں ہو سکتی (جیسی کہ آجکل مسلمانوں کی حالت دیکھی جا رہی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون) قرآن مجید نے تو اهدنا الصراط المستقیم۔ ربنا ظلمنا انفسنا ربنا اتنا فی الدنیا۔ ربنا اتنا فی الدنیا۔ ربنا اغفرلنا ذنوبنا۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا وغیرہ دعاؤں میں بھی اجتماعی زندگی کی اہمیت کو فراموش نہیں ہونے دیا۔

آنچہ بر ما است از ما است مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ قوم کا بڑا حصہ نماز روزہ وغیرہ عبادات سے بالکل ہی متنفر اور بے بہرہ ہے۔ جو لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں اُنکی نمازیں محض رسمی اور روزے اکثر اسمی ہیں جن کو جسد بے روح کہنا چاہیئے۔ نہ نمازوں میں خشوع ہے نہ اُن نمازوں میں تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کا کوئی اثر

پایا جاتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں جو لوگ روزے رکھتے ہیں اُن میں تنگ مزاجی۔ تن پروری بزدلی اور بدکلامی تو اکثر نمایاں ہوجاتی ہے لیکن روزہ کی اصل شان بہت کم دیکھی جاتی ہے الا ماشاءاللہ ایثار۔ قربانی۔ بےنفسی۔ قومی نفع کو ذاتی منافع پر ترجیح دینا وغیرہ ضروری صفات کا تو کہیں نام و نشان بھی مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا لیکن حیرت ہوتی ہے کہ انھیں مسلمانوں کی زبان سے بار بار یہ اعتراض سننے کا موقع ملتا ہے کہ ہمارے ساتھ آج کل آیت استخلاف والا وعدہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کیوں پورا نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ آیت استخلاف میں نمایاں طور پر صلاحیت کی شرط موجود ہے اور آج کل کے مسلمانوں میں وہ شرطِ صلاحیت مفقود۔ بعض لوگ اس خدشہ میں مبتلا ہیں کہ وہ کسی ایک یا چند نیک اور پابند شرع عابد زاہد مسلمانوں کو دیکھکر کہتے ہیں کہ یہ لوگ جو پابند شرع اور عبادت گزار ہیں خلیفۃ اللہ فی الارض کیوں نہیں بنجاتے؟ لیکن وہ نہیں سوچتے کہ قرآن مجید نے یہ کہیں نہیں کہا کہ جو شخص احکام اسلامی کا پابند رہوگا وہ انفرادی اور شخصی استحقاق کی بناپر بادشاہ بنجائیگا یا دولتمند ہوجائیگا۔ افراد امت میں سے ہر فرد کی حالت اُس کے احوال و ظروف اور سعی و تدبیر کے مطابق ظہور میں آتی ہے اور اُس کے احکام دوسرے ہیں۔ قرآن مجید نے سلطنت و خلافت کے متعلق جو کچھ کہا ہے اُس کا تعلق اجتماعی و قومی زندگی سے ہے یعنی قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر ایک قوم بحیثیت قوم کے ان اصول واحکام پر عامل ہوگی تو ضروری ہے کہ اُسے قومی عروج و اقبال حاصل ہوجائے اگرچہ منتہائے درجۂ اقبال تک پہنچ جانے کے بعد بھی اُس میں بکثرت افراد مفلس و قلاش ہوسکتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے بعض فضل و انعام ایسے ہوتے ہیں جو افراد پر نہیں بلکہ صرف جماعتوں پر ہی نازل ہوتے ہیں مثلاً اولاد انعامات الٰہیہ میں سے ایک بڑی نعمت ہے لیکن کوئی شخص کسی عورت سے شادی نہ کرے اور حالت تجرد میں رہ کر اولاد کا خواہاں ہو تو چاہے وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا مستحق انعام کیوں نہ ہو اولاد کے انعام الٰہی کو حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ اُس نے اس انعام خاص کی ایک لازمی شرط کو پورا نہیں کیا یا مثلاً کسی فوج کے سپاہی کا رعب عام لوگوں کے دلوں میں اُسی وقت قایم ہوسکتا ہے جبکہ اس فوج کا ہر سپاہی اپنے افسر کا فرمانبردار اور آپس میں ایک دوسرے سے برسر جنگ نہو پس یہ کیسے ممکن ہے کہ من حیث القوم مسلمانوں میں سلطنت و فرمانروائی کی قابلیت و صلاحیت موجود نہ ہو اور وہ خلیفہ و فرمانروا بنجائیں۔ آیت استخلاف وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملو الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کا ایک یہ مطلب بھی ہے کہ ایمان و اعمال صالحہ میں جو قوم من حیث القوم پوری اُترجاتی ہے اُس قوم کو ضرور بالضرور خلافت فی الارض یعنی ملکوں کی سلطنت و حکومت حاصل ہوجاتی ہے۔ چونکہ مسلمان آجکل یہودیوں کی طرح قرآن مجید کے ایک حصہ کو مانکر ایک حصہ کا عملاً انکار کرچکے ہیں لہذا اس بداعمالی کی جو سزا یہودیوں کو دی گئی تھی وہی سزا مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ یہودیوں سے مخاطب ہوکر خدائے تعالےٰ نے فرمایا کہ

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط
(البقرہ ـ رکوع ۱۰)

کیا تم کتاب اللہ کے بعض حصہ کو مانتے اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو لوگ اس نالائقی کے مرتکب ہوں اُن کی سزا سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اُن کو ذلت و رسوائی حاصل ہو اور قیامت کے دن نہایت سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں۔

آج کل مسلمانوں میں بڑے بزرگ اور باخدا وہ لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اپنی تمام خداداد قوتوں اور استعدادوں کو بیکار و معطل کر کے زاویہ نشین ہو گئے ہیں اور روزی کمانے کے تمام مشاغل ترک کر کے اوراد و وظائف اور چلہ کشیوں میں مصروف ہیں یہ لوگ متوکل کہلاتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں توکل کے یہ معنی کسی جگہ بیان نہیں ہوئے قرآن مجید نے توکل کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ مشکلات کے وارد ہونے پر اپنے کام اور کوشش کا ترک نہ کرنا اور خدائے تعالےٰ پر بھروسہ رکھنا کہ وہ ضرور بہتر نتیجہ پیدا کرے گا۔ چنانچہ فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون جیسا بزدلانہ جواب دینے والوں کی ہمت بندھاتے و فتح کا یقین دلاتے اور آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا گیا تھا وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو اور دشمنوں پر چڑھائی کرو۔ اسی طرح آج کل صبر کے معنی مسلمانوں نے یہ سمجھ رکھے ہیں کہ ذلتیں سہہ کر خاموش بیٹھے رہنا حالانکہ صبر کے معنی ہیں مشکلات کا مقابلہ کرنا اور مصائب کو سہہ کر مصروف کار رہنا اور ہمت ہار کر مقابلہ سے منہ نہ موڑنا۔ قرآن مجید صبر کا مفہوم اس طرح سمجھاتا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
(البقرہ۔ رکوع ۳۳)

وہ لوگ جن کو خدائے تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہونے کا یقین تھا کہنے لگے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں یعنی ثابت قدم رہنے والے بہادروں کا ساتھی ہے۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
(البقرہ۔ رکوع ۳۳)

اے ہمارے رب ہم پر صبر (یعنی ثابت قدمی) نازل کر اور معرکۂ جنگ میں ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافروں کی قوم پر ہمکو فتح عطا کر۔

وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ

اور اگر تم میں سے ایک سو بہادر ہوں گے تو دو سو کافروں پر فتحمند ہوں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار

اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (الانفال - رکوع ۹)

ہوں گے تو وہ دو ہزار کفار پر اللہ کے حکم سے غالب ہوں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

قرآن مجید اپنے متبعین کو پیش آیندہ ضرورتوں کے لئے پہلے سے تیاری کرنے اور مستعد رہنے کا حکم فرماتا ہے مثلاً

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال - رکوع ۸)

اور تم سے جہاں تک ممکن ہو دشمنوں کے مقابلہ کے لئے قوت کے ذریعہ اور گھوڑوں کے مستعد رکھنے سے تیاری کرو تاکہ تم اپنے اور خدا کے دشمنوں پر دھاک بٹھلائے رکھو۔

یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر - رکوع ۳)

اے مومنو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا تیاری کی ہے۔

لیکن مسلمانوں کی حالت آج کل یہ ہے کہ سب سے زیادہ قیمتی اور مکرم و محترم وہ لوگ سمجھے جاتے ہیں جو مسلم قوم کی سود و بہبود اور فلاح و ترقی کی کوششوں سے بالکل بے تعلق اور بے نیاز ہو کر انجام کی طرف سے بے فکر اور راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے خیالات و عقائد اور اعمال کی یہ حالت ہو تو نتائج بھی اسی کے مطابق کیوں نہ برآمد ہوں اس میں اسلام اور تعلیمات قرآنیہ پر کیا الزام عاید ہو سکتا ہے! ؟ - فتدبروا -

ایک اور اعتراض بھی بار بار سننے میں آتا ہے کہ یورپی اقوام مسلمانوں کے مقابلہ میں جیرہ دست اور حکومت و سلطنت کے اعتبار سے صاحب سبقت کیوں ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسری قوموں کو زیادہ مال و دولت کیوں حاصل ہے۔ درحقیقت اس سوال کا جواب اوپر آچکا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن مجید اور احکام اسلام سے غفلت و بغاوت اور روگردانی اختیار کرکے من حیث القوم اپنے آپ کو ذلت و مسکنت کا مورد بنا لیا ہے اور محض رسمی و اسمی اسلام جس میں کوئی اسلامی حقیقت نہ پائی جائے وہ نتائج ہرگز پیدا نہیں کر سکتا جن کا وعدہ قرآن مجید نے کیا ہے۔ نیز ابتلاء و آزمائش کا آنا اور اس میں پورا اترنا بھی از بس ضروری ہے جس میں آج کل کے مسلمان بیٹے ثابت ہو رہے ہیں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (العنکبوت - رکوع ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا پس خدائے تعالیٰ ان لوگوں

کو جو ایمان کے دعوے میں سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں الگ الگ معلوم کرے گا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ (رکوع ۱)

خدا وہ ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ۝ (الدھر۔ رکوع ۱)

ہم نے انسان کو مرکب نطفے سے پیدا کیا کہ اس کی آزمایش کریں پس ہم نے اس کو سننے دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راستہ بھی دکھایا اب یا تو وہ شکر کرنے والا ہے یا ناشکرا یعنی وہ چاہے مومن بنے چاہے کافر۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ۔ رکوع ۱۹)

اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور نفوس و اموال اور پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے اور اس آزمایش میں ثابت قدم رہنے والوں کو خوش خبری سنادو۔ اور یہ ثابت قدم رہنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی اپنے صحیح منتہائے مقصد سے غافل نہیں۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ (الزخرف۔ رکوع ۳)

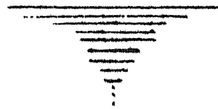
اس دنیا کی زندگی میں ہم ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے ان میں بعض کے درجوں کو بعض کے مقابلے میں اونچا کیا ہے تاکہ بعض کو بعض اپنا مسخر رکھیں۔

مسلمانوں کے مقابلہ میں کفّار کا یہ غلبہ و استیلا مسلمانوں کے لئے بطور سزا اور بطریق تازیانہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ چاہیں تو راہ راست پر گامزن ہو جائیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کو بھی ان کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں اسی قسم کی سزا ملی تھی جس کی طرف سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اشارہ ہے کہ

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىھُمَا بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل رکوع ۱)

پس جب ان دو وعدوں میں سے پہلے کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے خلاف اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیئے جو بڑے سخت گیر و تندمند تھے پس وہ تمہارے گھروں اور شہروں میں پھیل گئے اور خدا کا وعدہ تو پورا ہونے والا تھا۔

اسی قسم کے اور بھی بعض اعتراضات جو قرآن مجید کی طرف سے غافل رہنے کے سبب مسلمانوں کی زبان پر آجاتے ہیں باقی ہیں لیکن میں اس کتاب میں اس سے زیادہ کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ قرآن مجید ہر ایک اعتراض کا جواب خود دیتا اور ہر خدشہ قرآن مجید ہی کے ذریعہ رفع کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو یاد دلاتا اور اسی قول پر اس قولِ حق کو ختم کرتا ہوں کہ حسبنا کتاب اللہ



مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ یو۔پی

باہتمام

احمد الدین نظامی

چھپکر

شائع

ہوئی

دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۹ء

ملنے کا پتہ

نظامی بُک ایجنسی بدایوں یو۔پی

مکمّل فہرست کُتب مُفت منگایئے



پرنٹر و پبلشر محمد احید الدین نظامی ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں